

حضرت محی السنہ

ذات، صفات، خدمات
اور
ملفوظات
(شخصی تاثرات اور مشاہدات کی روشنی میں)

بقلم
مولانا محمد عبد القوی

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ناشر
ادارۃ اشرف العلوم
حیدرآباد

تفصیلات طباعت

نام کتاب	: حضرت محی السنۃ
نام مصنف	: مولانا محمد عجب اللہ صاحب
صفحہات	: 200
کمپوزنگ	: مولانا سید خواجہ نصیر الدین قاسمی
طباعت	: 9346338145 9391110835 : عائشہ الفتنیہ پرنٹرز متصل مسجد رضیہ، روبرو فائر اسٹیشن، ملک پیٹ، حیدر آباد۔ ۳۶
ناشر	: ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدر آباد
سن اشاعت	: جولائی ۲۰۱۳ء
قیمت	: 150/- روپے
ملنے کے پتے	

① فیض ابرار۔ متصل مسجد اکبری، اکبر باغ، حیدر آباد۔ 8885507860

② مکتب کلیمیہ۔ نزد درگاہ یوسفین، ناچلی، حیدر آباد۔ 9885655591

③ برکات بک ڈپو۔ نزد ادارہ اشرف العلوم، خواجہ باغ،

سعید آباد، حیدر آباد۔ 7702234385



میں کیا عرض کروں؟

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ!

اس ناکارہ اور اس کے خاندان پر اللہ تعالیٰ کے دیگر بے شمار احسانات و انعامات میں سے ایک اہم احسان یہ بھی ہے کہ اس کریم نے ہمیں بد شعور ہی سے اکابر دیوبند اور علماء اہل حق — جامعیت و اعتدال والی جماعت — سے روشناس کرایا، یعنی حق اور اہل حق تک پہنچنے کیلئے ہمیں کچھ بھی کرنا نہ پڑا، اہل حق میں آنکھ کھولی، اہل حق کے ماحول میں پروان چڑھے، یہ اور بات ہے کہ عزم اور ظرف کی کمی کی وجہ سے استفادہ وہ نہیں کیا جو کرنا چاہیے تھا، اللہ پاک اپنے کرم سے عفو کا معاملہ فرمائے، آمین۔

عقیدت یوں تو سب ہی علماء و اکابر سے رہی تاہم بعید العہد اکابر میں مجدد الف ثانی اور گنگوہ کے امام ربانیؒ سے، قریب الوقت بزرگوں میں حکیم الامت تھانویؒ اور شیخ الاسلام مدنیؒ سے غیر معمولی عقیدت نصیب ہوئی، ان حضرات کے مقامات کیا ہیں ان کا سمجھنا مجھ نا اہل کے بس میں نہیں، اور ان کے درمیان اختلاف کیوں تھا، یہ جاننے کی جستجو تو کیا جاننے کا تصور بھی انتہائی مکروہ اور گراں محسوس ہوتا ہے، ہاں! ان لوگوں کے احوال و اعمال اور اخلاق و اخلاص کے تذکروں سے جی بھر بھر جاتا ہے، کسی کی کوئی رائے ہو مجھے حضرت مدنیؒ و حضرت تھانوی رحمہما اللہ سے اتنی یکساں عقیدت و محبت ہے کہ نہ معلوم کیوں کسی طرح کی ترجیح طبیعت کو گوارا نہیں ہے۔

خیر! ان بزرگوں کو تو میں نے اپنے بزرگوں اور ان کی کتابوں سے جانا تھا، والد محترمؒ

کے صدقے میں جس ہستی کو خاندان کے راہنما، سرپرست اور محسن و مہربان کی شکل میں براہ راست جانا، دیکھا، پرکھا اور اسے طبعی رجحان اور قلبی میلان کے اعتبار سے تمام معاصر میں ”چیزے دیگر“ پایا وہ ہستی مخدومی و مرشدی محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی تھی، جس کی ہر ادا محبوبانہ تھی اور جس کے سراپا میں ہزاروں معشوقوں کی رعنائیاں و دل رُبائیاں پنہاں تھیں۔ وہ مسکراتے تو محبتوں کے بادل برستے تھے، وہ روٹھ جاتے تو غموں کے بگولے اٹھتے تھے، ان کی ڈانٹ رد تو ان کا غصہ برق تھا، پھر رد و برق کے اجتماع سے جو بارانِ رحمت گرتی تو مردہ دلوں کو زندگی اور خشک دماغوں کو تازگی دے جاتی تھی، ان کا رعب و دبدبہ شہنشاہوں اور تاج وروں کو شرمندہ کر سکتا تھا، ان کی شفقت و محبت ماؤں کی گود میں بھی ملنی مشکل تھی، آہ! وہ کیا انسان تھا اور کیسا مسلمان! یہ عاجز تو اپنے رسولِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور انہی کے توسل سے کر لیتا تھا، کتابوں میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جن اداؤں کا ذکر ملتا ہے اس غلام نبی کی اداؤں سے ان کی صداقت کا یقین بڑھتا چلا جاتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت محی السنہ کی زیارت محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق بڑھاتی تھی، ان کی ادا میں محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا گرویدہ بناتی تھیں۔

بات کہیں اور نکل گئی، عرض یہ کر رہا تھا کہ اس عاجز نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بے شعوری کے زمانے میں بھی دیکھا، کچھ شعور آنے کے بعد بھی دیکھا، طالب علمی کے دوران بھی، میدانِ کار میں بھی، تنہا انہی کو جانتے وقت بھی، زمانے کے اکابر سے واقفیت کے بعد بھی، سفر میں بھی، گھر اور مستقر پر بھی، خوش مزاجی کی کیفیت میں بھی، غضب ناک و ناراضگی کی حالت میں بھی، اصاغر کے ساتھ بھی معاصر و اکابر کے ہمراہ بھی، عقیدتمندوں کے ہجوم میں بھی۔ بے تمیزوں اور کینہ پروروں کے گھیرے میں بھی، باہر کے ماحول میں بھی اور گھر والوں کے درمیان بھی، ہر حال اور ہر مقام پر دیکھا، دور سے جانا، قریب سے پرکھا، ضمیر نے کسی اور کی تنقید کئے بغیر یہی فیصلہ کیا کہ ”تو چیزے دیگر“۔

مقاماتِ عالیہ اور مراتبِ رفیعہ کو تو وہ جانیں جو مقامات و مراتب کی معرفت رکھتے ہوں، اس عاجز کے دل کو محبت کا روگ ہے، بس ان کی شانِ محبوبیت ہی کو دیکھا، اسی میں الجھا، عمر بھر غلطاں و پیچاں رہا اور تو کچھ نہ سیکھا البتہ امام الانبیاء سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا کچھ سلیقہ ضرور پایا، عمل میں تو اب تک بھی نہیں قلب و ذہن میں شروع ہی سے، اور اس متاعِ گراں مایہ کے علاوہ جھولی میں اب اس کے علاوہ کچھ ہے بھی نہیں، اسی کو سینے سے لگائے دل میں ڈھکائے، چھپائے، محبوب رب صلی اللہ علیہ وسلم کے ربِّ محبوب کے حضور حاضری کی تمنائے جے جارہا ہوں۔

حضرت محی السنۃ کا وصال ۱۷ مئی ۲۰۰۵ء کو ہوا، وصال کو اب آٹھ برس ہونے جا رہے ہیں، میں نے وصال کے بعد ایک مختصر سا مضمون مقامی اخبارات کے لئے لکھا تھا، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی احوال زیادہ تر والد مرحوم سے — جو ان کے عالم شباب میں چودہ برس تک خادم خاص کی حیثیت سے پاس رہ چکے تھے — معلوم کر کے لکھے تھے، اس تعارفی مضمون کو مفصل لکھنے کا خیال تھا مگر پورا نہ کر سکا، مصروفیات کا بہانہ تو سوائے ہسانہ بد کے اور کچھ نہیں، کرنیوالے اس سے زیادہ مصروفیات میں بھی اپنے کام کر لیتے ہیں، بس ضعفِ ہمت، پستیِ حوصلہ اور قلتِ استعداد کے کوئی اور عذر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اب آٹھ برس کے بعد جب کہ عزیزم مولانا نصیر الدین سلمہ نے ”فیضِ سعید“ کی تیسری جلد مرتب کرنے کا کام شروع کیا جس میں شخصیات سے متعلق میرے مضامین جمع کئے گئے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اس قدر سرسری طور پر شامل کرنا گوارا نہ ہوا، میں نے وہ کام اس لئے رُکوا دیا کہ اس مضمون پر نظر ثانی کروں گا اور واقعات و تجربات کی روشنی میں صفاتِ عالیہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا، کام فوراً شروع بھی کر دیا مگر بیچ بیچ میں طویل و قصیر اسفار پیش آتے رہے، ادھر دیگر ذمہ داریوں کے مسائل بھی مانع ہوتے رہے کوئی آٹھ دس ماہ کے بعد اس کام کی تکمیل کر سکا، پھر جب یہ مضمون ٹائپ ہو کر آیا تو اتنا مفصل تھا کہ احباب کی اور خود میری بھی رائے اسے مستقل چھاپ دینے کی ہوئی، چنانچہ.....

حضرت محی الدینؒ۔ ذات، صفات اور خدمات۔ شخص تاثرات اور ذاتی تجربات کی روشنی میں..... کے نام سے آپ کے ہاتھ میں یہی مضمون ہے۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا اور اپنے کانوں سے سنا ہوا ہے، سوائے چند ایک واقعات کے، وہ بھی محدودے چند۔ اسلئے مجھے اطمینان ہے کہ میں نے نہ کہیں سے اخذ و نقل کیا ہے اور نہ بالقصد غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ سہو و نسیان تو البتہ لازم انسان ہے۔ تعبیرات سب میری ہیں، تہذیب و ادب سے بالکل کوری تو انشاء اللہ نہ ہوں گی، صاحب تذکرہ کی عظمت سے البتہ نازل ضرور ہیں، اسے راقم عاجز کا عیب سمجھا جائے، صاحب تذکرہ کا مقام یقیناً اس سے بلند تر ہے۔ مقربانِ بارگاہِ ابراری اب بھی بہت سے موجود ہیں، کوئی بات اس میں خلاف واقع معلوم ہو تو اس عاجز کو مطلع فرمائیں، غور کرنے اور اطمینان کے بعد قبول کرنے میں کوئی ابا نہ ہوگا، الا یہ کہ وہ بات میرے علم و یقین میں صحت سے متصف ہو، البتہ یہ تو طے ہے کہ باخبر قارئین قبول و رد میں مختار ہیں۔

اس کتاب کا سب سے اہم باب میرے خیال میں ”صفات و عادات“ والا باب ہے، شخصیت کی معرفت اسی سے زیادہ ہوگی، مگر میں اپنی کم سواد کی بناء اس کا احاطہ تو کیا کر سکتا معتد بہ مواد بھی جمع نہ کر سکا، جی چاہتا ہے کہ کوئی ذی صلاحیت اہل تعلق اس روش پر کام کرے، اور سینکڑوں زندگیوں اور ذہنوں میں منتشر ہزار ہا واقعات کو جمع کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ اس قدر مفید مطلب ہوگا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا، اب تک حضرتؒ سے وابستہ لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں^۱، اگر اٹھتے چلے گئے تو بعد میں اس کام کے امکانات بھی موہوم ہو جائیں گے۔ کاش!.....

میں نے اس کتاب میں حضرت والا کے جو ملفوظات شامل کئے ہیں یہ میرے ہی جمع

^۱ چند دن قبل حضرتؒ کے قدیم شاگرد مفتی عبدالحکیم قاسمی صاحب زید مجدہ نے اسی طرح کا ایک مضمون دیکھنے کیلئے دیا تھا، اس میں بھی حضرتؒ کی عملی زندگی اور تربیتی انداز کے کئی واقعات سامنے آئے ہیں، اور نہ جانے کتنے ہزار واقعات اہل تعلق کے ذہنوں میں منٹنے کے لئے تیار ہیں، اگر محفوظ نہ کر لئے جائیں۔

کردہ ہیں اور حضرت کی حیات میں مختلف عنوانات سے مختلف مواقع میں شائع ہو چکے ہیں۔ آخر میں یہ عرض کر دینے کو بھی جی چاہتا ہے کہ کہاں حضرتؒ کی ہستی اور کہاں اس غلام کی پستی؟ مجھے ان کی ہستی پر قلم اٹھانے کی جرأت صرف خانوادہ عالیہ کی اس پذیرائی و ہمت افزائی کے بعد ہوئی:

فیض العلوم میں حضرت حکیم کلیم اللہ صاحبؒ تشریف لائے ہوئے تھے، یہ خادم ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا، محترم حاجی علیم الحق صاحب مدظلہ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا: ”عبدالقوی بھائی! آپ نے نانی امی کے بارے میں جو مضمون لکھا ہے امی (حضرتؒ کی صاحبزادی مدظہا) نے اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ عبدالقوی نے حق ادا کیا“..... یہ سنکر فوراً حضرت حکیم صاحب مدظلہ نے فرمایا: ”واقعی انہوں نے محبت میں ڈوب کر لکھا ہے“..... پھر جب میں مرشدی حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ کی خدمت میں پر نام بٹ حاضر ہوا تو صاحبزادہ محترم مفتی رشید احمد صاحب سلمہ نے فرمایا: یہ مضمون ابا جان نے مجلس میں سنایا اور امی جان بار بار پڑھتی اور روتی رہیں کہ ہمیں اس سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔“

بس یہ خط کشیدہ تین جملے ہیں جن سے کلاہ دہقاں آفتاب تک پہونچی اور یہ مضمون جیسا تیسرا لکھ کر نذر قارئین کر دیا، اس کتاب کے آخر میں حضرت امی جان صاحبہ مدظہا سے متعلق وہ مضمون بھی شامل ہے، جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔

دعا کرتا ہوں اور سب قارئین سے چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ اپنے محسن و مربی پیر و مرشد کی شان میں کی گئی اس خدمت کو شرف قبول عطا فرمائے، مسلمانوں کے لئے نافع بنائے، میری نجات کا ذریعہ بنائے۔

والسلام

محمد عبدالقوی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

فہرست مشمولات کتاب

نمبر شمار	عناوین	صفحہ	نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	میں کیا عرض کروں؟	۳	۱	کلماتِ بابرکت حضرت حکیم کلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۲	راے گرامی حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۳	۲	راے گرامی مولانا مفتی محمد عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۴
۳	راے گرامی مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۵	۳	راے گرامی مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۵
۴	نمونہ مکاتبت و تحریر حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ	۱۶	۴	پہلا باب - آئینہ ذات	
۵	محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ		۵	جد امجد و خاندانی پس منظر	۱۸
۶	جد امجد و خاندانی پس منظر	۱۸	۶	والدہ ماجدہ اور ان کی حیات و خدمات	۱۹
۷	والدہ ماجدہ اور ان کی حیات و خدمات	۱۹	۷	والدہ ماجدہ اپنے احوال کے آئینہ میں	۲۱
۸	والدہ ماجدہ اپنے احوال کے آئینہ میں	۲۱	۸	حضرت کے برادران و خواہر	۲۲
۹	حضرت کے برادران و خواہر	۲۲	۹	ولادت باسعادت	۲۳
۱۰	ولادت باسعادت	۲۳	۱۰	آغازِ تعلیم و تربیت	۲۳
۱۱	آغازِ تعلیم و تربیت	۲۳	۱۱	دورانِ طالب علمی	۲۴
۱۲	دورانِ طالب علمی	۲۴	۱۲	حاصل کردہ علوم و فنون	۲۵
۱۳	حاصل کردہ علوم و فنون	۲۵	۱۳	اساتذہ کرام	۲۵
۱۴	اساتذہ کرام	۲۵	۱۴	اسناد است و انعامات	۲۶
۱۵	اسناد است و انعامات	۲۶			
۱۶	تصوف و سلوک	۲۶			
۱۷	تدریسی خدمات	۲۸			
۱۸	مدرسہ اشرف المدارس کا قیام	۲۸			
۱۹	اصلاحی اور دعوتی خدمات	۲۹			
۲۰	مجلس دعوت الحق کی نشاۃ ثانیہ	۳۰			
۲۱	خانقاہی نظام	۳۰			
۲۲	حج و زیارت کا ذوق	۳۱			
۲۳	نکاح اور ازدواجی زندگی	۳۱			
۲۴	مرض الوفاات اور وفات	۳۵			
۲۵	اولاد و احفاد	۳۵			
۲۶	دوسرا باب - آئینہ صفات				
۲۷	اخلاص و ولایت	۳۸			
۲۸	علمی استعداد	۳۹			
۲۹	مزاجی اعتدال	۴۱			
۳۰	اتباع سنت کا اہتمام	۴۴			
۳۱	قرآن کریم سے وابستہ تعلق	۴۸			
۳۲	طبعی نفاست و نزاکت	۴۹			
۳۳	مذاق و مزاح	۵۲			

نمبر شمار	عناوین	صفحہ	نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	مسلک و مشرب کا اہتمام	۵۵	۱	آہ! ہماری امی جان صاحبہ	۱۳۳
۹	مشرب شیخ کی رعایت	۵۵		چوتھا باب - ملفوظات	
۱۰	معاملات کی صفائی	۵۸		تحفۃ الحرم	
۱۱	علماء کا اکرام	۶۰	۱	ذکر اللہ سے نورانی ماحول بنتا ہے	۱۴۴
۱۲	امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۶۸	۱	ایک حدیث پاک کا مطلب	۱۴۵
۱۳	حسن انتظام	۷۱	۳	آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا	۱۴۵
۱۴	زہد و استغناء	۷۴	۴	مُحرمِ تلبیہ کی تشریح کرے	۱۴۶
۱۵	طلبہ پر شفقت	۷۵	۵	مشق کرنے سے کام کی عادت پڑتی ہے	۱۴۶
۱۶	اندازِ تربیت	۷۸	۶	دن بھر میں ۵۲ طواف کی توفیق ملی	۱۴۷
۱۷	عفو و درگزر	۹۳	۷	تکبراًم الامراض ہے	۱۴۸
۱۸	امت کا غم	۹۴	۸	دین کا تحفہ ضرور لے جائے	۱۴۸
۱۹	انکسار و تواضع	۹۷	۹	علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ	۱۴۹
۲۰	کشف و کرامات	۱۰۱	۱۰	نیکی کرنا کافی نہیں، گناہ بھی چھوڑے	۱۴۹
۲۱	وسعتِ قلبی	۱۰۴	۱۱	ان کو دیکھ کے سبق حاصل کرو	۱۵۰
۲۲	وسعتِ فکر و نظر	۱۰۹	۱۲	حصولِ علم کا آسان طریقہ	۱۵۰
۲۳	رقبتِ قلبی	۱۱۱	۱۳	درس قرآن کا اہتمام کیا جائے	۱۵۱
۲۴	غیرتِ قومی	۱۱۲	۱۴	طلبہ کو روزمرہ کی سنتیں سکھائی جائیں	۱۵۱
۲۵	حسنِ معاشرت	۱۱۳	۱۵	جج میں گناہوں کے کام اور لڑائی نہیں	۱۵۲
۲۶	ترحم و غم	۱۱۵	۱۶	ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں	۱۵۲
۲۷	حلم و بردباری	۱۱۸			
۲۸	تفہیم کا انداز	۱۲۰			
۲۹	حقوق العباد کی ادائیگی	۱۲۳			

نمبر شمار	عناوین	صفحہ	نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱۷۵	۳۸ آج مجھے سمجھ میں آیا	۱۶۵	۱۵۲	۱۷ اولاد کو بچپن سے دین سکھاؤ	۱۵۲
۱۷۵	۳۹ علماء کرام وجد میں آگئے	۱۶۵	۱۵۳	۱۸ بار بار کی تاکید رائیگاں نہیں جاتی	۱۵۳
۱۶۶	۴۰ پھر آپ کو بھی اسی دروازہ سے داخل ہونا چاہئے	۱۶۶	۱۵۴	۱۹ نبی امت پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں	۱۵۴
۱۶۶	۴۱ دعائیں کیوں قبول نہیں ہو رہی ہیں؟	۱۶۶	۱۵۴	۲۰ دین پر نہ چلنے میں اپنا ہی نقصان ہے	۱۵۴
۱۶۷	۴۲ جب نافرمانیاں کھلے طور پر ہونے لگیں	۱۶۷	۱۵۵	۲۱ ہر کام میں اخلاص کی ضرورت ہے	۱۵۵
۱۶۸	۴۳ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب تم پر نازل کر دیگا	۱۶۸	۱۵۶	۲۲ ہر اخلاص بھی معتبر نہیں ہوتا	۱۵۶
۱۶۸	۴۴ علماء کرام اور ائمہ عظام اپنی ایک تنظیم بنائیں	۱۶۸	۱۵۶	۲۳ مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند	۱۵۶
۱۶۹	۴۵ اجتماعی کام کا فائدہ یہ ہے	۱۶۹	۱۵۷	۲۴ رمی میں احتیاط سے کام لو	۱۵۷
۱۶۹	۴۶ مسجدیں اہل حق کے ہاتھوں نکلتی جا رہی ہیں	۱۶۹	۱۵۷	۲۵ احرام میں خوشبو کا استعمال ممنوع ہے	۱۵۷
۱۷۰	۴۷ عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے	۱۷۰	۱۵۷	۲۶ دم دراصل سزا ہے	۱۵۷
۱۷۰	۴۸ مخالف حمایتی بن گئے	۱۷۰	۱۵۸	۲۷ عورتوں کا احرام میں ایک ہی مجاہدہ ہے	۱۵۸
۱۷۰	۴۹ آج سے ہم سب وہابی ہیں	۱۷۰	۱۵۸	۲۸ اسلام واقعی سراپا تہذیب کا نام ہے	۱۵۸
۱۷۱	۵۰ ایک دن میں بیس سنتیں سیکھ لیں	۱۷۱	۱۵۹	۲۹ صحابہ بس نبی کی مرضی کو دیکھتے تھے	۱۵۹
۱۷۱	۵۱ ایک عالم کا حسن فہم و تدبیر	۱۷۱	۱۵۹	۳۰ بچوں سے مانگنا سیکھئے	۱۵۹
۱۷۱	۵۲ آپ کیلئے تو پانچ گھنٹے کی اجازت ہے	۱۷۱	۱۶۰	۳۱ اصل مقصود رضائے الہی ہے	۱۶۰
۱۷۲	۵۳ اصلی ہیکل الماریوں میں بند کئے ہوئے ہیں	۱۷۲	۱۶۱	۳۲ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہئے	۱۶۱
۱۷۲	۵۴ ہماری کمزوری کی وجہ کیا ہے؟	۱۷۲	۱۶۱	۳۳ تہجد کی عادت ڈالنا چاہئے	۱۶۱
۱۷۳	۵۵ اپنی اصلاح کی فکر بہت ضروری ہے	۱۷۳	خطاب بہ اہل علم		
۱۷۳	۵۶ بیعت ضروری ہے یا اصلاح نفس؟	۱۷۳	۱۶۲	۳۴ اہل علم کا مرتبہ بہت اونچا ہے	۱۶۲
۱۷۴	۵۷ اصلاح کا صحیح طریقہ کار مکاتبت اصلاحی ہے	۱۷۴	۱۶۳	۳۵ حضرت حکیم الامت کی وقت نظر	۱۶۳
۱۷۴	۵۸ ہم خیال پیر تلاش کرو	۱۷۴	۱۶۳	۳۶ امت کے مصائب ٹالتے کیوں نہیں؟	۱۶۳
۱۷۵	۵۹ مجھے یہ مال پسند نہیں	۱۷۵	۱۶۴	۳۷ ایک عام غلط فہمی	۱۶۴

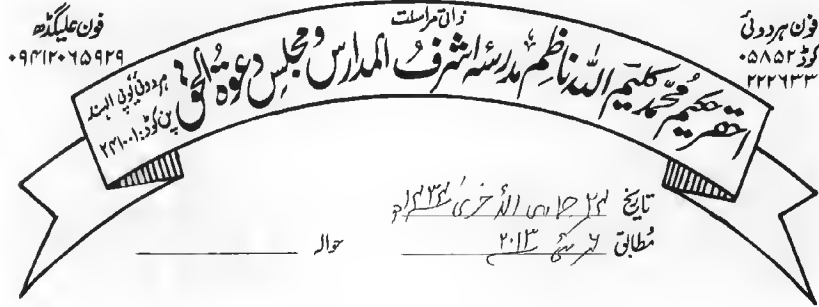
صفحہ	عناوین	نمبر شمار	صفحہ	عناوین	نمبر شمار
۱۸۷	دیکھنے اور سیکھنے میں فرق	۷۹	۱۷۵	طریق میں نفع کے چار اصول	۶۰
۱۸۷	اغلاط نماز کی اصلاح کیجئے	۸۰	۱۷۶	اس سے آدمی محروم ہو جاتا ہے	۶۱
۱۸۸	عمل کو کتاب سے ملاؤ	۸۱	۱۷۷	ایک واقعہ طالب علمی کے زمانے کا	۶۲
اصلاح نفس و اصلاح معاشرہ			۱۷۷	غور کرنے کا مقام	۶۳
۱۸۹	مسلمانوں کی دوزمہ داریاں	۸۲	۱۷۷	وہ اصلاح کا نہیں شہرت کا طالب ہے	۶۴
۱۸۹	اچھائی اور برائی کا معیار	۸۳	۱۷۸	ائمہ کرام سنتوں پر عمل نہیں کریں گے تو.....	۶۵
۱۹۰	وہ جس کا مک و اچھا کہیں اچھا ہے	۸۴	۱۷۸	خواجہ صاحب کے ایک شعر پر اشکال کا جواب	۶۶
۱۹۱	بڑوں کی اتباع میں کامیابی ہے	۸۵	نصیحت الابرار		
۱۹۱	سکوت صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معتبر ہے	۸۶	۱۷۹	حالات بدلنے نظر نہیں آتے	۶۷
۱۹۲	کسی جماعت کا سکوت بھی حجت نہیں ہے	۸۷	۱۸۰	اس امت کی بیماری اور اس کا علاج	۶۸
۱۹۲	فعل پیراں جست نہ باشد	۸۸	۱۸۰	ایک اشکال اور اس کا جواب	۶۹
۱۹۳	دل شکنی گوارا کر لی مگر حکم نبی کو نہ توڑا	۸۹	۱۸۱	امر بالمعروف کے ساتھ نبی عن المنکر بھی ہو	۷۰
۱۹۵	صالح بننے کا طریقہ اتباع سنت ہے	۹۰	۱۸۲	شروع کر نیوالوں کو تمام کر نیوالوں کا اجر ملے گا	۷۱
۱۹۵	ہماری اذان و نماز بھی سنت کے مطابق نہیں	۹۱	۱۸۳	یہ کس قدر بری بات ہے	۷۲
۱۹۵	عباد کی طرح تجارت بھی سنت کے مطابق کیجئے	۹۲	۱۸۳	صرف اعلاء کلمۃ اللہ کو مقصود بناؤ	۷۳
۱۹۶	تین سہل اور اہم سنتیں	۹۳	۱۸۴	تعلیم زیادہ ضروری ہے تبلیغ؟	۷۴
۱۹۷	بیمار امت کیلئے نسخہ شفاء	۹۴	۱۸۴	اخلاص نہ ہو تو جہاد بھی کام نہیں آئے گا	۷۵
۱۹۸	اصلاح منکرات کا فریضہ پورا کیجئے	۹۵	۱۸۵	صرف رضائے الہی مقصود ہونا چاہئے	۷۶
۱۹۸	بے اصولی سے احتیاط کرنا چاہئے	۹۶	۱۸۵	میری طرح نماز پڑھو	۷۷
۱۹۹	برسوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا	۹۷	۱۸۶	ایک غلط فہمی کی اصلاح	۷۸



کلماتِ بابرکات

حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی، جانشین حضرت محی السنہ

باسمہ تعالیٰ



عزیز مکرم مولوی محمد عبدالقوی زید لطفہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ”حضرت محی السنہ علیہ الرحمۃ کی ذات، صفات اور خدمات“ کا مسودہ نظر نواز ہوا نیز عزیزم سلیم الحق (انس) سلمہ نے بالتفصیل دیکھا، انھوں نے کچھ جگہوں پر نشاندہی بھی کی ہے نیز کچھ مشورے بھی دیئے ہیں، مجموعی طور پر کتاب قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس سعی کو قبول فرمائے اور مطالعہ کرنے والوں کو اس سے نفع پہونچائے آپ کیلئے ذریعہ نجات بنائے، آپ کے جملہ مقاصد کیلئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔

حکیم کلیم اللہ

۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ

مطابق ۶ مئی ۲۰۱۳ء

رائے گرامی مخدومی و مرشدی

حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہم العالی، خلیفہ حضرت محی السنۃ

باجمعیۃ المدینۃ

No. 41/23, Mulla Street,
PERNAMBUT - 635 810.
Vellore District (T.N.)
Ph : 04171 - 230066

بندہ سعید احمد غفر اللہ
پنامہ ہٹ۔

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ !

سیدی و مرشدی محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابراہیم صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہ کی ذاتِ بابرکات — جن کی زندگی کا ہر سانس خدمتِ قرآن، سنتوں کی اشاعت اور منکرات کی بیخ کنی کیلئے وقف تھا — کی نظیر آج خال خال ہی نظر آتی ہے۔

حضرت والا علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد بہت سے علماء کرام اور اہل قلم حضرات نے آپ کی پاکیزہ زندگی کے حالات اور آپ کے مبارک اوصاف و کمالات کو لکھا، پھر بھی حضرت والا علیہ الرحمۃ کے سارے کمالات و محاسن کا احصاء نہ ہو سکا۔

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و حسرت نام نیست بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محب محترم جناب مولانا محمد عبدالقوی صاحب زیدت معلیم کو کہ انہوں نے حضرت والا ہردوئیؒ کے اُن کمالات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جہاں تک ہماری نظر و فکر نہیں گئی، حضرت والا علیہ الرحمۃ کے مزاج مذاق اور آپ کی مبارک تعلیمات کو انہوں نے بڑے دل نشیں اور خوبصورت انداز میں مرتب کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ میرے لئے حضرت والا سے عقیدت و محبت میں مزید اضافہ کا باعث بنا۔

میری دعا ہے کہ اللہ رب العالمین اس ذخیرہ کو شرف قبولیت سے نواز کر امت مسلمہ کیلئے نافع بنائے آمین یا رب العالمین بحرمۃ سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

محمد رفیع غفر اللہ
۱۵ / رجب المرجب ۱۴۳۲ھ
۲۶ / رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

رائے گرامی

برادر محترم و مکرم مولانا مفتی محمد عبدالغنی صاحب مدظلہ، خلیفہ حضرت محی السنہ

باسمہ تعالیٰ

MOHD. ABDUL MUGHNI MAZAHERI
KHADIM MADARSA SABEELUL FALAH

مفتی عبدالغنی مظاہری
خادم مدرستہ سبیل الفلاح حیدرآباد

Office: 22-8-61 to 66 & 107, Lakkade Kote Chatta Bazaar & Chandrangutta Rinroad Bandlaguda Hyderabad, A.P 04024402899

مرشدی، مربی، و استادی محی السنہ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب نور اللہ مرقدہ جلیل القدر و مایہ ناز عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ولی کامل، متبع سنت بزرگ اور عظیم ناصح تھے، ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے محبت و معرفت کی طرف اللہ کے بندوں کو متوجہ فرماتے رہے، عشق نبی اور اتباع سنت کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر خود کرنا اور دوسروں کو اس پر آمادہ کرنا آپ کی زندگی کا زبردست مشن رہا، حتیٰ کہ معذوری اور بیماری کے دوران بھی سنتوں کا خود اہتمام فرماتے اور خدام کو بھی متوجہ فرماتے رہے، آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہزار ہا ہزار انسانوں کو صلاح و تقویٰ اور طہارت ظاہر و باطن کی دولت سے نوازا، آپ کی ساری زندگی اتباع سنت اور احیاء سنت کا روشن باب اور کھلی کتاب ہے، آپ کے فیوض و برکات آپ کے مواعظ و ملفوظات اور تلامذہ و خلفاء کے ذریعہ سارے عالم میں آج بھی جاری و ساری ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہیں گے، آپ کے بعض متعلقین نے آپ کے مواعظ و ملفوظات مرتب کر کے شائع بھی کیئے ہیں، جس سے امت مستفید ہو رہی ہے۔ انہی میں سے یہ مجموعہ بھی ہے جو آپ کے حالات اور اندازِ تعلیم و تربیت کے واقعات پر مشتمل ہے، جس کو برادرِ مومنین مولانا حافظ محمد عبدالقوی صاحب زید فضلہ و علمہ نے ترتیب دیا ہے جو نہایت مؤثر اور دلچسپ ہے اس مجموعہ کو احقر نے مطالعہ کیا تو ایسا لگا جیسے حضرت محی السنہ کی ذات گرامی گویا آنکھوں کے سامنے آگئی۔

دل سے دعاء ہے کہ حق تعالیٰ اس مجموعہ کو مقبولیت نصیب فرمائے اور مؤلف کو جزائے

والسلام

خیر عطا فرمائے۔

مفتی عبدالغنی مظاہری

رائے گرامی

رفیق قدیم و صدیق حمیم مولانا مفتی عبداللہ پھولپوری دامت برکاتہم، خلیفہ حضرت محی السنہ

Mufti Muhammad Abdullah Phoolpuri
Shaikhul Hadees wa Nazim-e-Aala, Madrasa Islamiya Arabia Baiful-Uloom
Saraimere, Azamgarh, (U.P.) India
Madrasa Telefax (05462) 256029, 09235919994
Mobile: 0091 - 9415656331, 0091 - 9794332329

مفتی محمد عبداللہ پھولپوری
شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ مدرستہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرтімہر اعظم تیرہ (پوری)

حَامِدًا مُصَلِّيًا وَمُسَلِّمًا آمَنًا بَعْدُ !

بندہ حیدر آباد بہ سلسلہ دینی پروگرام حاضر ہوا تو مولانا محمد عبدالقوی صاحب زید مجدہ سے ایک بیان میں ملاقات ہوئی، عرصہ قبل میرے کچھ اوقات طالب علمی کے مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں گزرے تھے جہاں موصوف سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، حضرت والا شاہ ہردوئی قدس سرہ کی خدمت و صحبت میں گزرے یہ اوقات بندہ کیلئے باعثِ صدمہ و مسرت ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ موصوف مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائیں، انہوں نے اپنے ایک غیر مطبوع رسالہ بابت تذکرہ حضرت محی السنہ شاہ ہردوئیؒ پر کچھ لکھنے کی فہمائش کی، بندہ چونکہ سفر میں ہے اس لئے تفصیل کا موقع نہیں، چند کلمات عرض خدمت ہیں کہ دین ہمیشہ کتاب اللہ و رجال اللہ کے مجموعہ سے چلا ہے اور حضرت والا عالم ربانی محی السنہ شاہ ہردوئی قدس سرہ مقبولانِ بارگاہِ الہی کی ایک نایاب کڑی تھے۔ میں تو عرض کیا کرتا ہوں کہ ہمارے حضرت کا اپنے دور میں سکۃ ولایت چلتا تھا، اکابرین کی حضرت والا امانت تھے، اور بزرگوں کی تربیت و صحبت نے حضرت والا کو عبقری بنادیا تھا جس طرف نظر ڈال دیا اس کو زعفران زار بنادیا جس انسان کو دیکھا اسے ہدایت کے اسلوب سے واقف کرا دیا، دنیا کے متوالوں کو دین کا شیدائی بنادیا، رجال سازی کا گر اُن کو اللہ تعالیٰ نے خاص عطا فرمایا تھا اسلئے ان کا تذکرہ ان کی یادِ غفلت زدہ قلوب کو صیقل کرتی رہے گی۔ بندہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسالہ اور مولف رسالہ کو حسن قبول سے نوازیں اور پڑھنے والوں کو اولیاء اللہ کے اوصاف عطا فرمائیں، بندہ راقم الحروف بھی اپنے لئے قارئین سے دعائے خیر کی درخواست کرتا ہے۔

فقط

بندہ محمد عبداللہ پھولپوری غفرلہ

نزیل حال حیدر آباد

بمکان مفتی محمد زکریا سلمہ اللہ تعالیٰ

ھ ۱۴۲۹ / ۵ / ۲۹

نمونہ مکاتبت و تحریر حضرت محی السنۃ

باسمہ تعالیٰ
۵۵/۱۸

مخدوم محمد علی حسن علی
السلام علیہ و آلہ و سلم

۱۔ طریقہ سالانہ کا جواب کل دستی مل گیا۔
۲۔ ان شاء اللہ دونوں کے مصارف تمام کا حساب دفتر میں رکھوں گا۔

۳۔ ختم نئی شہادت الدہ کے کو کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ رقم دے دیا تھا۔ جسے معلوم ہوا کہ جہازات صبح گورکھ پور ایکسپریس میں دہلی جا ٹکٹ بن گیا ہے۔

۴۔ اس رشتہ میں احقر غوثی ضرورت میں شرکت کے علاوہ کچھ اوقات میں کیا کرے۔ حضرت والدہ کے حکم کے نوافل اوقات گزرتے ہیں ان شاء اللہ۔

۵۔ اس فقر کا قصہ بعض اوقات دہ بیت ہے۔

۶۔ چنانچہ اسے جن حالات کی حضرت والدہ کو اطلاع کرنی ہو یا کہ میری طلب اور میں اپنی نگرانی میں ڈال دیا جائے یا مشافعت پیش کیا جائے؟

۷۔ اگر میں گھر کی اجازت ہو تو کدورت پیش کیا جائے؟

جیہاں ضروریات کے علو رکھوں گا۔

درود

خاتم
مخدوم محمد علی حسن علی
القوی
مقدمہ

۱۔ اس
۲۔ اس
۳۔ اس
۴۔ اس
۵۔ اس
۶۔ اس
۷۔ اس

۸۔ اس
۹۔ اس
۱۰۔ اس

۱۱۔ اس
۱۲۔ اس
۱۳۔ اس
۱۴۔ اس
۱۵۔ اس
۱۶۔ اس
۱۷۔ اس
۱۸۔ اس
۱۹۔ اس
۲۰۔ اس

۲۱۔ اس
۲۲۔ اس
۲۳۔ اس
۲۴۔ اس
۲۵۔ اس
۲۶۔ اس
۲۷۔ اس
۲۸۔ اس
۲۹۔ اس
۳۰۔ اس

۳۱۔ اس
۳۲۔ اس
۳۳۔ اس
۳۴۔ اس
۳۵۔ اس
۳۶۔ اس
۳۷۔ اس
۳۸۔ اس
۳۹۔ اس
۴۰۔ اس

۴۱۔ اس
۴۲۔ اس
۴۳۔ اس
۴۴۔ اس
۴۵۔ اس
۴۶۔ اس
۴۷۔ اس
۴۸۔ اس
۴۹۔ اس
۵۰۔ اس

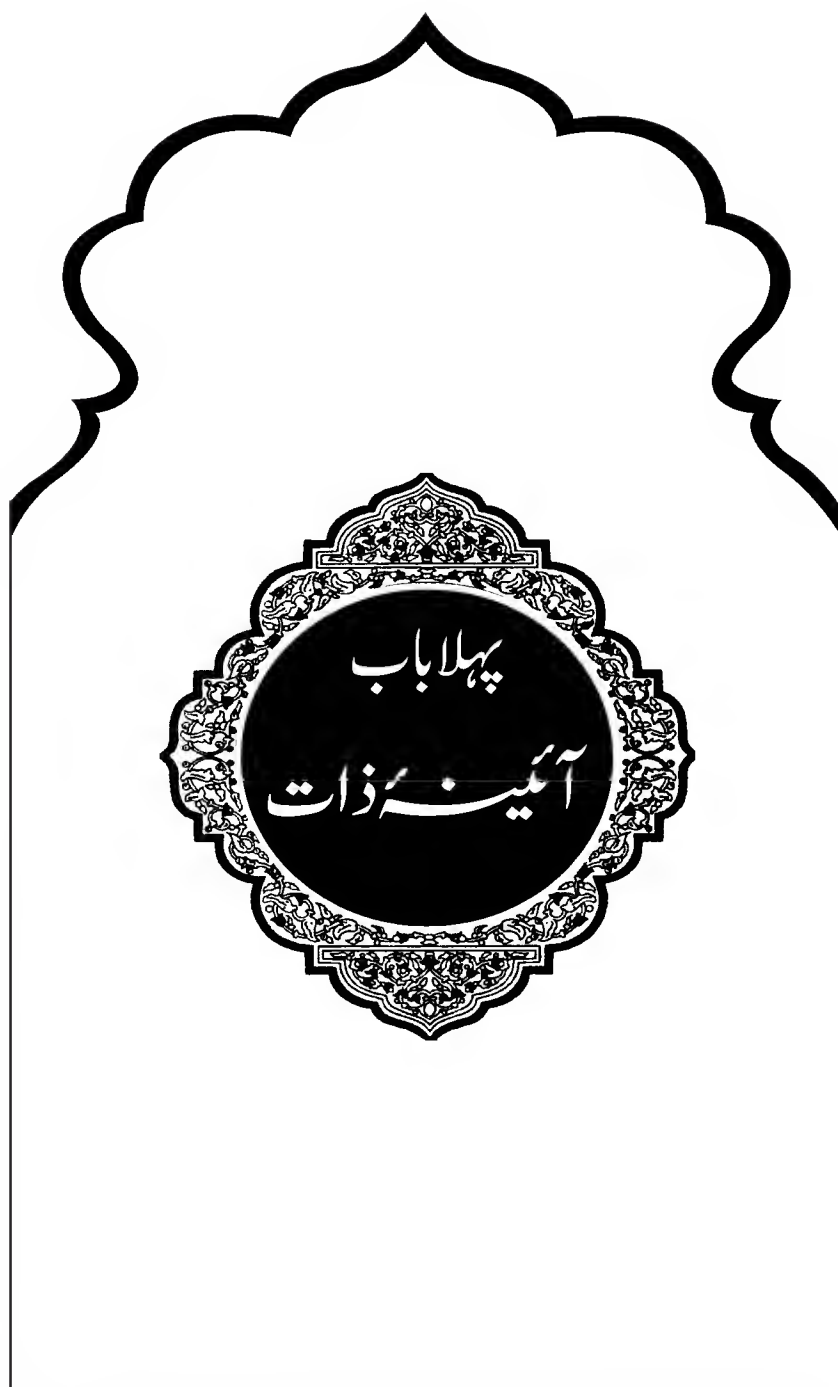
۵۱۔ اس
۵۲۔ اس
۵۳۔ اس
۵۴۔ اس
۵۵۔ اس
۵۶۔ اس
۵۷۔ اس
۵۸۔ اس
۵۹۔ اس
۶۰۔ اس

۶۱۔ اس
۶۲۔ اس
۶۳۔ اس
۶۴۔ اس
۶۵۔ اس
۶۶۔ اس
۶۷۔ اس
۶۸۔ اس
۶۹۔ اس
۷۰۔ اس

۷۱۔ اس
۷۲۔ اس
۷۳۔ اس
۷۴۔ اس
۷۵۔ اس
۷۶۔ اس
۷۷۔ اس
۷۸۔ اس
۷۹۔ اس
۸۰۔ اس

۸۱۔ اس
۸۲۔ اس
۸۳۔ اس
۸۴۔ اس
۸۵۔ اس
۸۶۔ اس
۸۷۔ اس
۸۸۔ اس
۸۹۔ اس
۹۰۔ اس

۹۱۔ اس
۹۲۔ اس
۹۳۔ اس
۹۴۔ اس
۹۵۔ اس
۹۶۔ اس
۹۷۔ اس
۹۸۔ اس
۹۹۔ اس
۱۰۰۔ اس



محی السنۃ حضرت اقدس شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جد امجد اور خاندانی پس منظر

محی السنۃ، عارف باللہ، آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب ہندوستان کے مشہور محدث و محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جاملتا ہے۔ حضرت شیخ دہلوی کے آباء و اجداد کا تعلق ”بخارا“ سے تھا، ان کے جد امجد تیرہویں صدی عیسوی میں اپنے وطن بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے، شیخ کی پیدائش ”دہلی“ میں ۹۵۸ء میں ہوئی تھی، آپ اپنے زمانہ کے شہرہ آفاق محدث، صاحب سلسلہ بزرگ اور شیخ طریقت تھے، آپ نے ظاہری علوم دہلی اور ماوراء النہر کے اساطین علم سے حاصل کئے تھے اور علوم باطنہ میں مدارج عالیہ کی تحصیل اور تصوف و سلوک کی تکمیل شیخ موسیٰ گیلانی، شیخ عبدالوہاب متقی، اور خواجہ باقی باللہ رحمہم اللہ کی نگرانی و صحبت میں فرمائی تھی، ۹۴ برس کی عمر پائی تھی اور اس پوری عمر کو علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کی خدمت اور اصلاح اُمت میں صرف و سرمای، اخبار الاخیار، مدارج النبوة، اشعة اللمعات، شرح سفر السعادة اور ماثبت بالسنۃ وغیرہ جیسی علمی کتابیں ان کے علم و فضل کی یادگار ہیں۔

قریب ایک صدی تک علم و عرفان کی روشنی پھیلا کر بالآخر ۱۰۵۲ء میں آپ کا آفتاب عمر غروب ہو گیا، اپنے پیچھے تین صاحبزادے چھوڑے، تینوں اُونچے درجہ کے علماء و صوفیاء میں شمار کئے جاتے ہیں، صاحبزادگان کے بعد بھی یہ خانوادہ علم و فضل اور شرافت و نجابت میں ممتاز رہا اور آگے چل کر اسی عظیم و بابرکت خاندان کے ایک چشم و چراغ مولوی محمود الحق حق بھی ہیں۔

والد ماجد اور ان کی حیات و خدمات

حضرت محی السنۃ کے والد ماجد محترم جناب محمود الحق حقؒ تھے، جن کی ولادت یوپی کے مشہور شہر ”میرٹھ“ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن ہی میں حاصل کی، اعلیٰ تعلیم کے لئے بنارس اور علی گڑھ کا سفر فرمایا اور ایم، اے، او کالج علی گڑھ سے سند فراغت حاصل کی، طالب علمی کے زمانہ سے ہی نہایت صالح و دیندار تھے، اس وقت بھی اگرچہ علوم عصریہ میں مشغول تھے لیکن آپ کے تقویٰ و پرہیزگاری اور دین داری کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور دراز سے بیماروں کو دم کرائے کیلئے آپ کے پاس لایا کرتے تھے، مشہور تھا کہ ان کی پھونک میں شفا ہے۔ واقعی مثل مشہور ہے ”ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات“ یعنی جو درخت بار آور ہونے والا ہوتا ہے شروع ہی سے اس کی حالت اُمید افزا اور اسکے پتے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔

تکمیل علوم کے بعد آپ نے پہلے تدریس، پھر وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اپنے کام اور قیام کیلئے ضلع ہردوئی کا انتخاب فرمایا، پھر اسی پسماندہ شہر کو وطن بنا لیا، دیکھتے ہی دیکھتے اپنی ذہانت و مہارت فن کی بدولت پورے ضلع میں بفضلہ تعالیٰ ایک نامور و کامیاب وکیل کی حیثیت سے معروف ہو گئے، دور دور سے اور بڑے بڑے لوگ اپنے مسائل و مقدمات کی ان کے ذریعہ عدالتوں میں پیروی کروانے کیلئے ہردوئی آتے اور کامیابی کے اُمیدوار رہتے تھے، متعدد افراد ماتحتی میں کام کرنے کے باوجود رجوع ہونے والوں کا ایک ہجوم لگا رہتا تھا۔ خاص بات یہ ہے کہ ان معاشی مصروفیات کے باوجود اپنے دینی معمولات اور قومی و ملی خدمات میں کوئی کمی آنے نہیں دیتے تھے، فرائض و واجبات کے علاوہ سنن و نوافل کا اہتمام بھی فرماتے تھے، خوش وضعی اور خوش پوشاکی اور ظاہری رکھ رکھاؤ بھی متاثر نہیں ہوتا تھا، معاملات کی صفائی، معاشرت میں احکام شریعت کا پاس و لحاظ ان کا خاص وصف تھا، حقوق العباد کا بہت اہتمام کرتے تھے، اپنے رشتہ داروں اور عام بیوگان اور محتاجوں کی مالی اعانت میں نہایت فراخ دل تھے، ساتھ ہی ان کاموں کو ہمیشہ پردہ خفا میں رکھنے کی سعی کرتے تھے، اولاد کی تعلیم و تربیت سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے، پھر اولاد کے ساتھ

حسن سلوک میں نابرابری اور کسی پر زیادتی ہونے نہیں دیتے تھے، سب بچوں سے یکساں سلوک روا رکھتے تھے۔ مزاج سنجیدہ اور شستہ پایا تھا، مروت و شفقت، بالخصوص ضعفاء اور مساکین پر رحم و کرم طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اسی کے ساتھ زہد و تقویٰ، ورع و پرہیزگاری میں جو بالخصوص حضرت حکیم الامتؒ کے مکتب فکر کا اس زمانہ میں ایک امتیاز بن گیا تھا — میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت حکیم الامتؒ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت تھے اور ان سے غیر معمولی اعتقاد تھا، ان کی خدمت میں آمد و رفت اور ان کی تعلیمات سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا ہمیشہ اپنی مشغولیات کے باوجود غایت درجہ اہتمام رکھتے تھے، چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ نے انھیں ان کے اخلاق و اعمال اور دیانت و تقویٰ پر اعتماد فرماتے ہوئے ”مجاز صحبت“ قرار دیا، یعنی خلافت سے سرفراز فرمایا جو بجائے خود ایک تعارف و سند ہے۔

ذاتی زندگی کی قابل رشک خوبیوں کے علاوہ ان میں یہ کمال بھی اللہ تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا کہ وہ ہر وقت ملت کے مسائل کے حل اور ان کی دینی و دنیوی ترقیوں کے لئے متفکر اور متحرک رہا کرتے تھے، چنانچہ اسی جذبہ سے انھوں نے ہردوئی میں ”انجمن اسلامیہ“ کا قیام عمل میں لایا اور مدت العمر اتفاق رائے سے وہی اس کے صدر منتخب ہوتے رہے، اس انجمن کے تحت ہردوئی کے پسماندہ اور جہالت زدہ مسلمانوں کی ترقی و ترفع کے لئے انھوں نے مختلف کاموں کا آغاز فرمایا، مکاتب کا قیام، مساجد کا نظام، قبرستان کا تحفظ اور اس کی صفائی کا اہتمام، یتیمی و بیوگان کی کفالت کا انصرام، عصری و دینی تعلیم کا فروغ، عوام میں دینی بیداری اور نمازوں کی پابندی کیلئے جدوجہد وغیرہ اس انجمن کے مقاصد میں شامل اور ان کی سرگرمیوں میں داخل تھے۔

مختصر یہ کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور ہردوئی کے مسلمانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت و نعمت بن کر پہنچے تھے۔ دُنیا بھی خوب کمائی اور آخرت کا توشہ بھی بہت بنایا، بالآخر ۱۹۴۶ء میں انتقال فرما کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، نماز جنازہ ان کے قابل فخر صاحبزادہ — صاحب تذکرہ — حضرت محی السنۃؒ نے پڑھائی اور جامع مسجد

ہردوئی کے ایک گوشہ میں آسودہ خاک کئے گئے، ان کے انتقال پر پورے شہر میں بلا لحاظ مذہب و ملت غم و افسوس کی لہر دوڑ گئی تھی، حتیٰ کہ بعض غیر مسلموں نے تو مسلمانوں کیلئے ان کی دینی و دنیوی خدمات کو دیکھتے ہوئے اور ان کو مسلمانوں کی ”آبرو“ قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہا کہ ”آج مسلمانوں کی ناک کٹ گئی“۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمة اللہ علیہ رحمة واسعة۔

والدہ ماجدہ اپنے احوال کے آئینہ میں

حضرت محی الدین کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کا تعلق شہر جوہر کے ایک وجیہ و باوقار خاندان سے تھا، پابند صوم و صلوٰۃ تھیں ہی، سیرت و کردار میں بھی فخر انسانیت و شرافت تھیں، نہایت خلیق و ملنسار، نرم گفتگو و نرم اطوار تھیں، غرباء پروری، مہمان نوازی تو گویا ان کی فطرت میں داخل تھی، ہمیشہ اپنے ساتھ پیسوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی رکھی ہوتی تھیں، جس میں سے بچوں کو بڑوں کو حسب مراتب انعام و اکرام فرماتی رہتی تھیں۔

بیماروں کی تیمارداری اور اہل میت کی دلداری کا خاص اہتمام تھا، اس کے لئے ان کے گھروں پر اپنے تانگہ کے ذریعہ خود پہنچتیں اور کبھی بازار سے ”چائے پاپے“ منگوا کر اور کبھی گھر سے کھانا وغیرہ لے جا کر اپنی موجودگی میں ان لوگوں کو کھلاتیں اور خوب تسلی دیتی تھیں۔

زبانی ہمدردی کرنے والی عورتیں تو بہت ہوتی ہیں لیکن عملی طور پر غم خواری اور غمزدوں کی خدمت گزاری نصیب والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے، گھر میں بھی مہمانوں کا سلسلہ لگا رہتا تھا، ان سب کی میزبانی کا اہتمام خود کرواتیں تھیں، راقم السطور کی والدہ محترمہ کا چشم دید نقشہ ہے کہ ناشتہ میں روزانہ چالیس چالیس نیم برشت تیار ہوتے تھے، چار چار عورتیں ترکاری اور سبزی بنانے میں مشغول رہتی تھیں، مختصر یہ کہ جی جان سے اور دل کھول کے مہمانوں کا اعزاز اور آنے جانے والوں کا اکرام کیا کرتی تھیں۔

مدرسہ قائم ہوا تو طلبہ مدرسہ پر بھی نہایت شفقت و کرم کا دروازہ کھول رکھا تھا، مدرسہ میں کوئی سزا تجویز ہوتی تو طلبہ کسی طرح ان تک پہنچ جاتے، ان کی سفارش سے سب کی

رعایتیں ہو جاتی تھیں، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ متعلقہ استاذ یا نگران کو بلا کر طلبہ سے رفق و نرمی کی تاکید کرتیں، اس سے بھی آگے بڑھ کر بعض مرتبہ اپنے قابلِ فخر و جلیل القدر صاحبزادہ — حضرت محی السنہ — کو بھی بلا کر درگزر کی سفارش فرمادیتی تھیں۔

بایں ہمہ ذکر و شغل اور سنت و نفل کی بھی پابند تھیں، ہر دوئی میں موجود ایک بزرگ حضرت مولانا دارث علی شاہ — جو بہت ہی بارع اور متبع سنت بزرگ تھے — سے بیعت تھیں، اپنے شیخ سے بہت عقیدت رکھتی تھیں؟ تقسیم ملک کے بعد بعض مصالح سے حضرت محی السنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ بلکہ تیاری فرمائی تھی، جب اس کا علم انکو ہوا تو بلا کر فرمایا: ”تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ لیکن میں نہیں جاؤں گی، اس لئے کہ میرے شیخ اسی سر زمین میں مدفون ہیں، میں بھی یہیں دفن ہونا پسند کرتی ہوں، چنانچہ مدت العروہیں رہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

حضرت محی السنہ کے برادران و خواہر

اس خوش خصال اور نیک اطوار اہلیہ سے وکیل محمود الحقؒ کی پانچ لڑکے اور ایک لڑکی، کل چھ اولادیں ہوئیں:

① محترم جناب ڈاکٹر انصار الحق صاحبؒ

② محترم جناب وکیل اسرار الحق صاحبؒ

③ حضرت محی السنہ مولانا حافظ وقاری ابرار الحق صاحبؒ

④ محترم جناب انوار الحق صاحبؒ

⑤ محترم جناب ڈاکٹر حافظ حبیب الحق صاحبؒ اور

ایک لڑکی محترمہ فرحت صاحبہؒ (پرنسپال مراد آباد کالج) تولد ہوئے۔ سب اولاد ماشاء اللہ تعلیم یافتہ اور تہذیب اسلامی سے آراستہ ہوئیں، بعض پر ابتداءً جدید تعلیم و تہذیب کا اثر رہا، تاہم بفضلہ تعالیٰ بعد میں سب پختہ دینی ماحول سے وابستہ ہو گئے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

ولادت باسعادت

اسی مبارک و مسعود اور علمی، دینی، ملی غیرت و حمیت سے معمور خانوادہ میں حضرت محی الدینؒ کی ولادت ہوئی، تاریخ ولادت ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء ہے۔ بچپن ہی سے بفضلہ تعالیٰ گھر والوں نے آپ میں پاکیزہ جذبات اور سنجیدہ احساسات کا مشاہدہ و تجربہ کیا۔

آغازِ تعلیم و تربیت

جب عمر مبارک پڑھنے لکھنے کے قابل ہوئی تو ہندوستان کے نامور و قابل فخر محدث حضرت مولانا میاں اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ کے ذریعہ آپ کی ”بسم اللہ خوانی“ کروا کر تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، والد محترم نے سب سے پہلے سب سے محترم و مقدس کتاب ”قرآن مجید“ کی تعلیم کو ضروری سمجھا۔ اور ہے بھی سب سے پہلے اسی کا حق۔ ناظرہ قرآن کی تکمیل کے بعد جناب محترم حافظ عبدالعزیز صاحب کی نگرانی و سرپرستی میں حفظ کا آغاز فرمایا، تعلیم میں دلچسپی اور حفظ قرآن کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ آٹھ برس کی انتہائی کم عمری میں آپ نے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کر لی، اردو فارسی و عربی کی ابتدائی تعلیم ”انجمن اسلامیہ ہردوئی“ کے تحت قائم ایک مدرسہ میں مولانا انوار احمد انہٹوئیؒ سے حاصل فرمائی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد والد محترم نے اعلیٰ اور مستقل تعلیم کے لئے ہندوستان کی معروف دینی درسگاہ ”مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور“ کا۔ جو اُس وقت بڑے بڑے اہل علم و فضل کی خدمات سے معمور و ممتاز تھی۔ انتخاب فرمایا، چنانچہ آپ نے ۱۳۴۹ھ میں بہ عمر ۱۸ سال ”مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور“ میں داخلہ حاصل کر کے باقاعدہ تعلیم شروع فرمادی اور ۱۳۵۶ھ میں بہ عمر سترہ سال ”درس نظامی“ کے تمام درجات اور دورہ حدیث شریف کی تکمیل فرمائی اور اعلیٰ ترین انعام کے مستحق قرار پائے، بعد ازاں مزید دو برس وہیں پر قیام کر کے تکمیل فنون کا اہتمام بھی فرمایا۔

دورانِ طالب علمی

طالب علمی کا دور آپ نے نہایت ہی محنت و مجاہدہ سے نکالا، باوجود ایک رئیس گھرانے سے تعلق اور ناز و نعمت کے پروردہ ہونے کے بھی اپنا کام خود کرتے تھے، مدرسہ کے نصاب کی تکمیل کے علاوہ خارج میں بھی پڑھنے کا اہتمام تھا، نیز قرآن مجید کے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور ذوق خاص کی وجہ سے ”فن تجوید“ سیکھنے کا بھی اشتیاق تھا، چنانچہ اس کے لئے مدرسہ سے تقریباً تین کلو میٹر دور جا کر نماز فجر ”جامع مسجد“ میں ادا فرماتے اور وہاں وقت کے معروف و مشہور قاری و مقرر حضرت قاری عبدالحق صاحبؒ سے تلاوت قرآن کی مشق کرتے اور فن سے واقفیت حاصل فرماتے تھے، اس کے علاوہ اپنے اساتذہ بالخصوص ناظم مدرسہ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحبؒ کی خدمت بابرکت میں حاضری اور ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، اساتذہ کرام کا احترام، ان کی عزت و توقیر، اوقات کی تقسیم و تنظیم، عبادات کا اہتمام اور اخلاق کی بلندی کے ساتھ تعلیم میں یکسوئی و انہماک کی وجہ سے آپ کو اپنے اساتذہ کی نظر میں ایک امتیازی مقام حاصل ہو گیا تھا۔

آپ کو طالب علمی کے زمانہ ہی سے علم و عمل، ورع و تقویٰ اور انابت الی اللہ کا جو مرتبہ حاصل تھا اس کی صحیح تصویر دیکھنے کے لئے ان کے استاذ گرامی شیخ الحدیث، قطب عالم حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کا ایک ارشاد ہزار سطروں پر بھاری اور کافی ہے، حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ: ”مولانا ابرار الحق صاحب کو اللہ پاک نے طالب علمی ہی کے زمانہ میں صاحب نسبت بنادیا تھا اور تعلق مع اللہ کی دولت عطا فرمادی تھی۔“

سبحان اللہ و بحمدہ! اس نوعمری اور کھڑی جوانی میں علم و عمل کا یہ مقام اور دینداری و پرہیزگاری کا یہ مرتبہ یعنی ”صاحب نسبت ہونا“ — جو بڑے بڑے مجاہدوں اور میسویوں برس کی ریاضتوں کے بعد بھی نصیب ہو جائے تو غنیمت ہے — کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو آگے چل کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جو طویل المدت اور وسیع النوعیت دین کے کام لینے تھے، ان کاموں کی لیاقت و استعداد اور متعلقہ صفات سے ابتدائے عمر ہی میں ان کو آراستہ فرمادیا تھا۔

حاصل کردہ علوم و فنون

تقریباً چودہ سالہ طالب علمی کے دوران حضرت نے درج ذیل علوم و فنون کی تحصیل فرمائی۔

① حفظ قرآن مجید ② فن تجوید و قرأت ③ درس نظامی میں موجود تمام کتب صرف و نحو، بلاغت و ادب اور فلسفہ ④ دورہ حدیث کی تمام کتب — بیماری کی وجہ سے — دو سال میں ⑤ معقولات میں منطق و فلسفہ کی اونچی کتابیں ⑥ افتاء میں رسم المفتی اور سراجی وغیرہ ⑦ تفسیر میں بیضاوی و مدارک (تکمیل فنون کے طور پر آپ نے مزید دو سال لگائے تھے) انگریزی اور ہندی زبان بقدر ضرورت آپ نے غالباً انجمن اسلامیہ ہی میں سیکھ لی تھی، کیوں کہ ان پر بقدر ضرورت قدرت عملاً دیکھنے میں آئی ہے، تفصیل معلوم نہ ہو سکی، مثلاً تار پڑھ لیتے تھے، لکھوا دیتے تھے، اسی طرح خطوط پر پتہ ضرورت پر خود ہی انگریزی میں تحریر فرما دیتے تھے۔

اساتذہ کرام

ان علوم کی تحصیل میں جن اساتذہ کرام سے حضرت نے استفادہ فرمایا تھا، ان کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اپنے وقت کے کیسے کیسے نامی گرامی اصحاب فضل و فن سے حضرت نے علم حاصل کیا اور اس کا جواز می نتیجہ زندگی اور فکر و نظر پر مرتب ہونا چاہئے تھا کس طرح ہوا:

♦ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ۲۰ شیخ الحدیث قطب عالم حضرت مولانا زکریا صاحب ۲۱ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالرحمن کیمیل پوری ۲۲ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب ۲۳ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ۲۴ حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ۲۵ حضرت مولانا منظور احمد خان صاحب ۲۶ حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی صاحب ۲۷ فقیہ العصر حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی ۲۸ حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسی ۲۹ قاری عبدالخالق صاحب ۳۰ (ابتدائی دور کے اساتذہ ان کے علاوہ ہیں)۔

اسنادات و انعامات

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب^{رحمۃ اللہ علیہ} نے حضرت کے دورہ حدیث والے سال اعلان فرمایا تھا کہ امتحان میں جو طالب علم نمبر اول آئے گا اس کو ”بذل المجہود“ — جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب^{رحمۃ اللہ علیہ} کی وقیع و وسیع شرح ابوداؤد ہے — انعام میں دی جائے گی، بفضلہ تعالیٰ امتحان کے بعد حضرت محی الدین^{رحمۃ اللہ علیہ} اپنے تمام نامور رفقاء میں اس کے مستحق قرار پائے، اسی طرح ایک سال حضرت^{رحمۃ اللہ علیہ} کو امتیازی کامیابی پر اہل مدرسہ نے ۵ روپیہ نقد انعام عطا کیا، نیز تکمیل فنون والے سال متعدد کتابیں آپ کو انعام میں دی گئیں، نیز کامل اعتماد اور وسیع توقعات سے مرصع سند فضیلت بھی دی گئی۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی^{رحمۃ اللہ علیہ} نے آپ کو تدریس کے لئے ”جامع العلوم“ کا پیور بھیجتے وقت جو پُر اعتماد کلمات آپ کے حق میں تحریر فرمائے تھے اور جس پر حضرت حکیم الامت^{رحمۃ اللہ علیہ} نے اُن کلمات سے ”لفظ بہ لفظ متفق“ ہونے کا اظہار فرمایا تھا، یہ تحریر بھی کسی بڑی سے بڑی سند سے کم نہیں ہے۔

تصوف و سلوک

یہ تو علوم ظاہرہ میں حضرت^{رحمۃ اللہ علیہ} کی دلچسپی اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے وافر حصہ کے حصول اور اس کے موافق عملی زندگی میں کامیابی کا ذکر تھا، علم و فضل کے ساتھ اسلام نے جس دوسرے امر کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی ہے وہ باطن کا تصفیہ، نفس کا تزکیہ اور اخلاق کا تجلیہ ہے، چنانچہ اس موضوع سے دلچسپی اور اس کی تحصیل کا شوق و فکر اپنی خداداد صلابت فکر و سلامت قلب کی برکت سے حضرت^{رحمۃ اللہ علیہ} کو زمانہ طالب علمی ہی سے تھا، بلکہ طبیعت بھی فطرتاً کچھ اسی کے مناسب حال پائی تھی، یہی وجہ ہے کہ اپنی طالب علمی کے دور ہی سے اپنے وقت کے مجددزماں و حکیم دوراں، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی^{رحمۃ اللہ علیہ} سے اصلاح و ارادت کا تعلق قائم فرمایا، اس معاملہ میں آپ کے ذوق اور فکر کا عالم یہ تھا کہ مدرسہ مظاہر علوم کی ہر تعطیل میں اپنے شیخ کے ہاں ”تھانہ بھون“ چلے جایا کرتے تھے، حتیٰ کہ جمعہ کی

ہفتہ واری چھٹی بھی کوشش فرماتے تھے کہ تھانہ بھون ہی میں اپنے شیخ کے زیر سایہ گزرے، خط و کتابت اور ترقی مدارج کا سلسلہ پورے آب و تاب اور کمالِ پختگی کے ساتھ چلتا رہا، تا آنکہ محض ۲۲ سال کی جواں عمری ہی میں ان کے شیخ کی بصیرت نے ان کے اندر صلاح و تقویٰ، ورع و پرہیزگاری، اصلاحِ امت کا غم اور تربیت و تلقین کی استعداد کو محسوس فرماتے ہوئے انھیں اپنی جانب سے ”بیعت و تلقین“ کی اجازت یعنی ”خلافت“ سے سرفراز فرمایا تھا، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حکیم الامت جیسی محتاط اور بالغ نظر ہستی — جہاں بڑے بڑے علماء و صلحاء اپنی اصلاح و تربیت کیلئے دور دراز علاقوں سے آتے اور مدتوں صحبتِ بابرکت سے مستفید ہوتے تھے — کا اس جواں سال و نو فارغ عالم دین کو اپنے خلفاء کے سلسلہ میں شمولیت کیلئے منتخب فرمانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، حضرت تھانویؒ کے طریق اور مسلک — و مزاج کے جاننے والے ہی اس مرتبہ و مقام کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ پاک نے انھیں شروع ہی سے کن صلاحیتوں کا حامل بنایا تھا۔ چنانچہ حضرت محی السنۃؒ کی پوری زندگی ان کے شیخ کی بالغ نظری، باریک بینی اور مردم شناسی کی تفسیر بن گئی تھی، حضرت تھانویؒ نے جس طرح حضرت تھانویؒ سے خلافت سب سے آخر میں پائی تھی اسی طرح اس دُنیا سے پردہ فرمانے میں بھی منجانب اللہ ان کے خلفاء میں سب سے آخر قرار پائے۔

حضرت محی السنۃؒ نے اس تربیت اور اجازت و خلافت پر کبھی اتکا نہیں کیا اور اسے کافی کبھی نہ سمجھا، حضرت تھانویؒ کے بعد بھی اپنے کو محتاجِ اصلاح سمجھ کر کسی نہ کسی شیخ سے تعلق رکھتے تھے کہ سر پر سایہ مرشد ہمیشہ فیضِ فگن رہے، اس سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کا عمل میرے بجائے حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کی زبان سے سنئے وہ فرماتے ہیں:

”حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی بیماری کے زمانہ میں فرمایا تھا میرے مجازین میں سے جس سے مناسبت ہو کسی کو اپنا مصلح منتخب کر لیں، اس پر حضرت والا شاہ ہردوئی نے خواجہ عزیز الحسنؒ کا انتخاب کیا اور اطلاع کی تو حضرت والا تھانویؒ نے فرمایا ”لا جواب انتخاب ہے“ خواجہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت شاہ محمد عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کو اپنا شیخ بنایا، ان کے انتقال کے بعد

شاہ محمد احمد رحمہ اللہ کو پیر بنایا، ان کے انتقال کے بعد مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ کو پیر بنایا۔“

آہ! کیا اخلاص کا عالم ہے کہ خود کو کسی مقام پر پہنچ کر بھی کسی مرشد و راہنما کی ضرورت سے مستغنی نہ سمجھا۔

تدریسی خدمات

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اساتذہ کرام کے مشورہ سے اپنی مادر علمی ”مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور“ ہی میں معین مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا، یہ ان کے اساتذہ کرام کی طرف سے ان کی علمی استعداد اور تدریسی صلاحیت کی واضح سند ہے، اس کے بعد اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کے ایماء اور مولوی شبیر علی صاحب ناظم خانقاہ تھانہ بھون کی تجویز پر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں — جہاں خود حضرت حکیم الامتؒ نے بھی ابتداء میں تدریسی خدمات انجام دی تھیں — دو سال تدریس کا کام انجام دیا، پھر بعض مصالح خاصہ سے وہاں سے علاحدہ ہو کر فتح پور کے ”مدرسہ اسلامیہ“ میں تقریباً دو سال تدریسی مصروفیت اختیار فرمائی۔

مدرسہ اشرف المدارس کا قیام

بعد ازاں اپنے وطن ہردوئی تشریف لے آئے اور اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامتؒ سے مشورہ کے بعد اپنی آبائی و موروثی جائیداد پر شوال ۱۳۶۲ھ میں ایک دینی مدرسہ کی بناء بنام ”اشرف المدارس“ ڈالی اور اس کا سرمایہ توکل علی اللہ تجویز کیا، جس کی صورت یہ تھی کہ مدرسہ اور اس کے کام کا تعارف تو کیا جائے مگر وصولی کے لئے مخلوق سے سوال نہ کیا جائے، جو کچھ تعاون لوگ خود پہنچا دیں وہ قبول کر لیا جائے، چنانچہ بفضلہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حسن نیت کی برکت سے آج تک مدرسہ ملک کے ممتاز اداروں میں سے ایک ہونے اور اچھے خاصے مصارف ہونے کے باوجود اسی ترتیب پر قائم و کار کر رہا ہے، اس مدرسہ کے قیام کے بعد حسب دستور عام ابتداء اہل شہر نے مخالفت کی جس کی وجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مدرسہ کو غالباً پہلے

”بلگرام“ پھر ”سندیلہ“ منتقل کیا، جو قریب ہی کے قصبات ہیں، پھر جب لوگوں کو اس نعمت کی ناقدری کا احساس ہوا اور تعاون و قدردانی کا اظہار کیا تو واپس ہر دوئی منتقل فرما دیا، اس وقت سے تاہنوز اسی جگہ قائم و بافیض ہے۔ ایک عرصہ تک حضرت خود مدرسہ میں مختلف علوم و فنون کی کتابیں ایک خاص انداز اور پختہ تجربہ کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، حضرت علیہ السلام سے براہ راست پڑھے ہوئے کچھ لوگ اب بھی موجود ہیں ان کا تاثر یہی ہے کہ حضرت علیہ السلام کا طرز تدریس منفرد تھا، بعد میں مجلس دعوت الحق اور اس کے ماتحت سو سے زائد مدارس کی انتظامی ذمہ داریوں کے بوجھ نے تدریسی سلسلہ کو منقطع کر دیا، اس مدرسہ کی مذکورہ بالا خصوصیت کے علاوہ انتظامی، تعلیمی اور تربیتی خصوصیات بھی ایک انفرادی شان رکھتی ہیں، صفائی ستھرائی کا اہتمام مزید تر خصوصیت کا حامل ہے، جس کی کچھ تفصیل اسی مضمون میں آگے ملے گی۔

اصلاحی اور دعوتی خدمات

ہر دوئی آکر حضرت علیہ السلام نے صرف ایک مدرسہ کے قائم کر دینے اور اس میں بیٹھ کر درس و تدریس کا کام کر لینے پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے اطراف و اکناف کے احوال پر نظر فرمائی اور ملت کو درپیش مسائل کا جائزہ لیا، آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا حال ہر طرح زار ہے اور قابل رحم! نہ عقائد میں پختہ ہیں اور نہ ہی عمل میں استحکام ہے، جہالت اور روایت پرستی کا ہر جگہ دور دورہ ہے، خاندانی و علاقائی رسوم و رواج ہی کو مذہب سمجھتے ہیں اور عید بقرعید منالینے کو فریضہ بندگی کی تکمیل تصور کرتے ہیں، اس صورت حال کے جائزہ نے آپ کے دل و دماغ کو بہت متاثر و فکر مند کیا اور آپ نے عیش و تنعم، راحت و آرام، عزت و وفور کے وسائل سے بھرپور گھریلو زندگی پر قوم و ملت کی صلاح و فلاح اور ابلاغ و اصلاح کی پر مشقت و گراں بار ذمہ داری کو ترجیح دی اور اس کی تکمیل کے لئے بے چین و بے قرار ہو گئے، چنانچہ ایک طرف انھوں نے اپنے والد گرامی قدر کی ہر دوئی میں قائم کردہ ملی، سماجی اور رفاہی خدمات کے بقاء و استحکام کی جانب توجہ دینی شروع کی تو دوسری جانب اطراف ہر دوئی کے چھوٹے بڑے دیہات و قصبات کا سفر کر کے دین کی باتیں پہنچانا اور عقیدہ و عمل کی اصلاح

و درستی کی دعوت دینا شروع فرمادیا، اس سلسلہ میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کیں، جہاں پیدل پہنچ سکتے تھے پیدل پہنچے، جہاں سائیکل پر جاسکتے تھے سائیکل پر گئے، بیل گاڑیوں اور تانگوں میں تک سفر کیا، استقبال و پذیرائی کی خوشیاں بھی دیکھیں، انکار و مخالفت اور دھمکیوں کا سامنا اور تجربہ بھی کیا، ان تجربوں سے ان کی ہمت و حوصلہ میں اضافہ ہی ہوتا رہا، تا آنکہ اس انفرادی جہد مسلسل کے بعد کام کی اجتماعی صورت اور جماعتی محنت کی راہیں کھلیں۔

مجلس دعوة الحق کی نشاۃ ثانیہ

آپ نے اپنے شیخ و مرشد پیر و مربی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی قائم کردہ ”مجلس دعوة الحق“ کے احیاء اور اس کے مقاصد کی توسیع و تبلیغ کا عزم کر کے اپنے بڑوں سے مشورہ کے بعد ۱۳۷۰ھ میں اس کا دفتر تھانہ بھون سے ہردوئی منتقل فرمایا، اس کے تحت جگہ جگہ مدارس اسلامیہ کے قیام، ان میں باتجوید تعلیم قرآن اور سنت کے موافق تربیت طلبہ کی کوشش شروع کی، چنانچہ تمام ہندوستان بالخصوص اطراف ہردوئی میں مدارس و مکاتب دینیہ کا ایک جال بچھا دیا، جس سے ہزار ہا طلبہ نے استفادہ کیا اور آج تک کر رہے ہیں، پھر مجلس کے تحت مدرسین کی ٹریننگ (تصحیح) کا بیڑہ اٹھایا گیا جس کی بدولت ملک کے سینکڑوں مدارس میں آج قرآن مجید کی باتجوید تعلیم کا رواج عام ہو چکا ہے۔

مدارس کے علاوہ اصلاحی مساعی کا کام بھی پورے اہتمام کے ساتھ جاری رہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تبلیغی دورے مدت العمر قائم رہے، دعوة الحق کے تحت باقاعدہ مبلغین کا نظم بھی کیا گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر و مفصل اصلاحی تحریریں برابر چھپتی اور پورے ملک میں عام کی جاتی رہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ان مواعظ و مضامین کے ذریعہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے گم کردہ راہ انسانوں کو ہدایت کی صراط مستقیم نصیب ہوئی۔

خانقاہی نظام

سینکڑوں مدارس کی نظامت، ان کی براہ راست نگرانی، دعوتی و تبلیغی طویل اسفار، دعوة الحق کے اغراض و مقاصد کی تکمیل جیسی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اُمت کی باطنی

اصلاح اور روحانی تربیت کا فیضان بھی برابر جاری رہا، دور و نزدیک سے آنے والے طالبانِ تربیت کے قیام کا نظم اور ان کی اصلاحِ حال کی فکر، مریدین و متوسلین کے خطوط کے جوابات اور ان کی اُلجھنوں میں شرعی و سلوکی راہنمائی ایک مستقل خدمت تھی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی اجازت کے بعد سے اپنی حیات کے آخری دن تک کرتے رہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء آمین۔

حج و زیارت کا ذوق:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تمام ہی اہل اللہ کی طرح حرمین شریفین حاضری اور حج و زیارت کے شرف سے مشرف ہونے کا بہت شوق تھا، حق تعالیٰ نے اس کے مواقع بھی بہت عطا فرمائے، بچپن سے ہمیشہ ہی حضرت والاؒ کے سفر حج کا ذکر ہم سنتے رہے، ایک عرصے تک تو مسلسل ہر سال سفر حج ہوتا رہا، اندازہ ہے کہ کم از کم ۳۰، ۳۲ مرتبہ تو اللہ پاک نے آپ کو یہ شرف کا ضرور عطا فرمایا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ ہر دفعہ حضرت والاؒ بہت اہتمام سے حاضر ہوتے اور اس کو ہمیشہ حاضری ہی سے تعبیر فرماتے۔ کسی نے ”تشریف“ لے جانے کا لفظ استعمال کیا تو بہت عاجزی سے فرمایا..... ”حاضر“ ہونا کہیں بھی! وہاں تو سب حاضر ہی ہوتے ہیں، مالک الملک اور احکم الحاکمین کا دربار ہے، یہاں کس کا کیا مقام؟..... میں نے ایک مرتبہ حج کیلئے جاتے ہوئے فون پر سہولت کے لئے دعا کی درخواست کی تو فرمایا..... ”اللہ تعالیٰ سہل بھی فرمائے اور قبول بھی فرمائے، قبولیت کی دعا کیلئے بھی کہنا چاہیے۔“

حرمین شریفین میں آپ کا قیام وہاں قیام پذیر متعلقین کے لئے نعمتِ مغتسم ہوتا اور استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا، اصول و ضوابط کی رعایت اور تلقین یہاں بھی فرماتے تھے مگر کیفیت میں شفقت کا غلبہ ہوتا، بہت ہی تسامح اور رعایت کا معاملہ فرماتے تھے۔

نکاح اور ازدواجی زندگی

جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین وجیہ و رئیس ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خلیق و دین دار تھے، ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم خالص دینی و اسلامی اور مصروفیات

دعوتی و اصلاحی تھیں۔ ظاہر ہے کہ والدین ان کے لئے رشتہ کی تلاش اسی پس منظر میں کر رہے ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس کے لئے آپ کے والد محترم نے حضرت حکیم الامتؒ سے بھی صلاح لی ہوگی، چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ ہی نے آپ کے رشتہ کے سلسلہ میں ڈاکٹر احمد شاہ کی صاحبزادی کی نشان دہی و سفارش فرمائی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ کو اگرچہ کہ اس میں کچھ تذبذب ہوا، مگر والد محترم نے محض اپنے اور اپنے بیٹے کے شیخ کی رہنمائی میں برکت و سلامتی کا یقین رکھتے ہوئے اس رشتہ کو طے فرما دیا، اور بفضلہ تعالیٰ انجام کار ایسا ہی ہوا کہ اس میں غیر معمولی خیر و برکت ثابت ہوئی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ — اور ہماری مخدومہ امی جان صاحبہ مدظلہا — اگرچہ ایک مہذب اور سنجیدہ خانوادہ سے تعلق رکھتی تھیں لیکن وہ خود اور ان کے اہل خاندان عصری تعلیم سے استفادہ کئے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے عصری تہذیب سے بھی کچھ نہ کچھ متاثر تھے، ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت خالص مذہبی و دینی قسم کی تھی، مزید برآں ان کا مشرب دیوبندی و تھانوی تھا، مزاج میں اتباع سنت کا اہتمام اور معاملات و معاشرت میں شرعی احکام کی پابندی راسخ تھی، اس سب کے باوجود حکیم الامتؒ کا تجویز کردہ یہ جوڑا عجیب و غریب باہمی اتحاد و اعتماد کا مظہر جمیل بن کر سامنے آیا، اس سلسلہ میں واقعی امی جان صاحبہ مدظلہا کا ایثار و خود سپردگی لائق تحسین ہی نہیں بلکہ اُمت کی عورتوں کے لئے قابل تقلید بھی ہے کہ انھوں نے اپنے کو اس اللہ والے شوہر کے سامنے اس قدر مٹایا کہ نہ صرف وفادار و خدمت گزار بیوی کا رول ادا کیا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مجسمہ عقیدت اور پیکر وفا و اطاعت بن کر زندگی بھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سکون و اطمینان، راحت و آرام کا وسیلہ ثابت ہوئیں۔

غالباً شیخ بوعلی دقاقؒ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ اپنی اہلیہ سے فرمایا کرتے تھے: سارا جہاں اگر مخالف ہو جائے مگر آپ میرے موافق رہیں تو میرے لئے سب کچھ سہہ لینا آسان ہے لیکن اگر آپ نے مخالفت کی تو اگرچہ کہ سارا عالم میرا معتقد ہو، زندگی کا سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک عام آدمی بھی اپنے گھر سے اگر موافقت و مراقت نہیں پاتا تو اس کی زندگی اجیرن اور حوصلے و عزائم شکستہ ہو جاتے ہیں چہ جائے کہ خادم دین اور داعی اسلام!

حضرت امی جان صاحبہ مدظلہا طبعاً نہایت ہی عقیف و باحیا، مزاج میں انتہائی نفاست و سلیقہ، غربا پروری، یتیمی نوازی، ہمدردی و غم گساری کا مجسمہ، پیکرِ جود و حسن اور خوگر عفو و درگزر ہیں۔^۱ تعلیم یافتہ ہونے اور ناز و نعم میں پروردہ ہونے کے باوصف انھوں نے اپنی زندگی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج و منشا اور چاہت و پسند کے تابع کر لیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اشرف المدارس کے قیام اور اپنے پورے اوقات دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کر دینے کے بعد ابستہء کچھ عسرو تنگی کے حالات بھی پیش آئے، شخصی طور پر مقروض ہونے کی نوبت بھی آئی، لیکن امی جان صاحبہ مدظلہا تنگی و فراخی کو نظر میں لائے بغیر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی راحت و سہولت کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھتیں اور ہر خواہش پر اس فرض کو مقدم رکھتی رہیں۔

ان کے والد ڈاکٹر تھے، ان کی بھائی ڈاکٹر تھیں، ان کے ماموں بڑے رئیس اور شکار کے دلدادہ تھے، انھوں نے ملک و بیرون ملک شکار کے وہ شوق کئے کہ ایک تاریخ بن گئی۔ چنانچہ اپنے شکار کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات پر مشتمل باقاعدہ ایک ضخیم کتاب لکھ کر شائع بھی کی تھی، جدید تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ان کے گھرانہ پر تہذیب و تمدن کی پاسداری کے ساتھ ساتھ تہذیب جدید کے اثرات بھی پائے جاتے تھے۔

یہ اس لئے عرض کیا کہ بعد کے واقعات کو پڑھنے والا سمجھ سکے کہ حضرت امی جان صاحبہ مدظلہا کا ایثار و قربانی کچھ معمولی قسم کی بات نہیں ہے اور اس دور میں بے نظیر نہ سہی کم نظیر تو ضرور ہے، ایک دیہاتی اور دنیا کے بدلتے نقشوں سے غافل و بے خبر عورت کا کسی ماحول میں ڈھل جانا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ تعلیم یافتہ اور تجدید پسند ایسے گھرانے کی خاتون کا اپنے کو ایک پختہ عالم دین اور خادم اسلام و مسلمین کے مزاج و منشا میں فنا کر دینا مشکل ہے۔ راقم سطور کو اپنے والدین ماجدین کی بدولت اپنے بچپن کا کچھ حصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں گزارنے کا موقع ملا، کبھی کبھی امی جان صاحبہ اپنے احوال سناتی تھیں مگر وہ عمر کا ایسا حصہ تھا کہ نہ ہم غور سے سنتے تھے نہ ہی ان باتوں کی قدر پہچانتے تھے۔

۱۔ جس وقت یہ مضمون لکھا جا رہا تھا وہ حیات تھیں، لیکن رمضان ۱۴۳۰ھ کو وہ بھی دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں، راقم سطور نے حضرت امی جان صاحبہ کے سلسلہ میں مستقل مضمون لکھا ہے جو اسی کتاب میں شامل ہے۔

مرض الوفات اور وفات

تین برس پہلے آپ کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی برین ہیمرج کے شکار ہو گئے تھے، ڈاکٹر زکا کہنا تھا کہ کرشماتی طور پر آپ کو اللہ نے زندگی بخشی ہے لیکن صحت ہونے کے بعد میموری (حافظہ) کا کام کرنا مشکل ہے، مگر دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس مقبول بندے کا صحت کے بعد نہ صرف یہ کہ حافظہ محفوظ تھا بلکہ حسب معمول تمام تر علمی و اصلاحی و دعوتی سرگرمیوں میں مشغول بھی ہو گئے تھے۔ وفات سے دو تین دن قبل احقر نے عصر بعد فون کیا تو معلوم ہوا کہ مجلس چل رہی ہے اور عشاء کے قریب فون کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت مسجد تشریف لے گئے ہیں، خود انتقال کے دن بھی معلوم ہوا کہ صبح ۶ بجے سے شام ۷ بجے تک کام میں مشغول رہے، صبح کی نماز، ترانہ کی حاضری، پورے مدرسہ کا دورہ کر کے انتظام و صفائی کی نگرانی حسب معمول فرمائی، مہمانوں کو مدرسہ اور اس کے انتظامی خصوصیات سے واقف کرایا، جانے والوں کو رخصت فرمایا، عصر بعد مہمانوں کی چائے کا انتظام فرمایا مدرسہ میں امور مشورہ کو ملاحظہ اور ان کا حل فرمایا، نمازیں وقت پر پڑھیں، مغرب بعد کچھ ضعف و نقاہت کا اظہار فرمایا اور عشاء سے قبل محبوب حقیقی سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ

سانحہ وفات کی اطلاع آدھے گھنٹے میں ملک و بیرون ملک پہنچ گئی، حضرتؒ کو جنازوں کی منتقلی اور تدفین میں تاخیر کی غلطی بہت ناگوار تھی اس پر نکیر فرماتے رہتے تھے، متعلقین و خدام نے طے کیا کہ رات کے کسی حصہ میں ہی یا پھر علی الصبح حضرتؒ کی تدفین کا کام مکمل ہو جائے لیکن رات تمام لوگوں کی آمد جاری رہی، صبح ہوتے سوگواروں اور جنازے میں شرکت کے خواہشمندوں کا تاحد نظر تانتا بندھ گیا، مجمع قابو سے باہر اور انتظام دو بھر ہو گیا، تمام تر کوشش کے بعد جنازہ ہر دوئی کی عید گاہ تک پہنچ سکا، مخدومی حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ نے صبح ۹ بجے نماز جنازہ پڑھائی اور ۱۰ بجے اللہ کی اس امانت کو سپردِ لحد کر کے اللہ کے حوالہ کر دیا گیا۔

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اخذَ وَلَہٗ مَا اعطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّی

اولاد و احفاد

حضرت محی السنۃ کی دو اولادیں تھیں، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، صاحبزادہ محترم مولوی حافظ اشرف الحق صاحب مرحوم تقریباً آٹھ سال تک مسلسل بیماری کی آزمائش سے گذر کر حضرت محی السنۃ کی حیات ہی میں سن ۱۹۷۵ء میں بہ عمر ۲۸ سال داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ..... نہایت ہی ذہین و فطین، خوش مزاج و نرم گفتار اور صابرو شا کر طبیعت کے حامل تھے، بیماری کے اس طویل عرصے میں بھی تلاوت و عبادت کا اہتمام ہمیشہ جاری رہتا تھا، آخری دن بھی نمازوں کا اہتمام کیا، حضرت ہی نے اپنے ہاتھوں سے اپنے اس تخت جگر کو سپردِ خاک کیا، اس موقع پر حضرت کے صبر اور رضاء بالقضاء کا جو منظر سامنے آیا وہ بڑے بڑے علماء و اولیاء کیلئے باعثِ رشک ثابت ہوا۔

صاحبزادی مدظلہا الحمد للہ موجود ہیں جو حضرت کے خلیفہ و جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ کی اہلیہ محترمہ ہیں، یہ بھی بفضلہ تعالیٰ صالحہ و قائمہ ہیں، زینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہی آخر تک اپنے والدین کا حق خدمت ادا کیا ہے۔ فجزاھا اللہ احسن الجزاء حضرت حکیم صاحب مدظلہ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جو بفضلہ تعالیٰ سلامت ہیں اللہ تعالیٰ باسلامت رکھے، ان میں سے بڑے نواسے حضرت علیم الحق صاحب زید محبدہ حضرت محی السنۃ کے مجاز ہیں دوسرے محترم فہیم الحق صاحب اور تیسرے مولوی سلیم الحق صاحب ہیں، انہی نواسوں نے حضرت محی السنۃ کی آخری سانس تک خدمت کی اور مثالی خدمت کی، اللہ پاک تمام متعلقین کی طرف سے ان سب حضرات کو بہتر جزا عطا فرمائے، آمین۔

قلبی تاثرات

علم و عمل کا مہر درخشاں نہیں رہا	اب مومنوں کے کیف کا سماں نہیں رہا
جس کے بیان پہ حُسنِ خطابت کو ناز تھا	ممتاز وہ خطیبِ خطیباں نہیں رہا
عالم کی موت اصل میں عالم کی موت ہے	ہم میں وہ اک مفسرِ قرآن نہیں رہا
ابرار حق وہ حق نما حق گو ہتِ حق بسیاں	اربابِ حق کے درد کا درماں نہیں رہا
سب ہی رفیق جس کے تھے، دشمن نہ تھا کوئی	وہ پیکرِ خلوص و احساں نہیں رہا

نتیجہ فکر: ڈاکٹر رفیق بالگرامی



اخلاص و للہیت

اہل اللہ کی اصل شان خلوص و للہیت ہی ہے، اسی کی وجہ سے وہ اہل اللہ کہلاتے ہیں، اور یہی اسلام کی اساس اور جڑ ہے، یہی تمام مذاہب کی دعوت ہے وَمَا أَمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ حضرت محی الدینؒ کی ایک ایک ادا، ان کے اخلاص کی دلیل تھی، کتنے ہی مواقع میں اپنے چھوٹوں کی توجہ دہانی پر رجوع و اعتراف کرتے دیکھا گیا، تفصیل میں گئے بغیر ایک دو واقعات نقل کرتا ہوں۔

● حیدر آباد کے نواب خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک طالب علم تھے، طبعاً شوخ تھے، بار بار شکایت آتی تھی، ایک دن حضرت سزا دے رہے تھے کہ انہوں نے زبان سے گالی بگ دی، حضرت والا نے اس کے بعد اٹھی ہوئی چھڑی اسی طرح روک لی اور فوراً پلٹ کر اپنے دفتر کی طرف چل دیئے، ایسے بہت سے واقعات ہیں کہ وہ کتنے ہی غصے میں تسبیہ فرما رہے ہوں اگر ذرا بھی نفس کی آمیزش کا خطرہ ہوتا وہ کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنی حفاظت فرما لیتے تھے۔

● اسی للہیت کا اثر تھا کہ ایک طالب علم ہمارے زمانے میں پڑھتے تھے، بہت ہی شوخ و شریر تھے، ہر استاذ ہر نگراں ان کی حرکات سے بیزار تھا، بار بار حضرتؒ کے پاس شکایت جاتی اور کافی سزا ملتی تھی، مگر اثر ندارد، پھر وہ حسب حال بحال ہو جاتے تھے، ساتھی کہتے تھے کہ حضرتؒ کی پٹائی اُس کی نیند کی گولی ہے کھائے بغیر سو نہیں پاتا۔ ایک دفعہ حضرت بہت خفا ہوئے اور کمرے پر پہنچ کر دو طالب علموں سے پکڑوا کر خوب پٹائی کی، (پٹائی کرنے کا حضرت کا خاص انداز تھا کہ مضروب مجروح نہ ہوا اور کسی نازک جگہ ضرب نہ پڑے)

وقتے وقتے سے کئی چھڑی لگائی گئی، وہ بہت رو رہا تھا، حضرت کے جانے کے بعد ہم سب کمرے والوں نے اس سے کہا کہ بھی تم چلے کیوں نہیں جاتے، روزانہ تم بھی پٹتے ہو اور حضرت کو بھی اذیت دیتے ہو، یہاں ضابطے کے مطابق نہیں رہ سکتے تو کسی اور مدرسے میں چلے جاؤ یا کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لو، ساری خیر خواہیاں سننے کے بعد اس نے صاف کہہ دیا کہ میں سوچتا تو ہوں کہ ایسی حرکتیں نہیں کروں گا مگر چھوٹ نہیں رہی ہیں اور مجھے حضرت کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانا ہے، وہ کتنی بھی سزا دیں پڑھوں گا تو حضرت کے پاس ہی پڑھوں گا۔

علمی استعداد

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فطری طور پر انتہائی ذہین و فطین تھے، تقویٰ و پرہیزگاری نے ان کی ذکاوت کو مزید جلا بخشی تھی، پھر طالب علمی کا دور پوری یکسوئی و تندہی کے ساتھ گزرا تھا۔ بڑی محنت و عرق ریزی سے علم حاصل کیا تھا، ان کی طالب علمی کے زمانہ کار و زناچہ (ڈائری) اور ان کے اساتذہ کرام کی شہادت اس ذوق و شوق اور جہد و عمل کی شاہد ہیں۔ خود فرمایا کہ میرے والد اگر چاہتے تو ہر دوئی سے سہارنپور کھانا بھیجنے کا نظم بھی کر سکتے تھے، لیکن انھوں نے مجھ سے سہارنپور بھیجتے وقت فرما دیا تھا کہ بیٹا جو علم تم حاصل کرنے جا رہے ہو یہ ناز و نعم سے نہیں! جہد و محنت سے حاصل ہونے والا علم ہے، اس لئے اپنا ہر کام خود کرتے ہوئے علم حاصل کرو۔ یہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا کہ میں تہجد کی نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ بناتا تھا، پھر پیدل جامع مسجد پہنچتا تھا، نماز کے بعد جامع مسجد — جہاں قاری عبدالحق صاحب ایک ایک آیت کی مشق کرواتے تھے — اس مشق میں شریک ہوتا تھا۔ پھر ایک آدھ کتاب جو نصاب میں شامل نہیں تھی بعض اساتذہ سے خارج میں اوقات تعلیم سے قبل پڑھ لیتا تھا اور پھر پہلی گھنٹی میں بروقت درس گاہ میں حاضر رہتا تھا، یہ نظام راسم سطور کا خود حضرت محی الدینؒ کی زبان مبارک سے ایک سے ایک زائد مرتبہ سنا ہوا ہے۔

اسی سے قارئین ان کے رات دن کے نظام العمل اور نہایت سنجیدہ اور فکر مند دور طالب علمی کا اندازہ کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نتائج میں بھی وہ اپنے جلیل القدر رفقاء

میں بفضلہ تعالیٰ سب سے ممتاز رہے۔ یہ تو کسب اور سعی ظاہری کا حال ہے، جہاں تک وہب و عطاء الہی کا معاملہ ہے۔ جو آدمی کے تقویٰ و پرہیزگاری، آہ و زاری، اور نور باطن کے بقدر منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے اور جو دراصل نورِ علم ہے۔ تو ان کی نورانی و ربّانی زندگی اُن ”علوم لدنیہ“ کی مقدار کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

بہر حال جاننے والے اور قریب سے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم دینیہ میں کمال عطا فرمایا تھا، علمی صلاحیت غیر معمولی تھی، جزئیات پر بھی نظر تھی، اسی طرح تصنیف و تالیف کا ملکہ بھی حاصل تھا، تحریر جامع و مرتب ہوا کرتی، بڑی بڑی باتیں مختصر الفاظ میں سمودیا کرتے تھے۔ مگر طبیعت میں چونکہ نظم و انتظام غالب تھا، اور قدرت کو ان سے اصلاً جو کام لینا تھا طبیعت کا رجحان اسی کی طرف ہونے کی وجہ سے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ التفات نہیں فرمایا۔ دور شباب میں جب کہ بستی بستی، گاؤں گاؤں تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ کی انتھک جدوجہد فرمایا کرتے تھے اس وقت کام اور کام کرنے والوں کی ضرورت کے مد نظر چند اصلاحی و دعوتی رسائل آپ نے خود مرتب فرمائے تھے جن کی فہرست تیسرے باب میں شامل کی جائیگی۔

جہاں تک درس و تدریس کا تعلق ہے ایک عرصہ تک آپ نے یہ کام بھی کیا ہے، تقریباً ہر فن کی کتاب پڑھائی ہے اور بہت عمدگی و پختگی سے پڑھائی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس کا زمانہ پایا اور ان سے براہِ راست پڑھنے کا شرف حاصل کیا وہ بتلاتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں تدریسی صلاحیت غیر معمولی تھی اور مختلف فنون کی کتب پڑھا لیتے تھے، ہر کتاب میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس یہی فن ان کا پسندیدہ موضوع ہے، چنانچہ خود ان کے تلامذہ میں پڑھانے کی غیر معمولی صلاحیت اور علم میں پختگی اب تک بھی موجود ہے۔

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے تھے کہ انہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نحو میرا اس طرح پڑھائی تھی کہ مکمل ازبر ہو گئی تھی، چونکہ ہر قاعدہ لفظ ”بدانکہ“ سے شروع ہوتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

پوری کتاب میں جتنے ”بدانکہ“ ہیں نمبر وار یاد بھی کروا تے تھے، اس کا جائزہ بھی لیتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے طرز تدریس میں فنون کے اندر اجراء و تمرین کی اہمیت زیادہ تھی، صرف کتابی امثلہ پر اکتفا نہیں فرماتے تھے۔ طالب علم سے زیادہ کام لیتے تھے اور اسے مختلف تدابیر سے چوکنا رکھتے تھے، غافل ہونے نہیں دیتے تھے، وقار و متانت کی برقراری کے ساتھ بے تکلفی و خوش مزاجی سے بھی طلبہ کو محظوظ فرماتے تھے۔

میرے والد ماجد حضرت مولوی عبدالغنی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے متعدد کتابیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، ہر فن میں حضرت کو مہارت حاصل تھی، میں عصری تعلیم کے زمانہ ہی سے ”حساب“ میں ماہر تھا اور امتیازی کامیاب ہوا کرتا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جب ”سراجی“ پڑھائی تو جو مشقیں مجھے دیا کرتے تھے اور تقسیم کی مختلف پیچیدہ صورتوں کو جس سرعت سے خود حل فرمایا کرتے تھے اس کو دیکھ کر میں ان کی استعداد پر دنگ رہ جایا کرتا تھا۔ یہی حال ہدایہ وغیرہ کے اسباق میں فقہی جزئیات کے حل اور ان کی تفہیم کا تھا۔

مزاجی اعتدال

حضرت تھانویؒ کے بارے میں عام طور سے لوگوں کے ذہن میں تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ طبعاً سخت مزاج اور شدت پسند تھے، غیر تو غیر بعض مرتبہ حضرت کے متعلقین بھی اسی قسم کی باتیں کرتے تھے چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ، حضرت تھانویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”روایتیں مخالفوں اور دشمنوں ہی کی پہنچائی ہوئی نہ تھیں، بڑے بڑے مخلص و جاں نثار اسی لپیٹ میں تھے، دوست مگر نادان، معتقد مگر نا فہم، مخلص مگر کج رائے گویا لغت مسیح نصرانیوں کی زبان سے اور مناقب شہید کربلا مرثیہ خوانی کے ممبر سے۔“ (حکیم الامت نقوش و تاثرات ص: ۲)

یہی حال ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی بعض متعلقین اور قریب سے نہ جاننے والوں کا تھا۔ حالانکہ قریب سے دیکھنے والے شہادت دیں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ طبعاً نہایت ہی

ملنسار، خوش مزاج اور خورداں نواز تھے، البتہ غیر مہذب حرکات اور ناپسندیدہ افعال پر ناراض ضرور ہوتے تھے، ان کی گرفت کر کے اصلاح فرمادیا کرتے تھے، جبکہ ایک مصلح کی شان ہونی بھی چاہیے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے مرشد کامل کی پہچان کیلئے جو دس بنیادی باتیں ”تسہیل قصد السبیل“ میں ارشاد فرمائی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ:

”وہ اپنے مریدوں کی تعلیم جی لگا کر کرتا ہو، اور چاہتا ہو کہ یہ درست ہو جائیں، اور اگر مریدوں کی کوئی بری بات دیکھتا یا سنتا ہو تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔“ (اصلاحی نصاب ص: ۵۲۹)

پھر حضرت محی الدینؒ کی یہ خفگی و ناراضگی بالکل وقتی ہوتی تھی، بلکہ بعض اوقات تو ضرورتِ اصلاح کی خاطر مصنوعی معلوم ہوتی تھی۔ بارہا دیکھا کہ کسی شخص یا واقعہ پر سخت ناراضگی و غضب کا اظہار فرمایا اس کے معاً بعد کوئی دوسرا شخص یا دوسری اچھی حالت سامنے آئی تو کیفیت اس قدر بدل گئی کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ”عدل“، یعنی ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دینے کا بڑا اہتمام تھا۔ ناراضگی کے مستوجب کو ناراضگی اور محبت و رضامندی کے حقدار کو رضامندی اور احترام کے مستحق کو احترام، شفقت کے مقام پر شفقت انکی بارگاہ سے ہر ایک کو ملتی رہتی تھی۔ مختصر یہ کہ ان کی خفگی و خوشی اللہ رب العزت کی خوشنودی اور احکام کی پابندی کے ساتھ ہوتی تھی، اسی وجہ سے ان کا روٹھنا اہل تعلق کے قلوب کو اداس اور ویران کر دیتا تھا اور ان کی ایک مسکراہٹ اجڑے دلوں اور غمزہ قلوب میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑاتی تھی۔

● حضرت سفر حج پر تشریف لیجا رہے تھے، اس زمانہ میں بذریعہ کار لکھنؤ کا، وہاں سے بذریعہ ٹرین بمبئی کا، بمبئی سے بذریعہ طیارہ جدہ کا سفر ہوا کرتا تھا۔ یہ ہماری طالب علمی کا زمانہ تھا، ان دنوں ہردوئی میں بکثرت بیرون ملکی طلبہ بھی زیر تعلیم تھے، ایک افریقی طالب علم نے حضرت کو وداع کرنے کے لئے لکھنؤ تک چلنے کی اجازت طلب کی، حضرت نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ تم لوگ پڑھنے آئے ہو، اوقات خراب مت کرو، یہیں سے رخصت کر کے پڑھنے میں مصروف رہو۔ انہوں نے خوش دلی سے قبول کر لیا۔ ایک دوسرے افریقی طالب علم کو حضرت نے سامان لے کر لکھنؤ پہنچنے کی ہدایت دی۔ اس طالب علم کو خیال ہوا کہ

اکیلے کیا جائیں کسی کو ساتھ لے لینا چاہیے، اس نے اسی ساتھی سے — جسے حضرت نے اجازت نہیں دی تھی — کہا کہ حضرت نے ہم دونوں کو سامان لیکر لکھنؤ پہنچنے کے لئے کہا ہے۔ یہ بیچارے سمجھے کہ شاید حضرت کی بعد میں رائے بدل گئی ہوگی۔ ہنسی خوشی تیار ہو کے چلے گئے، ادھر جب حضرت لکھنؤ پہنچ گئے تو میزبان کے گھر حاضرین میں حضرت کی نظر اس طالب علم پر پڑ گئی، فوراً سوال فرمایا: تم منع کرنے کے باوجود یہاں کیسے آ گئے؟ اور اس نافرمانی پر سخت ناراضگی اور تکلیف کا اظہار فرمایا۔ یہ بیچارہ صفائی پیش کرنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس کے ساتھی نے حضرت کے پیچھے کھڑے ہو کر اشارہ کیا کہ ”میرا نام نہ بتلانا“..... اب اس کیلئے بڑی آزمائش تھی، ایک طرف اپنی بے قصوری کے باوجود حضرت کی ناراضگی و خفگی، دوسری طرف اپنے ساتھی کو قصور وار ہونے کے باوجود بچانا۔ بہر حال اللہ کے بندے نے خاموشی اختیار کر لی۔ حضرت نے مجلس سے اٹھادیا کہ ابھی مدرسہ چلے جاؤ۔ چپ چاپ اٹھ کر چلے گئے، یہ تو خیر ایک قصہ ہو گیا۔ طالب علمی کے زمانے میں نادانی سے ایسی حرکتیں ہو جایا کرتی ہیں مگر بتلانا جو چیز چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس سفر کے رفیق و شریک حاجی عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ لکھنؤ سے بمبئی کے دوران سفر حضرت نے متعدد مرتبہ فرمایا ”بمبئی پہنچ کر یاد دلانا ایک ضروری تار بھیجنا ہے“ وہاں پہنچ کر یاد دہانی کی گئی تو اس طالب علم کا نام لے کر (جنہیں حضرت نے ڈانٹ کر لکھنؤ سے واپس مدرسہ بھیج دیا تھا) فرمایا کہ اس کے نام ایک تار بھیج دو کہ ”میں نے معاف کر دیا ہے“ اور فرمانے لگے بے چارہ پردیس میں ہے اور سوچتا ہوگا کہ حج کو جا رہے ہیں، معاملہ کی صفائی اور معافی کا موقع بھی نہیں ملا، اسلئے اس کے دل کو ملال رہے گا۔ میں کہتا ہوں اس کے دل کو ملال رہا ہو یا نہ ہو حضرتؒ کے دل کو برابر ملال رہا، یہ تھی ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی حقیقت!

● فیض العلوم میں میرے والد ماجد کی مخلصانہ خدمات سے وہ ہمیشہ مطمئن اور مسرور رہے، اس لئے کہ والد صاحب جوانی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور چودہ سال ان کی خدمت میں رہے تھے، بقول مولانا بشارت علی صاحب رحمہ اللہ کے ”حضرت کے

لوگوں میں حضرت کے مزاج شناس مولوی عبدالغنی صاحب سے زیادہ کوئی نہیں۔ یہی بات حضرت قاری امیر حسن صاحب نے ہم لوگوں سے بار بار فرمائی۔ جب فیض العلوم کے قیام کیلئے حضرت حاجی عبدالستار صاحب کی خواہش پر حضرت والا نے ان کا تبادلہ فیض العلوم کر کے بھیجا تو انہوں نے اس مدرسہ پر اتنی محنت کی کہ اسے اشرف المدارس کا چربہ بنادیا تھا، پھر بھی بعض معاونین کی جانب سے شکایات کا سلسلہ چلتا رہتا تھا اور حضرت کی ایسے مواقع پر خاص حکمت عملی ہوتی تھی کہ اپنوں پر اظہار ناراضگی اور سخت گرفت کرتے تھے، بعد میں کسی طرح ان کی دلداری کر کے غم غلط کر دیا کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت حیدر آباد تشریف لائے تو والد صاحب کی آنے کے بعد سے مسلسل گرفت پکڑا اور ذرا سی بات پر خفگی و ناراضگی ہوتی رہی۔ مختصر قیام تھا، واپس ہوتے وقت ریلوے اسٹیشن پہنچنے والوں کے نام خود طے کئے، ان میں والد صاحب کا نام بھی شامل تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے، نامپلی اسٹیشن پر حضرت نے مجمع سے علاحدہ لیجا کر والد صاحب کو کچھ ہدیہ دیا اور فرمایا ”تمہارے کام سے میں خوش ہوں اطمینان رکھو“۔

اتباع سنت کا اہتمام

ہمارے اکابر کے نزدیک ”ولایت“ نام ہے گناہوں سے بچنے اور سنتوں کے اہتمام کرنے کا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت کا ایسا ذوق و شوق رکھا تھا کہ ہر جاننے اور دیکھنے والا اس کا معترف ہے حتیٰ کہ آخر عمر میں ان کا لقب ہی ”محی السنۃ“ معروف ہو گیا تھا اور اسی نام سے وہ عوام و خواص میں جانے پہچانے جاتے تھے، عبادات سے لے کر عادات تک اور تہذیب سے لیکر تمدن تک پوری زندگی اتباع سنت کے نور میں منور اور احکام شریعت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ والحمد للہ اولاً و آخراً

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ صبح و شام کی عام عملی سنن کا جو اہتمام فرماتے تھے ان کی تفصیل میں گئے بغیر چند معمولات کا ذکر کرتا ہوں، مثلاً اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود نمازوں کی سنن مؤکدہ کے علاوہ تہجد، اشراق، اور اوابین کا سفر و حضر، صحت و بیماری میں بھی اہتمام کرتے دیکھا۔ اسی

طرح وضو میں مسواک کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔ ایک دفعہ راقم تہجد کا وضو کر رہا تھا مسواک طلب فرما کر استعمال کی، اس کے بعد فرمایا ”مسواک کا اہتمام کرنا چاہیے، اگر مسواک نہ ہو تو موٹے کپڑے سے یا پھر کم از کم انگلی ہی سے دانتوں کی صفائی کر لینی چاہئے، کیونکہ یہ اہم سنت ہے“..... اسی طرح اکرام مسلم اور اس میں فرق مراتب کا بڑا خیال فرماتے تھے۔ ملاقاتوں میں، مجالس میں، صفوں میں، پہلے علماء کرام پھر معمر و سفید ریش افراد کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ تقسیم میں اہل یمین کی تقدیم کا ہر وقت لحاظ رکھا کرتے تھے۔ اسی طرح لباس کے پہننے اتارنے میں بھی اس کے مسنون طرز کے پابند تھے۔ سفر سے قبل دو گانہ کا بھی بہت اہتمام تھا حتیٰ کہ جب وہیل چیر ہی کے ہو کر رہ گئے تھے تب بھی انہیں ہر سفر سے قبل دو رکعت نفل اہتمام کے ساتھ پڑھتے دیکھا گیا۔ معذور ہونے سے قبل تک سرمہ لگانے کا بھی اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ حضرت لونہ والا میں تبدیلی آب و ہوا کے لئے تشریف فرما تھے، میں بھی ایک دور فقہاء کے ساتھ ملاقات کے لئے حاضر ہوا، حضرت چار پائی پر لیٹے ہوتے اور ہم لوگ اطراف بیٹھ جاتے تھے، بہت ساری باتیں بڑی بے تکلفی سے سناتے اور نصیحتیں بھی فرماتے تھے، اسی سلسلہ میں سرمہ کے اہتمام کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ”مجھے شروع سے اس سنت کی توفیق ملتی رہی دیکھو یہ عمر ہو گئی ہے، معالج کہتے ہیں کہ آپ کی آنکھیں بہت عمدہ ہیں مجھے اب بھی خوب نظر آتا ہے، یہ اسی سنت کی برکت ہے۔“

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھانجی کا عقد تھا، بہن صاحبہ جدید تعلیم یافتہ اور کسی اسکول کی پرنسپل تھیں، کافی رکھ رکھاؤ اور تکلف سے رہا کرتی تھیں، حضرت والا نے اس موقع پر انہیں راضی کر لیا کہ یہ نکاح ان کی نگرانی میں اور سنت کے مطابق سادگی کے ساتھ انجام پائے گا، یہ حضرت کیلئے بہت خوشی کا اور خاندان میں ایک اچھی مثال پیش کرنے کا موقع تھا۔ دینی قسم کے نکاحوں میں عام طور سے خواہش ہوتی ہے کہ کسی بڑے بزرگ عالم دین کا وعظ اور دعا بھی ہو جائے اور انہیں سے خطبہ نکاح پڑھوا لیا جائے۔ فقیہ العصر حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے استاذ تھے، ان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی عقیدت و محبت تھی، وہ

بھی انہیں مثل اولادِ صالح کے بہت چاہتے تھے، حضرت والا نے انہیں خط لکھا کہ میری بھانجی کا نکاح ہے اور تمام امور حتی المقدور سنت کے مطابق انجام پارہے ہیں، میری خواہش ہے کہ اس موقع پر حضرت والا تشریف لا کر عقد پڑھا دیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب لکھا، ”اگر آپ یہ ثابت کر دیں کہ نکاح پڑھانے کیلئے کسی کو باہر سے بلانا بھی سنت ہے تو میں آنے کیلئے تیار ہوں“..... حضرت محی الدینؒ نے اس جواب کا ذرا برا نہ مانا بلکہ اس توجہ دہانی پر خوش ہوتے ہوئے استاذِ محترم کا شکریہ ادا فرمایا، سبحان اللہ! یہ کیسی سچی محبتیں اور للہیت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں، ان کے ہاں دین سے بڑا کوئی رشتہ نہ تھا، سب محبتیں اور تعلقات دین کی نسبت سے تھیں۔

● بنگلور میں حضرت تبدیلی آب و ہوا کے سلسلہ میں چند دن کے لئے محترم ہاشم موسیٰ صاحب کے مکان میں مقیم تھے، ہم لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے، اس اثنا میں میسور کا سفر طے پایا، حضرت نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ صبح کی نماز مسجد میں پڑھ کر آئیں، آتے ہی روانگی ہو جائیگی، ہم لوگ مسجد سے واپس آئے حضرت بھی بالا خانے میں تیاری فرما رہے تھے، صاحب خانہ نے ہم لوگوں کے لئے چائے لائی تو ہم لوگوں نے پی لی، ایک معروف پیر اور عالم دین بھی اس سفر میں ساتھ تھے، حضرت ان کا بڑا خیال فرماتے تھے، جب حضرت نیچے آ کر ہم لوگوں کو چلنے کا حکم دے رہے تھے حضرت کی نظر چائے کی پیالیوں پر پڑی، ایک پیالی میں گھونٹ بھریا اس سے بھی کم چائے بچی ہوئی تھی، فوراً دریافت کیا کہ یہ کس نے بچائی ہے؟ سب خاموش رہے، پھر پوچھا یہ کس کی پیالی ہے بھئی! پیر صاحب نے کہا میری ہے، فرمایا اتنی چائے کیوں بچائی ہے؟ یہ اللہ کی نعمت کی ناقدری نہیں ہے؟ وہ چپ رہے، حضرت کو جلال آگیا پیالی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا ”آپ نہیں پیئیں گے تو لاؤ میں پی لیتا ہوں“۔ تب انہوں نے فوراً اٹھا کر پی لیا۔ کہنے کو یہ معمولی بات ہے لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسی باریک باریک باتوں پر نظر رکھتے تھے، خلاف سنت کو کبھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

● جب آپ کی صاحبزادی کا نکاح ہو رہا تھا آپ نے ہر کام سنت کے مطابق انجام

دینے کا بڑا اہتمام فرمایا، یہاں تک کہ چھوڑوں کی تقسیم کا مسئلہ آیا تو باقاعدہ تحقیق کر کے خود انتظام فرمایا، نیز اس کی تاکید فرمائی کہ چونکہ چھوڑوں (سوکھے کھجوروں) کا ہی ذکر ہے اس لئے اس میں مزید کسی چیز کو شامل نہ کیا جائے۔

● اسی طرح جب نواسی کا نکاح فرمایا تو لڑکے والے چونکہ سفر کر کے آئے تھے اور واپس بھی ہونے والے تھے اس لئے صرف ان کے لئے کھانے کا نظم کیا، وہ بھی غالباً چار پانچ آدمی ہوں گے، مقامی کسی ایک آدمی کو بھی شریک نہیں فرمایا، امی جان صاحبہ نے شرکاء دعوت میں حضرت قاری صاحبؒ کو بڑھالینے کی اجازت چاہی تو اس کی بھی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ آج تو نہیں پھر کسی اور موقع سے قاری صاحبؒ کی دعوت کر لی جائے، حالانکہ یوں حضرت قاری صاحبؒ کی ضیافت و خدمت تو آپ کے گھر سے مسلسل چلتی رہتی تھی، مگر حضرت چاہتے تھے کہ جب نکاح کو ارزاں اور سہل بنانے کی تلقین دوسروں کو کی جاتی ہے تو یہاں اور بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

● صاحبزادے کا انتقال اذانِ عشاء کے وقت ہوا، اس دن بھی حضرت والاؒ نے حسب معمول نماز عشاء کی خود امامت فرمائی، اور اعلان کیا کہ اشرف میاں جو کافی عرصے سے بیمار چل رہے تھے آج انہیں مکمل آرام ہو گیا ہے، جن لوگوں سے ہو سکے قرآن مجید پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں، تدفین میں تعجیل کے حکم کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی کوشش تو یہ تھی کہ رات ہی میں تدفین ہو جائے مگر انتظامی دشواریوں کی وجہ سے صبح کرنی پڑی۔ جوان بیٹے۔ وہ بھی اکلوتے۔ سے جدائی کے ایسے وقت بوڑھے باپ کی بے کلی و بے خودی کی کیا کچھ کیفیت ہوتی ہے ہر دل والا سمجھ سکتا ہے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس حال میں تمام امور کے سنت کے مطابق انجام پانے پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔

● بہن کا انتقال عید کی رات میں ہوا تھا، ظاہر ہے کہ صبح عید تھی تو کیا عید ہوتی؟ بچوں کیلئے ایک ہی تو پھوپھی تھیں وہ بھی چل بسیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عید کی تیاری فرمائی اور تمام

۱۔ حضرت مولانا قاری امیر حسن صاحبؒ جو اشرف المدارس ہردوئی میں کھڑی جوانی میں مدرس ہوئے تھے پھر پوری عمر حضرتؒ کے ساتھ حسن و وفا کا ثبوت دیتے رہے۔

گھر والوں کو پابند کیا کہ وہ بھی حسبِ معمول عید کی سنتوں کی تکمیل کریں، کیونکہ غم بھی اللہ نے دیا ہے اور عید بھی اللہ نے دی ہے، اگر ایک کا تقاضہ اظہارِ غم ہے تو دوسرے کا تقاضہ اظہارِ خوشی ہے۔ میں نے اس واقعہ کی خود حضرت سے تحقیق کی تو فرمایا ”جی ہاں! اللہ نے توفیق دی تھی“۔

قرآن کریم سے والہانہ تعلق

نبی کریم ﷺ نے ایک دعا میں اللہ تعالیٰ سے قرآن مجید کی محبت اور اس سے غایتِ تعلق کو مانگتے ہوئے فرمایا: ”و تخلطہ بلحمی و دمی“ اے اللہ! اس قرآن کی برکت و عظمت کو میرے گوشت اور خون میں تک شامل فرما دیجئے، ایک اور دعا میں متعدد اسماءِ الہیہ کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ سے التجاء فرمائی گئی کہ قرآن کریم کو میرے دل کی بہار، آنکھوں کی ٹھنڈک، غموں کا علاج اور دردِ دل کا مداوا بنا دیجئے۔

اتباعِ سنت کے غایتِ اہتمام کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت ﷺ کو بھی قرآن مجید سے ایسی عقیدت و محبت اور والہانہ تعلق و شغف نصیب فرمایا تھا کہ ان کی زندگی پر بس قرآن کریم ہی کا رنگ چھا گیا تھا۔ ”لونہ والا“ کے قیام میں، جب میں حاضر خدمت تھا ایک روز فرمایا: ”جب مجھے پہلی دفعہ بیت اللہ حاضری کی توفیق ملی تھی تو میں نے حج کے بعد مقامِ ابراہیم پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ ہندوستان جا کر قرآن مجید کی صحیح تعلیم کو رواج دینے کی کوشش کروں گا“..... پھر حضرت ﷺ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: ”پچاس سال سے اس عہد کو پورا کرنے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہوں، جہاں جاتا ہوں سارے عالم میں یہی پیغام دیتا ہوں کہ قرآن مجید صحیح پڑھنا سیکھو اور اس کا ادب و احترام کرو، اذانِ نماز کو سنت کے مطابق بنالو۔“

چنانچہ حضرت والا کی تمام زندگی قرآن کریم کے حقوقِ ظاہرہ و معنویہ کی ادائیگی کے اہتمام اور دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینے میں گزر گئی۔ خاص طور سے اس کے ظاہری احترام جس کی جانب اس زمانہ میں بڑی غفلت ہو گئی اور ہوتی جا رہی ہے کی طرف بڑے سوز و گداز اور والہانہ انداز سے توجہ دلاتے رہتے تھے۔ تجوید کے مطابق تلاوتِ قرآن کا رواج تو کہنا چاہیے کہ ہندوستان میں ان کے نمایاں کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل

ہے۔ آج بیشتر مدارس دینیہ میں تجوید کا اہتمام بلا واسطہ یا بالواسطہ انہی کا فیض ہے۔ قرآن کریم کو صاف ستھرا رکھنے، جزدان میں محفوظ و ملبوس رکھنے، اس کے لئے جو جگہ مختص ہو اس جگہ کے نمایاں اور صاف ہونے، جزدان کے میلے کچیلے اور گرد و غبار سے پاک ہونے، اس کے بوسیدہ اور علاحدہ شدہ اوراق کے محفوظ کرنے، اس کے رکھنے کیلئے بجائے دوسری تپائیوں کے صرف ”رحل“ کے استعمال کرنے کی بہت ترغیب دیتے تھے، پھر اس رحل کو بھی فرماتے تھے کہ پایوں پر ہی کھڑا کرنا چاہیے، کروٹ نہیں، فرماتے تھے کہ اس کا اوپری حصہ چونکہ کلام اللہ سے مس ہوتا ہے اس لئے اسے فرش پر نہ رکھا جائے۔

اسی طرح خلاف تجوید تلاوت کو قطعاً برداشت نہیں فرماتے تھے۔ حافظ کا بھی بڑا اکرام فرماتے تھے، اس کو نیچے بٹھا کر قرآن سننا سنوانا پسند نہیں کرتے تھے، اپنے پاس برابر والی جگہ پر بٹھاتے تھے، جلسوں میں مقررین کے انتظار میں تلاوت وقرات کا سلسلہ چلانے کو قرآن مجید کی نہایت ہی ناقدری اور توہین قرار دیتے تھے۔ قرآن مجید کو بلا جزدان رکھنے کے سخت مخالف تھے اور جزدان کو برسوں نہ دھونے کی عام عادت پر بھی نکیر فرماتے تھے۔

فرماتے تھے..... ”اپنے جسم کے کپڑے، اپنے سر کی ٹوپی تو روزانہ یا ہفتہ وار دھلتی رہے، مگر کلام اللہ کا جزدان برسوں نہ دھویا جائے، یونہی گرد و غبار میں اٹار ہے، کس قدر افسوس کی بات ہے۔“ پھر یہ بھی فرماتے تھے کہ ”اگر جزدان دھویا جائے تو اس کا دھوون نالیوں میں نہ بہایا جائے، ایک برتن میں جمع کر کے درخت کی جڑوں میں ڈال دیا جائے۔“ فرماتے تھے ”کعبۃ اللہ کے غلاف کی تو اتنی قدر کہ اس کا ایک دھاگہ مل جائے تو لوگ سر آنکھوں پر رکھیں، مگر کلام اللہ کے جزدان کی کوئی وقعت دلوں میں نہیں ہے جبکہ وہ تو بیت اللہ کا غلاف ہے اور یہ کلام اللہ کا غلاف ہے!“۔

طبعی نفاست و نزاکت

کہتے ہیں..... ۵ ”خدا جس کو حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے“
نہایت حسین و خوبصورت ہونے کے ساتھ حضرت علیہ السلام نے طبیعت بھی کچھ اس قدر نفیس

و نازک پائی تھی کہ کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ فطری نفاست و نزاکت بھی بناوٹ و تصنع سے پاک تھی، رہن سہن، رکھ رکھاؤ، لباس و پوشاک، حجرہ مبارک اور فرش و فرش، اشیاء و اسباب، ہر ایک چیز اور ہر ایک ادا ان کے طبع نازک کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی، واقعی سلیقہ ایک فطری چیز ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے بھی کہیں قیام ہو وہ چاہتے تھے کہ ہر کام ایک مخصوص ترتیب اور اہتمام سے ہو، بد سلیقگی اور بھونڈا پن سخت ناگوار اور بارِ خاطر ہوتا، ایک مرتبہ میں نے حیدر آباد کے قیام میں کھانے کے لئے دسترخوان بچھایا اس دسترخوان پر صبح ناشتہ میں پتہ نہیں کسی سے تیل کے ایک دو قطرے گر گئے تھے۔ جب بچھایا تو سفید اور ایکدم صاف ستھرے دسترخوان پر وہ سالن کے ایک دودھبے واضح نظر آ رہے تھے، آپ جب دسترخوان پر تشریف لائے تو سب سے پہلے اسی پر نظر پڑی سخت ناگواری ہوئی، مجھ سے فرمایا: ”تمہیں یہ دھبے نظر نہیں آئے؟ تمہارے کپڑوں پر تم اس کو برداشت کر لو گے؟ اس کو تم رومال بنا کر اوڑھ لو! اپنے رومال پر تو ایک داغ پسند نہیں، اللہ تعالیٰ کی روزی رکھنے کے دسترخوان پر سب برداشت کر لیتے ہیں؟ جاؤ صاف دسترخوان لا کر بچھاؤ۔“ عجیب شان تھی، طبعی نفاست تو تھی ہی اس میں روزی کا احترام اور اس کی قدر و عظمت بھی شامل تھی۔

کھاتے بہت کم تھے مگر نہایت نفیس ہلکی پھلکی غذا کھاتے تھے۔ ان کے کھانے کی ہر چیز محترمہ امی جان صاحبہ نہایت سلیقے اور ڈھنگ سے تیار کرواتی تھیں۔ کھاتے وقت باتیں بھی فرحت افزا پسند کرتے تھے، گرانی و تکلیف کی باتوں سے منع کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کھاتے وقت ”ب“ بھی مت کہو اس لئے کہ بیماری کی طرف دھیان چلا جاتا ہے، اسی طرح موت کی، بیماری کی اور پریشانی کی باتیں کھاتے وقت مناسب نہیں ہیں۔ فرماتے تھے کہ ایسی باتوں سے دل و دماغ پر بہت اثر ہوتا ہے اور ایسی حالت میں کھائے ہوئے کھانے کا کیا خون بنے گا؟

خوشبو کا ذوق بھی بہت اعلیٰ تھا، اصلی عطریات ہی کا استعمال فرماتے تھے، تیز اور سنٹھیک خوشبو سے مکدر ہوتا تھا، اگر بتی کے دھواں اور خوشبودونوں سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے ”اگر بتی کی خوشبو سے تو میرے حلق میں خراش ہو جاتی ہے۔“

پلنگ پر چادر ایک دم سفید ہوا کرتی تھی اور رضائی بھی کبھی سفید غلاف چڑھی ہوئی کبھی ویسی ہی، مگر صاف ستھری ہوتی تھی۔ نماز پڑھنے کے لئے اخیر عمر میں ایک چھوٹی سی گدی تھی اس پر اور وضو کے لئے جو چوکی بنی ہوئی تھی اس پر، اسی طرح سرہانے کے تکتے اور گاؤ تکتے پر بھی سفر حضر ہر حال میں ایک دم سفید غلاف ہوا کرتا تھا، ذرا سا بھی میل محسوس ہوتا تو ناگواری اور گرانی خاطر ہوا کرتی تھی۔ اسی لئے سفر میں بستر اور تکیوں کے لئے ڈھلے ہوئے سیٹ بھی علاحدہ سے رکھے جاتے تھے، ایک مرتبہ الہ آباد کے سفر میں جب حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے ہاں پہونچے تو ہم لوگوں کی غفلت سے غلاف پر کوئی دھبہ لگ گیا تھا، ناگواری ہوئی فرمایا ”ابھی کہیں ایک طرف جا کر بدل لو“۔

کھانے پینے کے برتن سفید چینی کے ان پر بہت ہی نازک کام ہوتا تھا، کبھی بے ڈھنگے اسباب استعمال میں کم از کم میں نے نہیں دیکھے، جبکہ مجھے بہت کچھ خدمت کا اور قریب رہنے کا موقع ملا ہے۔ یاد رہے کہ ان چیزوں کے لئے تکلف اور اسراف بالکل نہیں ہوتا تھا، خدام و منتظمین ان کی طبعی نفاست اور مزاجی نزاکت، نیز دی ہوئی تربیت کی وجہ سے ہر کام میں شروع ہی سے اس کا خیال رکھا کرتے تھے۔

پلیٹ میں دال سالن تھوڑا تھوڑا نکالتے تھے، زیادہ مقدار میں نہیں لیتے تھے، بلکہ کوئی ایک دم سے بہت سارا سالن نکال لے تو طبعی تکدر چہرہ پر محسوس ہوتا تھا۔ کھاتے وقت دوسروں کی بہت سی ناپسندیدہ حرکتوں کو ضبط فرما لیتے تھے مگر کبھی کبھی اصلاح ضروری سمجھتے تو ٹوکتے تھے مگر حفظ مراتب کا لحاظ بھی فرماتے تھے۔

یہی حال اسباب و سامان رکھنے میں بھی تھا، کہیں اینٹیں رکھوانی ہوں، مطبخ کی لکڑیاں رکھوانی ہوں ایک ترتیب اور سلیقے سے رکھواتے تھے، خود کھڑے ہو کے طریقہ بتلاتے تھے، مجلس میں چار پائیاں بھی ایک ترتیب سے لگنی چاہیے، ان پر بیٹھنے والوں کی بھی ترتیب ہونی چاہیے، فرش بھی سلیقہ سے بچھنا چاہیے، عصر بعد کی مجلس میں جو جوٹ کے پٹے بچھائے جاتے تھے، وہ طلبہ نے ایک دن نئے پرانے کیف ما اتفق بچھا دیئے، حضرت اندر سے تشریف

لانے تک چونکہ لوگ بیٹھ چکے تھے تو اس وقت تو نظر نہ پڑ سکی، جب مغرب پڑھ کر سنتوں کیلئے چبوترہ پر تشریف لائے تو دیکھا کہ چھوٹے بڑے نئے پرانے پٹے سب بے ترتیب بچھے ہوئے ہیں، باری والوں کو بلا کر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ”روز سکھاتا ہوں اور بتلاتا ہوں مگر تم لوگ سیکھتے نہیں، یہی کام اگر ترتیب اور سلیقے سے کرتے تو تمہارا کیا نقصان تھا؟ اس لا پرواہی سے بہت تکلیف ہوتی ہے، قلق ہوتا ہے، یہی چیزیں دیکھ دیکھ کر میری صحت ناساز ہوتی جا رہی ہے۔“

میز پر رکھا ہوا سامان بھی قرینے اور ترتیب سے ہونا چاہیے حد یہ ہیکہ دوا کی بوتلیں بھی ایک لائن میں رکھی ہوئی ہوں، بڑی پیچھے ہوں اور چھوٹی آگے ہوں، ٹیبلٹ بھی جما کر رکھے گئے ہوں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت برج کینڈی ہاسپٹل میں کئی دن کے علاج کے بعد کوما سے باہر آئے اور دیکھنے سمجھنے لگے تو قریب کی میز پر بے ڈھب رکھی ہوئی اشیاء کی طرف اشارہ کر کے انہیں صحیح رکھنے کی ہدایت دینے لگے تھے، کمال یہ ہے کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فطری سلیقہ تھا، تکلف تصنع کچھ نہ تھا۔

مذاق و مزاج

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج مبارک میں جہاں نہایت ہی نفاست و نظافت تھی، وہیں مذاق و مزاج کا بھی بہت ہی سنجیدہ اور پروقار ذوق پایا جاتا تھا، کبھی کبھی زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بہت ہی نفیس مزاح فرمایا کرتے تھے۔ قہقہہ تو کبھی یا نہیں کہ لگایا ہو، خجک بھی کبھی کبھار، اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ لیکن ان کی ایک مسکراہٹ ہزاروں مجروح و مغموم دلوں کو فرحت و مسرت سے بھر دیتی تھی۔

● میرے ایک دوست اور بچپن کے ساتھی ہیں ماشاء اللہ حافظ، قاری اور عالم دین ہیں حضرت بھی ان کو اچھی طرح جانتے ہیں ادھر کچھ عرصے سے ان کی جسامت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو ان کا عالم حافظ ہونا تو معلوم ہی تھا جسم کی فربہ بھی نظر آئی تو مسکراتے ہوئے فرمایا بسطۃ فی العلم والجسم

● رمضان شریف میں حضرتؒ کی تراویح مہمانوں کے ہمراہ چبوترہ پر ہوتی تھی، مسجد میں علاحدہ ہوتی تھی، بعض طلبہ شہر کی مساجد میں سنانے جایا کرتے تھے۔ چبوترہ کے پیچھے اب جو مہمان خانہ ہے پہلے اس میں سب بیرون ملکی طلبہ رہتے تھے۔ تمام عمارتوں کو نماز عشاء سے قبل مقفل کر دیا جاتا تھا، جب غیر ملکی حفاظ شہر میں تراویح سنا کر واپس آئے اس وقت تک نہ مسجد میں تراویح ختم ہوئی تھی نہ چبوترہ پر۔ اسلئے ان کی عمارت مقفل ہی تھی۔ یہ لوگ عمارت کے سامنے اکڑوں بیٹھے ہوئے نگراں کا انتظار کر رہے تھے۔ حضرتؒ جب ترویجہ کے بعد نماز کیلئے کھڑے ہوئے تو یہ لوگ اس طرح بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ انہیں دیکھ کے مسکراتے ہوئے فرمایا: ”بس ایک ایک لوٹے کی کمی ہے۔“

● ایک سفر میں اپنی صدری کے جیب میں رقم رکھ کر حضرت قاری صاحبؒ کو پہنادی اور فرمایا کہ آپ اس پر نظر رکھیں یعنی حفاظت کریں، پھر مسکراتے ہوئے فرمایا ہم قاری صاحب پر نظر رکھیں گے۔

● ایک مرتبہ دسترخوان پر متعدد لوگ تھے، ناشتے میں انڈے آئے تو دیسی مرغی کا انڈا ایک ہی تھا، چونکہ حضرت معمولاً وہی استعمال کرتے تھے، وہ انڈا خود لے کر بقیہ انڈے یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا دیئے کہ ”ہم چھوٹے آدمی ہیں چھوٹا انڈا کھاتے ہیں آپ بڑے لوگ ہو بڑا انڈا کھائیے۔“

حضرتؒ اکثر مسکراتے تھے، ہنستے بہت کم تھے مگر بعض دفعہ سیدھے سادے لوگوں کی کھری کھری باتوں پر اگر قریبی لوگوں میں ہوتے تو ٹوٹ کے ہنستے تھے۔

● ایک دفعہ منشی اسرار صاحبؒ کے سر میں تیل ڈال رہے تھے، میں پیر دبار ہا تھا، ذرا بدوی مزاج کے آدمی مگر انتہائی مخلص و مطیع خادم تھے، حضرت نے جہاں بھیجا چلے گئے، جس کام پر لگایا جی جان سے انجام دیتے تھے، گفتگو میں بے باک تھے، تیل لگاتے ہوئے دیہاتی انداز میں کچھ نہ کچھ سناتے رہتے تھے، اس دن کہنے لگے کہ حضرت! میں لکھنؤ کی فلاں مسجد میں جمعہ پڑھا تھا، امام صاحب نے بیان میں ایک مسئلہ غلط بتادیا، مجھے

بے چینی شروع ہوئی، اب ٹوکتا ہوں تو لوگ کہیں گے یہ جاہل کہاں سے بول رہا ہے؟ اور نہ ٹوکتا ہوں تو لوگ غلط بات پر عمل کر لیں گے، سب طرف دیکھتا رہا کوئی بھی نہیں بولتا، نماز بھی ہو گئی کسی نے نہیں بتایا، میں نے امام صاحب کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر کہا کہ امام صاحب نے بیان میں یہ جو مسئلہ بتایا ہے میں نے بڑوں سے ایسا نہیں سنا بلکہ ایسا سنا ہے، آپ لوگ علماء سے تحقیق کر کے عمل کر لیں، سنتوں کے بعد کئی لوگ میرے پاس آئے اور متولی صاحب بھی آئے کہنے لگے کھٹک تو ہم کو بھی ہو رہی تھی مگر ہمت نہیں ہوئی کہنے کی، میرا شکریہ ادا کیا اور پوچھنے لگے: آپ کس مدرسہ کے فارغ ہیں؟ میں نے دل میں کہا یا رب یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی، مگر میں نے فوراً جواب دے دیا کہ ”صحبت العلوم“ کا پڑھا ہوا ہوں، وہ لوگ کہنے لگے یہ مدرسہ کہاں ہے؟ میں نے کہا حضرت ہر دوئی کی صحبت میں پڑا رہتا ہوں۔ پہلے تو حضرت بس مسکراتے ہوئے خاموش رہتے تھے، مگر جب یہ آخری بات سنی ہنسی کو برداشت نہیں کر سکے اور اٹھ کے بیٹھ گئے اس روز یہ عاجز حضرت پر بہت گرانی اور انقباض دیکھ رہا تھا، منشی صاحب کے اس قصے نے وہ بھی ان کے مخصوص لہجے اور انداز میں حضرت کا انقباض طبع دور کر دیا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ میسور سے بنگلور واپس آرہے تھے، گاڑی حضرت کے بہت ہی معتقد ایک بنگلوری تاجر کی تھی، وہی چلا رہے تھے، راستے میں انہوں نے کہا کہ حضرت! یہ سیٹ پیچھے ہٹا کر اور کھول دیجئے تو آپ لیٹ سکتے ہیں، پیچھے ایک مقامی عالم اور مرشد بیٹھے ہوئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: مولانا کا کیا ہوگا؟ وہ تاجر بڑی سادگی سے بنگلوری لہجے میں کہنے لگے ”ان کو دوسری گاڑی میں ڈال دیں گے“ اس بھولے پن اور ”ڈال دیں گے“ کے لفظ سے بہت محظوظ ہوئے۔ ہم دوسری گاڑی میں تھے، جب حجرے میں ملنے گئے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی عبدالرحمن صاحب سے فرمایا: ان لوگوں کو سنایا؟، جب انہوں نے سارا قصہ سنایا تو پھر حضرت ہنستے ہوئے اٹھ کے بیٹھ گئے۔ یہ ان کی تحقیر کی بات نہ تھی طرین کو باپ بیٹے جیسی محبت تھی، لیکن عوامی زبان کی سادہ تعبیر اور ان کے بولنے کے انداز سے استلذ اذ تھا۔

غرض یہ ہے کہ ایسے کم ہی مواقع دیکھنے والوں نے دیکھے ہوں گے، عموماً پسندیدگی کے مواقع پر بس ایک مسکراہٹ ہی سے حاضرین میں خوشیاں بکھیر دیتے تھے، اور یہی سنت نبوی بھی ہے۔

● ایک اہل تعلق ملاقات کے لئے آئے تھے، کافی دیر تک بیٹھے رہے، جب جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا: اجازت چاہتا ہوں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اجازت ہے، پھر فوراً ہی مسکراتے ہوئے فرمایا: ”جانے کی اجازت ہے کہیں اجازت و خلافت نہ سمجھ لینا۔“

مسلک و مشرب کا اہتمام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں اکابر علماء دیوبند کے مسلک و مشرب اور ان کی علمی و فقہی تحقیقات سے عدول نہیں فرماتے تھے۔ جدید تحقیقات سامنے آتیں تو یوں باسانی متاثر نہوتے تھے۔ کسی مسئلہ میں کھٹک ہو جائے تو اپنے شاگردوں کی جانب بھی مستفسرانہ نظر فرمالیا کرتے تھے مگر مطمئن کتاب ہی سے ہوتے تھے۔ خواہ وہ بہشتی زیور ہی کیوں نہ ہو، کوئی اہم مسئلہ پیش آئے تو متعدد علماء اہل فتویٰ کو بلا کر ان کے سامنے رکھتے اور ان کی اجتماعی تحقیق و جواب کے بغیر مطمئن نہوتے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور سے استفتاء کرواتے، اپنے دل میں کوئی خاص مضمون آتا تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب، حضرت مفتی محمود حسن صاحب وغیرہ کے سامنے بیان کرنے کے بعد اگر یہ حضرات پسند فرماتے تو پھر بیان کرتے تھے اور خوب بیان کرتے تھے، یہ بھی بتلاتے رہتے تھے کہ فلاں بزرگ نے اس کو پسند کیا ہے۔ پھر مسلک میں بھی اپنے شیخ کے مشرب کا لحاظ ہوتا تھا۔

مشرب شیخ کی رعایت

حضرت رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانے سے ہی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے معتقد و مداح تھے، ان کے والد حضرت محمود الحق ایڈوکیٹ بھی انہی سے بیعت بلکہ ان کے مجاز صحبت تھے، شیخ اور مرید میں مناسبت جس قدر ہوگی اسی قدر افادہ و استفادہ کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے، حضرت محی السنۃ ایک ایک معاملے میں حضرت حکیم الامتؒ کے مزاج و مذاق کی رعایت

فرماتے تھے، کسی اور کی طرف ان کی نظر اٹھتی ہی نہ تھی، دعوۃ الحق اور اشرف المدارس دونوں کا نظام حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے منشاء کے مطابق قائم فرمایا اور مدت العمر نباہا۔ اہل سلسلہ کی تربیت میں بھی اس کا بڑا خیال فرماتے تھے، عصر بعد کی مجلس میں اکثر حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کا سلسلہ ہی چلتا تھا، نام بھی ہمیشہ بڑی محبت اور جذباتی انداز میں حکیم الامت مجدد المملۃ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ کہہ کر لیتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ اگر حضرت تھانویؒ سامنے ہوتے تو حضرت قربان ہی ہو جاتے۔ مولانا ظہور الحسن صاحب کسولویؒ نے اپنے رسالہ ”جامع المجذوبین“ کے آخر میں بجا فرمایا تھا کہ ”اگر کسی کو حضرت تھانویؒ کا مزاج و مذاق دیکھنا ہے تو ہر دوئی جا کر حضرت مولانا ابراہار الحق صاحب مدظلہؒ کو دیکھ لے۔“

● جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے اختلافات کا قضیہ نامرضیہ چل رہا تھا حضرت محی الدینؒ بالکل غیر جانبدار تھے اور اپنے کام سے کام رکھے ہوئے تھے، انہی دنوں معالج کی ایماء پر کچھ دن بمبئی، پھر حیدرآباد قیام تجویز ہوا، بمبئی سے جس دن نکل رہے تھے کسی نے اخبار دکھایا جس میں اس قضیے کے ایک فریق نے حضرتؒ کے حوالہ سے اپنی حمایت و تائید کا بیان جاری کر دیا تھا، ایسے مواقع پر جذبات سے کھیلنے اور جذبات پر چپلنے والے لوگ بڑوں کو بھی نہیں چھوڑتے، انہیں اپنی اغراض سے مطلب ہوتا ہے کسی کی مصلحت و آبرو سے کیا لینا دینا؟ جب حیدرآباد پہونچے تو حضرت کے ایک مجاز حضرت مولانا حکیم محمد امین صاحب پرنامی رحمۃ اللہ علیہ بھی پہونچے، حضرت ان کا بہت اکرام فرماتے تھے وہ بھی حضرتؒ کے عاشق صادق تھے، نواب باقر خان صاحب کی حویلی میں قیام تھا، خوب یاد ہے کہ ظہرانہ کے بعد جب قیلولہ فرما رہے تھے تو حکیم صاحب سرد بارہے تھے اور یہ عاجز پیر..... حکیم صاحب سے حضرت نے اخبار کی خبر کا تذکرہ کرتے ہوئے افسوس اور تکلیف کا اظہار فرمایا کہ علماء تک ایسی بے اصولی اور بددیانتی سے کام لیتے ہیں! حکیم صاحب نے تھوڑی دیر کے بعد سوال کیا کہ اس سلسلہ میں حضرت والا کا موقف کیا ہے؟ حضرت نے حسب معمول خاموشی اختیار کر لی، یہاں تک کہ ہم سمجھے جواب نہیں دیتا چاہتے ہوں گے، مگر

خاصی دیر سکوت کے بعد اس قدر ارشاد فرمایا ”قاری صاحب اگر حضرت والا کا طریق اختیار کرتے تو شاید یہ نوبت نہ آتی“..... چونکہ حضرت حکیم الاسلامؒ بھی حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں سے تھے تو حضرت محی السنۃؒ نے تمام قضیے کو بس اس نظر سے دیکھا کہ ماضی میں جب اسی ادارہ کے سلسلہ میں اپنے شیخ کی نظیر موجود تھی تو کیوں نہ اسی کو اختیار کر لیا گیا اور مرید کے لئے اپنے شیخ کے عمل سے بہتر نظیر کیا ہو سکتی تھی۔ کہنے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود تو ہر معاملے میں اور ہر اختلاف و نزاع میں اپنے شیخ کے مسلک و مشرب پر مضبوطی سے جھے رہتے ہی تھے دوسرے متعلقین کے معاملے کو بھی بس اسی کسوٹی پر رکھ کے دیکھا کرتے تھے، کسی کی تغلیط و تنکیر تو نہیں فرماتے تھے مگر پسند اسی کو کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے مزاج و مذاق کی رعایت رکھی جائے۔ یاد رہے کہ یہ حضرت کا ایک محدود و محتاط تبصرہ تھا، وہ بھی صرف راز دارانہ طریقہ پر، کسی معتمد مخلص کے پوچھنے پر ورنہ حضرت محی السنۃؒ حضرت حکیم الاسلامؒ کا حاضر اُوغائباً بہت احترام فرماتے تھے، مجھے اس واقعہ سے حضرت محی السنۃؒ کے مزاج میں مشرب شیخ کی رعایت میں جو رسوخ تھا بس وہی بستانا مقصود ہے، کسی معاملے کی تحقیق مقصود نہیں۔

● میں ایک مرتبہ حرم شریف میں حضرت والا کی قیام گاہ پر بعد عصر کی مجلس میں شرکت کیلئے حاضر ہوا، اسی وقت دیوبند سے حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحبؒ کا فون آیا تھا وہ معلوم فرما رہے تھے کہ تھانہ بھون میں جو ”حکیم الامت سمینار“ ہونے جا رہا ہے اس میں ہم لوگ بھی مدعو ہیں مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر آپ اس سے متفق ہوں تو ہم شریک ہوں ورنہ نہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”میں کسی کو منع تو نہیں کرتا مگر چونکہ یہ کام جس طرح ہو رہا ہے وہ حضرت والا کے مزاج و مذاق کے مطابق نہیں ہے اس لئے اگر میں وہاں موجود ہوتا تب بھی میں تو شرکت نہ کرتا“۔ حضرت مہتمم صاحب نے جواب دیا کہ جب آپ مطمئن نہیں تو ہم بھی نہیں۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر کا معاملہ ہے، چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کا فتویٰ نماز میں عدم استعمال کا تھا اگرچہ کہ بعد کی تحقیقات کی روشنی میں خود حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے صراحتاً

جواز کا فتویٰ دیا تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے نماز میں مدت العمر اس کا استعمال نہیں فرمایا، دوسروں کے استعمال کو غلط نہیں فرماتے تھے مگر خود کے لئے وہی پسند فرماتے تھے جس پر شیخ کو پایا تھا، غرض کہ بہت مثالیں اور بے شمار واقعات اس سلسلہ میں لکھے جاسکتے ہیں مگر ان سب کا احصاء مقصود نہیں ہے صرف مزاج و مذاق کا تعارف مقصود ہے اس لئے یہاں بھی ان امثلہ پر قناعت کی جاتی ہے۔

معاملات کی صفائی

معاملات کی صفائی اسلامی تعلیمات کا اہم شعبہ ہے، بلکہ یہی وہ شعبہ ہے جس سے اسلام زیادہ متعارف اور قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اس کے اہتمام سے معمور تھیں لیکن اس زمانہ میں اچھے اچھے اہل علم اور بڑے بڑے عبادت گزار اس شعبہ کی طرف سے غفلت میں ہیں۔ بقول حضرت حکیم الامتؒ:

”اس جزو زمان میں جزو معاملات و معاشرت کو عوام نے عملاً اور علماء نے عملاً المحذوف والمطروح کر دیا ہے“۔ (تبلیغ دین)

اسی تاثر و تجربہ کی وجہ سے وہ اپنے پاس تربیت پانیوالوں کی اس پہلو سے بڑی کڑی نگرانی کرتے اور پختہ تربیت فرمایا کرتے تھے۔ خود ان کے معاملات میں بھی اپنے شیخ کے صفائی معاملات و حسن معاشرت میں پختگی کا وصف نمایاں طور پر نظر آتا تھا۔

● ایک مرتبہ میں اپنے ایک دوست جناب سید معین الدین صاحب کے ہمراہ ہر دوئی پہونچا، پہونچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت الہ آباد شریف لے جا رہے ہیں۔ بڑا افسوس ہوا، ہمارا ارادہ قیام بھی ہر دوئی میں بس تین دن کا تھا، حضرت کی واپسی تک ظاہر ہے کہ یہ وقت نکل جاتا، میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت نے قیام گاہ پر طلب کر کے ارشاد فرمایا: تم لوگ ایسے وقت آئے ہو کہ میرا سفر کا نظام ہے، حضرت مولانا محمد احمد صاحب علیل ہیں، الہ آباد میں مقیم ہیں، وہیں جانا ہے۔ پھر یہ تکلف پوچھا کہ کیا تم لوگ بھی چل سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا: حضرت! ہمارے لئے تو یہ عین سعادت کی بات ہے، فرمایا: یہ مطلب نہیں! مطلب یہ ہے کہ تمہارے جو

رفیق سفر ہیں ان کی مالی گنجائش کیا ہے؟ انھیں ان زائد مصارف کا تحمل ہو سکے گا؟ عرض کیا: وہ الحمد للہ صاحب گنجائش ہیں کچھ بار نہیں پڑے گا۔ فرمایا: ہاں بس یہی معلوم کرنا تھا، ٹکٹ کے لئے آدمی جارہے ہیں بنوایا جائے گا۔ کچھ دیر بعد قاصد آیا کہ طلی ہوئی ہے، پھر حاضر ہوا۔ فرمانے لگے معلوم ہوا ہے کہ تخصیص (ریزرویشن) کی گنجائش نہیں ہے، صرف ایک کرسی (سیٹ) ہے وہ بھی اے سی میں۔ میرا تو انتظام ہو جائے گا، باقی لوگوں کے لئے مشکل ہے۔ میں نے عرض کیا: حضرت ہم لوگ چالو (عام) ڈبے میں سفر کر لیں گے، فرمایا: اس گاڑی میں بھیڑ بہت ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑے، ہم نے کہا حضرت! ہمت ہے انشاء اللہ کر لیں گے۔ مکرر پوچھا کوئی دشواری تو نہ ہوگی؟ عرض کیا گیا بالکل نہیں، اس ایک سیٹ کی آپ کے لئے تخصیص ہو جائے، بالکل اطمینان سے ہم لوگ بھی دوسرے ڈبوں میں ساتھ رہیں گے۔

● ایک دفعہ ہر دوئی حاضر ہوا تو قریب کے کسی سفر میں مجھے بھی ساتھ لے لیا، یہ سفر کچھ ریل سے، کچھ بس سے اور کچھ رکشہ میں طے ہوا، راستہ میں بس کے ٹکٹ لینے اور رکشہ والے کو دینے کے سلسلہ میں کبھی حضرت نے صرف کیا، کہیں میں نے دیدیا۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد جب میں حیدرآباد واپسی کی اجازت طلب کرنے حضرت کے پاس گیا تو فرمایا: ہاں بھئی! وہ حساب تو ابھی کیا نہیں! عرض کیا کونسا حساب؟ کاغذ قلم لے کر پوچھا جاتے وقت ریل کا ٹکٹ کس نے لیا تھا؟ پھر بس میں کون خریدا؟ کتنی رقم ہوئی؟ رکشہ والے کو کس نے دئے کتنے دئے؟ دو طرف دونوں کے خرچ کی ہوئی رقم لکھی۔ جو رقم میں نے دی تھی وہ مجھے واپس کر دی۔ جب حساب صاف ہو گیا تو فرمایا تمہارا خرچ میرے ہی ذمہ ہے، اس لئے تم سے خرچ نہیں لینا ہے، اس کے بعد دریافت کیا، حیدرآباد آمد و رفت کا کیا ٹکٹ ہے بتلایا گیا کہ ۳۰۰ روپے تو وہ بھی اپنی صدی سے نکال کر مجھے عطا فرمائے اور کھڑے ہو کر مصافحہ و معافہ سے سرفراز فرما کر رخصت فرمایا۔

علماء کا اکرام

حضرت رحمۃ اللہ علیہ علماء کا بہت اکرام فرماتے تھے، پہلے تو علماء، اکابرین اور بزرگان دین کے بارے میں ان کے پاس تذکرہ بھی نہیں ہونے دیتے تھے، اگر کوئی عالم کسی عالم کے بارے میں کسی غلطی کا ذکر کرتا تو اس کے اکرام میں یا پھر اہم بات ہو نیکی وجہ سے کبھی سُن لیتے تو بھی اس عالم پر شخصی تنقید نہ فرماتے تھے۔ صرف اس قدر فرماتے تھے ”تعب ہے“ یا ”حیرت ہے کہ ایسی بات کہدی“..... بلکہ اگر ناقل کے نقل میں غلو محسوس ہوتا یا منقول عنہ کے مقام کو اس سے بلند خیال فرماتے تو ناقل پر جرح فرماتے تھے۔ اپنی زبان سے تو علماء کرام کے بارے میں شخصی تبصرہ کبھی نہ فرماتے تھے، بہ حیثیت مجموعی بعض اعمال و سُنن سے غفلت کا ذکر عموم کے ساتھ تو ہو جاتا تھا مگر ان کی زبان سے کسی کی غیبت یا ذہنیں پڑتا کہ سنی گئی ہو۔ ایک مرتبہ ہردوئی میں چاء کے دسترخوان پر ایک صاحب علم نے اخبار کے حوالہ سے دیوبند کے کسی عالم کے ہاں شادی میں کی گئی اسراف و تبذیر، ریا و نمود اور امراء و وزراء کی شرکت وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اخبار نے دیوبند کے حوالے سے اس پر مزید تنقید کی ہے۔ حضرت چونکہ منکرات پر بہت ناراض ہوتے تھے، راوی کا انداز ایسا تھا کہ حضرت اس پر متعجب ہو کر افسوس و قلق کا اظہار فرمادیں۔ حضرت پر فوراً اثر ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اخبار کا بیان دوبارہ کہنے کے لئے فرمایا، انہوں نے جب دُہرایا تو اسمیں بار بار دیوبند کا نام آ رہا تھا، حضرت نے فرمایا: خیر یہ عمل تو قابل افسوس ہے مگر شائع کر نیوالے کی غرض ایک مخصوص مسلک کو بدنام کرنا اور اس کے علماء کی تنقیص معلوم ہوتی ہے ورنہ ”ایک عالم“ کہہ دیتے ”دیوبندی عالم“ کیوں کہا؟ کیا دوسری اور جماعتوں کے علماء اس سے محفوظ ہیں؟

غرض یہ کہ غائبانہ بھی علماء کی شان میں گستاخی یا ان کی بدنامی گوارا نہیں فرماتے تھے، خواہ وہ علماء حضرت سے اختلاف بھی کیوں نہ رکھتے ہوں اور کیوں ایسا نہ ہوتا جبکہ خود ان کے مربی و شیخ حضرت حکیم الامت کا مزاج بھی یہی تھا کہ اپنے بدترین حاسد یا مخالف کا بھی اگر وہ عالم ہوں تو بلا احترام نام سننا گوارا نہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ کچھ بھی ہو وہ عالم تو ہیں۔

۱۔ جناب احمد رضا خان صاحب کے بارے میں ملفوظات میں منقول ہے کہ بنا القاب ان کا نام لینے کو حضرت نے ناپسند فرمایا تھا

اسی طرح احترام علماء کے سلسلہ میں حضرت محی الدینؒ کی غیرت کا یہ عالم تھا کہ غیر عالم کیلئے ”مولانا“..... کا لفظ بولنا اور لکھنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ فرماتے تھے لفظ ”مولانا“ عرف میں مستند عالم کی علامت ہو گیا ہے، غیر مستند و غیر معتبر حضرات کیلئے دوسرے القاب و آداب کا استعمال کریں مگر مولانا نہ کہا کریں۔

● چنانچہ ایک دفعہ جب احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ”کتاب الکبائر“ کا اپنا ترجمہ پیش کیا تو چونکہ وہ دہلی سے چھپ کر آیا تھا، طابع نے خود ہی میرے نام کے ساتھ ”مولانا“ بڑھا دیا تھا۔ اس زمانہ میں میں ترک تعلیم کر کے تدریس میں لگا ہوا تھا، حضرت نے مجھ سے فرمایا تمہاری تعلیم مکمل ہو گئی؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا: پھر اپنے نام کے ساتھ مولانا کیوں لکھا؟ میں نے وجہ بتلا دی، فرمایا اس لفظ کو مٹا کر کتاب فروخت کرو، کیا یہ خلاف واقعہ نہیں ہے؟ پھر اس واقعہ کے کئی برس بعد میں نے ضابطے کی فراغت حاصل کر لی تو یادداشت اور حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ملاقات کی صف میں مجھ سے آگے جو صاحب تھے ان کو روک کر فرمایا عالم سے مقدم کیوں ہو گئے؟ پہلے علماء کا نمبر ہے!

● اسی طرح یہاں ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے تو وہاں عمارت پر سنگ بنیاد کے کتبہ پر ایک غیر عالم بزرگ کے نام کے ساتھ ”مولانا“ اور ”مفسر قرآن“ لکھا ہوا تھا، حضرت نے مدرسہ کے ذمہ دار سے پوچھا، ان کے عالم ہونے کی آپ کو تحقیق ہے؟ انہوں نے عرض کیا: جی! وہ باقاعدہ عالم تو نہیں ہیں، اس پر حضرت نے ناراضگی کا اظہار فرمایا، اور چونکہ وہ ذمہ دار مدرسہ حضرت کے اہل تعلق میں سے تھے تو فوری اثر کے ساتھ اس کتبہ کو نکلو ابھی دیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ عالم کا ایک امتیاز ہے اس کے لقب کو دوسرے کے لئے استعمال کرنے کا مطلب اس امتیاز کو ختم کر دینا ہے۔ کیا کوئی شخص کسی غیر ڈاکٹر کو ڈاکٹر کہتا ہے اور کہے بھی تو کیا اس کو قبول کیا جاتا ہے؟ پھر ”مولانا“ جب ہمارے عرف میں مستند عالم دین ہونے کی پہچان ہے تو اس کا بے محل استعمال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پھر اسی طرح جب علماء کے نزدیک غیر عالم کو تفسیر کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ علماء میں بھی سب کو نہیں ہے اس کے باوجود کسی

غیر عالم کو علماء خود اپنی زبان سے ”مفسر قرآن“ کہنے لکھنے لگیں تو تفسیر کی شرائط ہی بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔

● ایک زیر انتظام مدرسہ میں وہاں کے اہل علم ذمہ دار سے کسی مالی خیانت کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا، حضرت نے اپنے ایک معتمد علیہ سے اس کی تحقیق کروائی، جانچ کے بعد اس شکایت کا سچ ہونا جب علم میں آیا تو خود طویل سفر فرما کر اس مدرسہ میں تشریف لائے۔ یہاں آنے کے بعد تنہائی میں ان سے مشافہتہ تسلیم کروایا پھر ہدایت دی کہ اس غلطی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم آپ کو برطرف کر دیں۔ مگر چونکہ آپ عالم ہیں، دین کی خدمت کرتے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے، اس لئے اس برطرفی سے بدگمانیوں کو تقویت ملے گی اور آپ کے ساتھ تمام اہل علم کی بدنامی ہوگی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ شخصی عذر بتلا کر خود ہی مستعفی ہو جائیں، لوگوں کے پوچھنے پر آپ صاف کہہ سکتے ہیں کہ میں خود اپنی مصلحت سے مستعفی ہوا ہوں، رہ گئی خیانت کردہ رقم تو آپ ہر ماہ اس کی اتنی مقدار مرکز دعوت الحق کو چندہ کے عنوان سے بھجواتے رہیں تاکہ اہل مرکز اور دفتر والوں کو بھی اس واقعہ کا علم نہ ہو۔ ادھر مقامی معاونین و منتظمین کو بھی حسن تاویل سے مطمئن فرمایا۔ سبحان اللہ! ناموس علماء کے تحفظ کی یہ کیسی عمدہ مثال ہے اور جس کے دل میں واقعی اس منصب کی عظمت نہ ہو وہ اس قدر محتاط نہیں ہو سکتا۔ جب عام مؤمنین کے حق میں قرآن کریم کہتا ہے إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تو علماء اور خواص امت کے عیوب اچھالنے کی کیسے گنجائش نکلتی ہے؟۔ برخلاف اس کے اب دینی اداروں سے نکلنے والا اور نکالنے والا دونوں ایک دوسرے پر خیانت غبن اور نہ جانے کن کن جرائم کا الزام وہ بھی رائی کو پر بت بنا کر لگاتے رہتے ہیں۔ آج کل تو اخبارات و میڈیا کا استعمال کرنے سے تک گریز نہیں کیا جا رہا ہے۔ فیاللاسف

● مولانا محمد رضوان القاسمی رحمہ اللہ نے خود مجھ سے فرمایا تھا کہ حضرت کے بارے میں میرا خیال یہ تھا کہ ہم جیسے لوگوں کی ان کے ہاں کوئی اہمیت نہ ہوگی، جانے کے لئے ہمت

بھی نہوتی تھی، مگر جب میں ہردوئی گیا تو حضرت کے اکرام و اعزاز اور علماء کی قدردانی دیکھ کر میں پانی پانی ہو گیا، بار بار لوگوں سے فرماتے تھے ”یہ حیدر آباد کے بڑے عالم ہیں اور بہت کام کر رہے ہیں وغیرہ“۔ مہمان خانہ خود آتے تھے اور ہر چھوٹی بڑی ضرورت کی نگہداشت فرماتے تھے واپسی کے وقت خود اپنی گاڑی نکلو کر اس میں اسٹیشن کے لئے روانہ فرمایا، گاڑی نکلنے تک کھڑے رہے اور دعائیں دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ کے اکرام علماء کا یہ تاثر کسی ایک مولانا کا تاثر نہیں سینکڑوں علماء کا احساس ہے۔

● ایک بزرگ تھے مولانا محمد وکیع صاحبؒ۔ حضرت کے غالباً ہم درس تھے، دیہاتی مزاج و انداز کے آدمی تھے، بظاہر لگتا بھی نہ تھا کہ عالم ہیں۔ ہردوئی حضرت کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے، ہم طلبہ ان سے بے تکلفی سے ملتے تھے وہ بھی دیہاتی انداز میں بڑی سادگی سے گھل مل جاتے تھے، رمضان شریف میں، میں چند دن حضرتؒ کے ہاں قیام کے ارادہ سے ہردوئی پہنچا ہوا تھا، گرما کا موسم تھا بڑا مبارک روزہ اور مختصر سی شب ہوا کرتی تھی، حضرت بھی اس سال رمضان میں علیل چل رہے تھے اور مخدومہ امی جان صاحبہؒ بھی بیمار تھیں۔ حضرتؒ نے مجھ سے تراویح کے بعد فرمایا کہ ”مولانا کیلئے سحر میں تم گھر سے دودھ اور پاپے پہونچا دینا“۔ میں نے کہا ٹھیک ہے! وہ بزرگ تراویح کے بعد وہیں چبوترے پر پڑ گئے، میں مہمان خانہ میں جا کر سو گیا دو ہی گھنٹے میں سحر کا وقت ہو گیا۔ میں جب اٹھا تو وقت بہت کم رہ گیا تھا، اتنے ہی وقت میں مطبخ سے اپنی روٹی لے کر خود سحری کرنا اور اندر (حضرت والا کے مکان) سے مولانا کیلئے سحر کا انتظام کرنا تھا، خیر میں پہلے حضرت کے گھر میں باروچی خانہ میں پہونچا، اتفاق سے بجلی بھی غائب تھی، جلدی سے فرانگ پیان میں دودھ گرم کیا اور ایک پلیٹ میں پاپے رکھ کر ان بزرگ کے سامنے لا کر رکھ دیا، اور اپنی سحری کی فکر میں مہمان خانہ چلا آیا، اتنے میں حضرت ٹارچ لے کر ان کے ہاں پہونچے اور اس طرح ان کے سامنے ناشتہ رکھا ہوا دیکھ کر غضبناک ہو گئے، مجھے طلب فرمایا، ایک صاحب دوڑتے ہوئے آئے کہ حضرت یاد فرما رہے ہیں! میں سوچنے لگا یا اللہ! کیا ہو گیا، میرا خیال تھا کہ حضرت سورہے

ہوں گے، دوڑتا ہوا پہونچا تو وہ پاپوں کی پلیٹ اور دودھ کا برتن لے کر واپس جا رہے تھے، میں نے عرض کیا حضرت میں لے جاتا ہوں، جواب ملا کوئی ضرورت نہیں! میری سمجھ میں نہ آسکا کہ ہوا کیا؟ پیچھے پیچھے چلتا رہا، اندر گئے، گیس کا چولہا ان دنوں نیا نیا آیا تھا، لائٹر سے جلا نا چاہا، جل نہیں سکا، میں نے عرض کیا حضرت میں جلاتا ہوں، فرمایا: کوئی ضرورت نہیں! میں خود کر لوں گا، پھر بھی ہاتھ سے لائٹر لے کر میں نے چولہا جلایا، حضرت نے دودھ چوہلے پر رکھا، گرم کیا، ایک کشتی اٹھائی، اس میں شکر دان/پیالی/چمچ/چاء دان/ٹی کوزی/چسینی کی پلیٹ میں پاپے سب جمائے۔ میں درمیان میں عرض کرتا رہا: حضرت میں کر لوں گا۔ کچھ جواب نہ ملا بلکہ اظہارِ رنج فرمایا گیا کہ برسوں سے میرے پاس رہتے ہو، کچھ نہیں سیکھا، علماء کی تو بین کرتے ہو، وہ میرے مہمان ہیں، عالم دین ہیں، اس طرح کھانا کھلاتے ہو؟ تمہیں کچھ خیال نہ ہوا کچھ نہیں سیکھتے ہو۔“ بہر حال پھر بھی میں نے عملی مداخلت کرتے ہوئے یہ سب اپنے ہاتھ میں لیا اور حسبِ مرضی سب جماسجا کے دودھ دان میں دودھ ڈالکے، اس پر دسترخوان ڈھانک کے پورے سلیقے طریقے سے انہیں لیجا کر پیش کر دیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر گھڑی دیکھی تو چند منٹ اختتامِ سحر میں رہ گئے تھے، دوڑتا ہوا مہمان خانہ پہونچا دو چار نوالے جو ہو سکے کھا لیا۔ کوتاہی تو اپنی ہی تھی اور انجام بھگتنا ہی تھا۔ سحری نہ کر سکنے کا کچھ زیادہ غم نہ تھا، اب جو بے چینی ستا رہی تھی وہ حضرت کو راضی کرنے کی بے چینی تھی، جب تک اس طرف سے اطمینان نہ ہو جائے سکون ملنا مشکل تھا۔ ایک معافی نامہ لکھ کر جیب میں رکھ لیا اور ایک ایک لمحہ مناسب موقع کے انتظار و تلاش میں جس کرب و بے چینی کے ساتھ گزر رہا تھا اللہ ہی بہتر جانتا ہے، دل کو یہ اطمینان تو تھا کہ معافی کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے پر بے چینی اس مسئلہ کے نمٹ جانے کی تھی، اسلئے کہ وہ میرے محسن و مہربان مربی تھے ان کے دل کا تکدر میرے لئے ناقابلِ تحمل تھا۔ الغرض دور دور سے نظر رکھتے ہوئے پیچھے پیچھے پھرتا رہا تا آنکہ وہ دفتر میں کام کرنے کیلئے بیٹھ گئے، میں ذرا فاصلے پر باادب بیٹھ گیا اور نظر اپنی جانب اٹھنے کے انتظار میں ان کی نظروں کی نگرانی کرتا رہا، تھوڑی بے اعتنائی کے بعد توجہ فرمائی گئی تو ہیبت

طاری ہو گئی۔ واقعی غلطی بھی ایسی ہی تھی کہ وہ جس قدر خفا ہوتے کم ہمت، آگے بڑھ کے درخواست پیش کر دی غور سے پڑھتے رہے قلم اٹھایا اور تحریر فرمایا ”دل سے معاف ہے آئندہ خیال رکھا کریں“ پھر درخواست میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمانے لگے — آہ! وہ شفقت آمیز و دردا انگیز لہجہ آج بھی یاد آ جائے تو دل تڑپ اٹھتا ہے — ”میرا مقصد یہ ہے کہ تم لوگ علماء کا اکرام سیکھ لو۔ سلیقہ سیکھ لو۔ یہی تو باتیں سیکھنے کی ہوتی ہیں“ اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

● حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ کا بہت ہی متواضعانہ مزاج تھا، شروع میں وہ ہردوئی کم تشریف لاتے تھے، مگر جب آتے تھے تو ایک عجیب شان عجز و انکساری کے ساتھ آتے تھے، میرے بچپن میں ایک مرتبہ ہردوئی سے قریب کسی جلسہ میں شرکت کے لئے ہردوئی تشریف لائے۔ اس جلسہ میں حضرت کی بھی شرکت تھی، حضرت کے پاس اس زمانے میں ”جیب کار“ تھی اور کبھی کبھی حضرت خود بھی ڈرائیو کر لیا کرتے تھے، جب جانے کے لئے تیاری ہوئی اور جیب میں سب سامان رکھا گیا تو حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ چپ کے سے جیب کے پچھلے حصہ میں بیٹھے ہوئے طلبہ کے ساتھ بیٹھ گئے، جب حضرت باہر آئے تو پوچھا: قاری صاحب آگئے؟ انہوں نے پیچھے سے کہا جی حضرت بیٹھ گیا، حضرت پیچھے آئے اور فرمایا: آپ آگے بیٹھیں گے، وہ فرمانے لگے مجھے یہاں آرام ہے (ان کا مقصد ہمتا کہ حضرت کو زیادہ جگہ رہے اور آرام سے بیٹھیں، حضرت چاہتے تھے کہ وہ ایک عالم و بزرگ ہیں آگے بیٹھیں) حضرت نے فرمایا آرام آگے زیادہ رہے گا، انہوں نے کہا حضرت میں بہت آرام سے بیٹھا ہوا ہوں، حضرت نے ان کے مزاج کے مد نظر ان سے پوچھا آپ بتلائیے کہ آپ خادم ہیں یا مخدوم؟ انہوں نے فرمایا میں خادم ہوں تو فرمایا خادم کو تو کہنا ماننا چاہیے، فرمانے لگے: تھوڑی دیر کے لئے مخدوم ہی سہی! فرمایا مخدوم کو آگے بیٹھنا چاہیے آخر اتر کر سامنے آئے اور اگلی سیٹ پر دونوں بیٹھ گئے۔

● ایک مرتبہ حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ باندوئی تشریف لائے، یاد ہے کہ ہدیہ بھی

ساتھ لائے ایک سبز رنگ کی لنگی اور ایک اخباری کاغذ میں چند دیسی انڈے تھے (حضرت انڈہ ہمیشہ دیسی استعمال فرماتے تھے) دفترِ اہتمام میں ملاقات کے بعد وہ ہدیے پیش کر دئے، میں عموماً وہاں دیسی پنکھا کھینچنے کی خدمت پر موجود رہتا تھا، جو ہدایا آیا کرتے انھیں گھر میں پہنچا دیا کرتا تھا، ان کے جانے کے بعد میں نے یہ چیزیں اٹھانا چاہیں حضرتؒ نے اشارہ سے منع فرما دیا، مجھے خوب یاد ہے کہ جب کام سے فارغ ہوئے تو حضرت خود ان دو چیزوں کو لے کر گھر میں آئے، تہ بند اپنی الماری میں رکھ لی اور انڈے محترمہ امی جان صاحبہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا ”یہ قاری صدیق صاحب کا تحفہ ہے یا آپ کھائیں یا مجھے دیں، تبرک ہے۔“

● حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ہردوئی رحمہ اللہ کے رفقاء درس میں سے تھے، ان کے بارے میں حضرتؒ کو اطلاع ملی کہ وہ کسی سفر کے دوران ہردوئی سے گزر رہے ہیں، حضرت نے اسٹیشن پر ان کی ضیافت کا ارادہ فرمایا، چاء، بسکٹ، پانی وغیرہ کا انتظام کر کے اور فرش فروش ساتھ میں لے کر اسٹیشن پہنچے، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بھی ان دنوں (جودونوں کے استاذ تھے) ہردوئی میں موجود تھے، وہ بھی ساتھ ہوئے، حضرت نے اسٹیشن پر ایک طرف کو فرش بچھا کر دسترخوان سب تیار رکھا تھا، جیسے ہی گاڑی رُکی حضرت نے مولانا یوسف صاحبؒ سے ملاقات کی اور دسترخوان پر لے آئے، ناشتہ کے دوران مولانا یوسف صاحبؒ نے حضرت محی الدینؒ سے کہا کہ ”مولانا! آپ جیسے حضرات کا اس کام میں لگنا باعثِ برکت ہے آپ کچھ وقت ہمارے اس کام کیلئے بھی فارغ کیجئے۔“ حضرت مفتی صاحبؒ فرماتے تھے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ اس کا کوئی جواب مولانا ابراہار الحق صاحب دیں اس سے پہلے مجھے اس کا جواب دیدینا چاہیے، اس لئے میں نے ان سے کہا کہ ”دیکھئے آپ ایک کام کر رہے ہیں یہ ایک کام کر رہے ہیں، وہ بھی ضروری ہے یہ بھی ضروری ہے، اس لئے یہ جماعت میں اس وقت جاسکتے ہیں جب کہ آپ ان کا مدرسہ سنبھالنے کے لئے آجائیں۔“ (مفہوم مسعود والدی)

اس واقعہ میں جہاں حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کا جذبہ دعوتِ قابلِ عبرت ہے کہ

اس مختصر سی ملاقات اور مختصر ناشتے کے وقفے میں بھی اپنی دعوت پیش کرنے سے غفلت نہ کی، وہیں حضرت محی السنۃ کا حلم و تحمل بھی لائق سبق ہے کہ باوجود برجستہ گو اور سرلیج الجواب ہونے کے بھی استاذ محترم کے احترام میں سکوت سے کام لیا، نیز حضرت مفتی صاحبؒ کی شفقت و محبت اور حکمت و مصلحت بھی سیکھنے کی چیز ہے کہ کہیں دو دوستوں کی یہ مخلصانہ دعوت سوال و جواب یا بحث و مباحثہ کی شکار نہ ہو جائے خود ہی مداخلت فرما کر یکسوئی فرمادی، کیونکہ یہی جواب استاذ کے بجائے ساتھی سے ملتا تو پھر اس کا جواب بھی ہو سکتا تھا، دونوں کی فکری ترجیحات کا علاحدہ علاحدہ ہونا استاذ محترم کے سامنے بالکل واضح تھا، مگر اس کے باوجود باہم خلوص و محبت، اکرام و احترام میں کوئی کمی نہ تھی۔

● مہارٹھرا کے ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا سید محمد گورائی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کے خلیفہ تھے، اپنے علاقے میں جہالت اور رسومات کے مٹانے اور حق کا احقاق کرنے کے لئے بے مثال قربانیاں دی تھیں، وہ حضرت حکیم الاسلام کے بعد حضرت ہردوئیؒ سے رجوع ہو گئے تھے، طرفین ایک دوسرے کا بہت ہی احترام اور اکرام کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت کو لکھا کہ ”چالیس سال سے جس مسجد میں درس قرآن دیتا آ رہا ہوں اور جس کے لئے میں نے ابتداء میں لوگوں کے ڈنڈے کھائے سر پھڑوایا، اور اللہ کی توفیق سے حق کا احقاق ہوا، جماعت کا تعارف کرایا اور کام کو جمانے میں بھرپور مدد کی اسی مسجد میں اب جماعت کے ایک نوجوان کہتے ہیں کہ درس قرآن بند کر کے فضائل اعمال پڑھو، میں نے جب ان سے کہا کہ اسی درس قرآن کے ذریعہ گزشتہ چالیس سال میں یہ تبدیلی آئی ہے کہ لوگ اہل حق کو ماننے لگے ہیں، تمہیں پچھلے حالات کا کیا پتہ؟ تو وہ کہتے ہیں کہ آپ نے چالیس سال میں ایک چلہ بھی جماعت میں نہیں لگایا اس لئے آپ کے وہ چالیس سال بھی ضائع ہو گئے، یہ بھی لکھا کہ اس ناقدری اور طرز عمل سے مجھے ذہنی تکلیف ہے۔“

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی یہ تحریر پڑھ کر بہت دکھ ہوا، حضرت نے کچھ دن کے لئے اپنے پاس

بلو الیا، پھر اپنی تحریر کے ساتھ مرکز نظام الدین بھیجا تا کہ وہ حضرت جی کو واقعہ کی پوری تفصیل سنائیں، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے جب یہ ماجرا سنا تو سر پکڑ کے بیٹھ گئے اور بہت افسوس کرتے ہوئے فرمایا ”جو ہمارے علماء کرام اور ان کی خدمات کی قدر نہیں کرتا وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے“..... پھر مہاراشٹر کے ذمہ داروں سے ربط کر کے اس نوجوان کو مولانا سے معافی مانگنے کا پابند کیا۔ جب ساری تفصیل حضرت والا کو پہونچی تو قلب کو اطمینان ہوا۔

جب کبھی حضرت کا پر بھی جانا ہوتا تو گاڑی بھیج کے مولانا کو بلواتے اور اپنے قیام کے دوران انہیں بہت ہی اکرام کے ساتھ رکھتے، ان سے بیان کرواتے، ان کی قدر کرنے کی تاکید فرماتے، تا کہ علاقے کے لوگ محروم نہ ہوں اور کسی وبال میں مبتلا نہ کئے جائیں۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر علماء کی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری ہے، اس کے لئے جرأت و ہمت اور صحیح علم کے علاوہ حکمت و مصلحت کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر ان کا نفع نہیں ہوتا بلکہ الٹا ضرر ہوتا ہے، حضرت کی شخصیت ظاہر اُ بھی بہت وجیہ تھی اور باطنی رعب کا تو کیا کہنا؟ ایسا رعب بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔ حضرت پورے اعتماد، وکمال و لسوزی، اور درِ دُرُوں کے ساتھ منکرات پر نکیر فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے ”نکیر تو ہو مگر تحقیر نہ ہو“..... اور یہ وصف خود آپ کے اندر خوب نمایاں تھا کہ جب بھی نکیر فرماتے تو انداز میں دردِ قلقلق تو ہوتا تھا پر تحقیر تو بہن کبھی نہ ہوتی تھی، اکثر ایسے مواقع پر دل دہلا دینے والے درد کے ساتھ ”کیا حال ہو رہا ہے؟“ فرمایا کرتے تھے۔ اپنوں پر — جن کے بدگمان نہ ہونے بلکہ خوش ہونے اور فخر کرنے کا امکان غالب ہوتا تھا — سختی اور خفگی سے نکیر فرماتے اور فوری اصلاح کرواتے تھے، مگر اجنبی اور نئے لوگوں کو بڑے حکیمانہ انداز میں سمجھاتے تھے۔

● ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ ٹرین سکندر آباد اسٹیشن پہونچے، یہ فجر سے قبل کا وقت تھا، طے پایا کہ اسٹیشن کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کر لی جائے، یہ مسجد بہت بڑی اور نئی تعمیر

شدہ تھی، اس کے خطیب سخت قسم کے مخالف دیوبندیت پیر صاحب، امام اسی مسلک سے وابستہ عالم اور کمیٹی انہی کی متبع اور ہم رنگ تھی، کسی غیر مسلک کے عالم کو بیان کرنیکی اجازت تو کیا ہوتی تبلیغی جماعت کا دخول بھی ممنوع تھا، کسی قسم کے اعلان نہ کئے جانے کی نمایاں تختیاں جگہ جگہ لگی ہوئی تھیں، بہر حال! نماز پڑھ لینے میں تو— و نری الصلوٰۃ خلف کل برو فاجر — کے مطابق ہم اہل دیوبند توسع سے ہی کام لیتے ہیں، اس لئے نماز میں شریک ہو گئے، سامنے قبلہ کی دیوار سے ماربل کا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر بغیر کسی حائل کے قرآن مجید جگہ جگہ رکھے ہوئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اس پر پڑ گئی، وہ قرآن مجید کی تو کیا اس کی نسبت سے کسی اور چیز کی بھی ادنیٰ بے ادبی کو گوارا نہیں کر سکتے تھے، ہم سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا ہوگا؟ اگر حضرت کوالتفات نہ ہو تو ٹھیک، اور اگر ہو جائے تو وہ خاموش نہیں رہیں گے، ادھر مسجد کا ماحول نکیر کا متحمل نہیں، بالخصوص ان لوگوں کو ہمارے اکابر کی نکیر وہ بھی بغیر اجازت تو بہت گراں ہوگی، جس کا ہمیں خوب تجربہ تھا۔ اور اگر خدا نخواستہ کوئی ذمہ دار یا امام صاحب نے کوئی گستاخی کی تو یہ بات ہمارے لئے ناقابل برداشت ہو جائیگی، قصہ مختصر یہ کہ جیسے ہی امام صاحب نے سلام پھیرا حضرت والا اپنی جگہ کھڑے ہو گئے اور صفوں کی جانب رخ کر کے اعلان فرمایا ”دعا کے بعد پانچ منٹ تشریف رکھیں ضروری بات کی طرف توجہ دلائی جائیگی“ جب دعا ہو گئی تو حضرت اٹھے اور امام صاحب کے بازو کھڑے ہو کر مصلیوں سے سوال فرمایا ”مسجد میں مقتدیوں کیلئے صرف ایک ایک جانماز کچھی ہوئی ہے اور امام صاحب کیلئے تین مصلے کچھے ہوئے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ ایسا کیوں؟ سب خاموش رہے، دوبارہ فرمایا: صرف پوچھتا ہوں آپ لوگوں سے! پھر خود ہی فرمایا: امام صاحب کا یہ اکرام اسی لئے کیا گیا نا کہ وہ قرآن مجید کے حافظ اور بہترین قاری ہیں؟ اس پر سب نے اثبات میں جواب دیا، اس کے بعد فرمایا ”اب پوچھتا ہوں کہ جس قرآن کے حافظ ہونے اور عمدہ پڑھنے کی وجہ سے امام صاحب کیلئے تین تین قیمتی مصلے بچھائے گئے ہیں، خود اس قرآن مجید کے رکھنے کے لئے بھی کچھ بچھانا چاہئے یا ویسے ہی فرش پر اور پتھروں پر رکھ دینا چاہئے؟ پھر اس چبوترہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کی کتاب کس طرح بے ادبی سے رکھ دی گئی ہے، جیسے

ہی لوگوں کی نظر پڑی پوری مسجد میں سے لوگ تیزی سے آگے بڑھے اور قرآن مجید کے نسخوں کو رومالوں اور کپڑوں سے جھاڑ کر الماریوں میں رکھنے لگے، اس کے بعد حضرتؒ نے فرمایا ”اس چبوترہ پر محفل کا ایک قیمتی کپڑا بچھا دیا جائے اور اگر مسجد میں گنجائش نہیں تو اس کی قیمت میں ہدیہ کرنا چاہوں گا“..... کسی ذمہ دار نے آگے بڑھ کر کہا: مسجد میں بہت پیسہ ہے مولانا! آج ہی انتظام کر دیں گے، امام صاحب نے جو عمر قاری تھے احترام کے ساتھ مصافحہ کر کے رخصت کر دیا، کسی نے کسی قسم کا اشکال و اعتراض نہ کیا، دراصل اس میں آپ کی وجاہت کے علاوہ اخلاص و حکمت کا بڑا دخل ہے۔

● ایک مرتبہ ایک معروف مارکیٹ کی مسجد میں نماز پڑھی، وہاں کے ذمہ دار لوگ واقف کار بلکہ تعلق رکھنے والے تھے، دالان میں پھٹی ہوئی جانمازیں بچھی ہوئی تھیں اور بہت گندی بھی ہو رہی تھیں، حضرت والا نے معتمد صاحب سے پوچھا کہ یہ تو مارکیٹ کی مسجد ہے سب مصلی تاجر ہیں، جانمازیں خریدنے کی گنجائش نہیں ہے؟ انہوں نے کہا حضرت! جانمازیں تو بہت ہیں، نئی بھی رکھی ہوئی ہیں، فرمایا پھر بچھاتے کیوں نہیں؟ کہنے لگے حضرت! جمعہ کے دن بچھاتے ہیں پھر اٹھا دیتے ہیں، فرمایا یہ عجیب بات ہے، ہفتہ واری مصلیوں کیلئے تو نئی جانمازیں ہوں اور پنجوقتہ مصلیوں کے لئے پھٹی پُرانی؟ بہت سمجھدار ہیں آپ لوگ!۔ بعض لوگوں سے سنا گیا کہ اس پہلو کی طرف کبھی دھیان نہ گیا۔

● پربھنی میں ایک دفعہ معززین شہر اور متولیان مسجد کو جمع کر کے نماز کے بعد ان سے فرمایا مجھے بعض مخبروں نے خبر دی ہے کہ یہاں کی کسی مسجد میں احکام اور سنت کے مطابق اذان نہیں ہوتی۔ آپ لوگوں کو اس کی اطلاع نہیں ہے؟ پھر فرمایا: مخبر بھی بتلا دیتا ہوں کہ کون ہیں! ”لاؤڈ اسپیکر“ صبح سب مسجدوں کی اذانیں مانگ کے ذریعہ قیام گاہ تک سنائی دیں، کسی نے بھی قاعدہ کے مطابق اذان نہیں کہی، موٹی موٹی غلطیاں تجوید کی پائی جاتی ہیں۔ بعض مؤذنوں کے تو الفاظ بھی نہیں سمجھ میں آئے کہ کیا کہتے ہیں۔ بہت افسوس کی بات ہے، اذان شعائر اسلام میں سے ہے، اس کا احترام یہی ہے کہ سیکھ کر دی جائے، سیکھنے کی فکر نہیں،

جس کی جیسے سمجھ میں آیا دینے لگے۔ پھر حاضرین کو فرمایا کہ سب لوگ ابھی مسجد میں اذان و اقامت کی عملی مشق کریں۔ اس طرح حضرت والا بڑی حکمت کے ساتھ اور دلچسپ و قابل قبول عنوان سے منکرات پر نکیر فرماتے تھے۔

حسن انتظام

حسن انتظام بھی حضرتؒ کی خاص شان تھی، حق تعالیٰ نے ان کو حافظہ بھی بڑا قوی عطا فرمایا تھا، کون کب آنے والا ہے، کب جانے والا ہے ذہن میں رہتا تھا، اس کے باوجود دفتر میں بھی ہدایت دی تھی کہ تمام مہمانوں کے آمد و رفت کا چارٹ روز کاروز پیش کر دیں، ہر دوئی اسٹیشن پر آنے جانے والی گاڑیوں اور بسوں کے بارے میں تازہ معلومات رکھتے تھے، کونسی گاڑی بروقت چلتی ہے اور کونسی لیٹ ہو جایا کرتی ہے، ان کے پہونچنے میں کتنا وقت لگتا ہے وغیرہ سب از بر رہتا تھا، ان معلومات کے ذریعہ واردین و صادرین کو سہولت بخش مشورے دیا کرتے تھے، کسی مہمان کیلئے بس میں سیٹ روکنے کے لئے کسی کو بھیجتے تو بس کے رخ کے اعتبار سے اسے تاکید کرتے تھے کہ داہنی جانب کی سیٹ پکڑیں یا بائیں جانب کی تاکہ دھوپ سے حفاظت رہے۔

مدرسہ میں ہر چیز کا نظام بنا ہوا ہوتا تھا، اس میں حسب تجربہ و تجاویز رد و بدل ہوتا رہتا تھا، صفائی کرنے والوں، فرش بچھانے اٹھانے والوں، دفتری کام کرنے والوں، تدریسی خدمات انجام دینے والوں، پکانے والوں حتیٰ کہ گھنٹہ بجانے والوں کا بھی مقررہ و مرتبہ نظام ہوا کرتا تھا۔ حد یہ ہے کہ دوا کے اوقات کا نقشہ بھی دواؤں کے اوپر لگا رہتا تھا۔ مدرسہ میں چھوٹی سے چھوٹی جگہ کو بھی کسی کام کے قابل بنا دیتے تھے۔

سفر میں ہر ضرورت کی چیز ساتھ رکھ کر کرتی تھی، خواہ اس کے لیجانے میں کتنی بھی زحمت کیوں نہ ہو، خود تکلیف اٹھانا گوارا تھا مگر کسی دوسرے کو زحمت دینا قطعاً ناپسند تھا۔ شروع شروع میں سامان سفر میں کپڑوں کا سوٹ کیس، بستر بند، سفری جس میں تمام ضرورت کے برتن حتیٰ کہ چاء دان اور ٹکوزی تک ہوتی تھی، تسلیہ، لوٹا، وضو بنانے کیلئے چوکی، ناشتہ دان، ان

کے علاوہ لکڑی کا ایک تختہ بھی ہوتا تھا جو ریل کی دو سیٹوں کے درمیان خلا پر کر کے تخت بنا لینے کا کام دیتا تھا، اس تختے میں چھوٹی لائن اور بڑی لائن کی بوگیوں کے حساب سے ایڈجسٹمنٹ کی گنجائش بھی ہوتی تھی، جب ٹیپ ریکارڈر ایجاد ہوا تو آپ کے برادرِ نسبتی محترم ڈاکٹر محمود شاہ نے لندن سے آپ کیلئے روانہ کیا تھا، وہ بہت وزن اور صندوق نما ہوتا تھا۔ اس کے اور اس کی ریلوں کے رکھنے کے لئے مستقل اٹیچی ہوا کرتی تھی، جہاں جاتے خود ہی سیٹ کر کے سنا تے تھے پھر خود ہی سلیقے سے اٹیچی میں رکھ دیتے تھے۔ سفر کے آغاز سے قبل اور اختتام پر پھر درمیان میں جہاں جہاں رکتے یا سواری تبدیل ہوتی تو حکم ہوتا تھا کہ پہلے ڈاک گن لی جائے، ریل سے اترتے تو سامان اُتارنے اور گن لینے کی اطلاع سے قبل کسی سے نہ ملتے، اسٹیشن پر نصف گھنٹہ قبل رہنے کیلئے فرماتے، خود کے نکلنے میں تاخیر ہوتی تو رفقاء اور سامان کو پہلے بھیج دیتے تاکہ وہ لوگ لگیج کروا کے تیار رہیں۔

● ایک مرتبہ بمبئی پہونچ کر ریلوے اسٹیشن سے قیام گاہ تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں کچھ احباب نے گاڑی روک کر ملاقات کی، یہ احباب حضرت حکیم الاسلام کو لینے کیلئے اسٹیشن جا رہے تھے۔ جب یہ معلوم ہوا تو حضرت نے پوچھا کہ کار میں کتنے لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ پانچ ہیں، حضرت نے فرمایا: پھر مہمان کہاں بیٹھیں گے؟ کہنے لگے ایڈجسٹ کر لیں گے، یہ سن کر بہت ناراض ہوئے، فرمایا کہ جن لوگوں کو استقبال کی خواہش ہے وہ ان کی اپنی ضرورت ہے اس کے لئے سواری کا خود انتظام کر لیتے یا دوسری سواریوں سے واپسی کا انتظام کر لینا چاہیے، مہمان وہ بھی ایک بڑے عالم کا یہی اکرام ہے؟ ان کے ساتھ ان کے کوئی خادم بھی ہوں گے، سامان سفر ہوگا۔ اس کار میں تو ڈرائیور اور میزبان کا نمائندہ ہو، باقی جگہ مہمان کی مصلحت سے خالی رکھنی چاہیے، اب واپسی میں زائد لوگ دوسری سواری سے جائیں اور قاری صاحب کو آرام سے قیام گاہ پہونچائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ باتیں ہیں جن پر اکثر لوگ دھیان نہیں دیتے۔

● ڈاکٹر احمد ولی اللہ صاحب حیدر آبادی اواخرِ عمر میں حضرت کے مشیرِ صحت رہے،

حضرت علیہ السلام ان کو اپنی صحت کی صورتحال کی وجہ سے ڈھا کہ کے سفر میں ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں جیسے ہی اطلاع ملی وہ فوراً دہلی پہنچ گئے، ویزا کے لئے حضرت نے ان کا پاسپورٹ لیتے ہوئے پوچھا کہ کیا نظام ہے، انہوں نے عرض کیا کہ فلاں تاریخ کو ڈاکٹر کی ایک میٹنگ میں شرکت کرنی تھی لیکن وہ پروگرام میں نے کینسل کر دیا ہے، آپ کی رفاقت مقدم ہے، سن لیا اور چپ ہو گئے۔ پھر اپنے میزبان منتظمین کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے ویزا اور ٹکٹ کا ایسا انتظام فرمایا کہ وہ سفر میں ساتھ بھی رہیں اور اس میٹنگ میں شرکت بھی یقینی ہو جائے۔ ڈھا کہ پہنچ کر جب حضرت نے ان کو سارا نظام سمجھا دیا اور بتلایا کہ چونکہ میں نے اپنی ضرورت سے آپ کو زحمت دی تھی اس لئے آپ کے کسی نظام میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی صورت بنا دی۔ چنانچہ وہ حضرت علیہ السلام کے حسن انتظام کی برکت سے دوران سفر ڈھا کہ سے حیدرآباد آ کر میٹنگ میں شرکت کر کے پھر واپس ہو سکے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اپنے خادموں اور معتقدوں کی اس قدر رعایت، اور ان کی مصلحتوں کا اتنا خیال میں نے اور کہیں نہیں دیکھا تھا۔

● حضرت محی الدین علیہ السلام حیدرآباد تشریف لائے ہوئے تھے، دعوت الحق کی ایک شاخ کے ذمہ داروں نے طلبہ کے تکمیل حفظ کیلئے حضرت سے فرمائش کی، حضرت علیہ السلام نے صبح ۹ بجے کا وقت دیا، ادھر ایک دوسرے مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد کے ذمہ داروں نے بھی اسی دن وقت مانگا تھا، حضرت نے قبول کر کے ان سے فرمایا کہ ۱۱ بجے فلاں مدرسہ میں پہنچئے، وہاں سے چلیں گے۔ دعوت الحق کے مدرسہ والے حضرت کو لینے کیلئے دیر سے آئے، حضرت بروقت تیار ہو کر بیٹھے انتظار فرما رہے تھے، ان لوگوں کے تاخیر سے پہنچنے پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: میں چلتا تو ہوں لیکن دارالعلوم والے اگر وہاں وقت پر پہنچ جائیں تو میں ان سے وعدہ خلافی نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس مدرسہ میں پہنچنے کے بعد ابھی طلبہ کو بٹھایا ہی جا رہا تھا کہ ۱۱ بج گئے، اور دارالعلوم کے احباب بھی بروقت پہنچ گئے، حضرت علیہ السلام نے ان کی گاڑی منگوائی اور دارالعلوم کے لئے نکل گئے، لوگ خوشامد کرتے رہے مگر آپ نے نظام میں

تبدیلی نہ فرمائی۔ دارالعلوم پہونچے، مدرسہ کا معائنہ کیا، کچھ مشورے دئے اور جب اپنے وقت پر واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے چاء پانی کا پیشکش کیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ لوگوں نے اس کیلئے تو نہیں کہا تھا، بس جس کام کے لئے کہا گیا تھا اور وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ وہاں سے بھی بروقت نکل کر قیام گاہ پہونچ گئے۔

یہ ہلکی سی جھلک ان کے حسنِ انتظام کی ہے، مزاجِ مبارک کو سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے، ورنہ سینکڑوں واقعات حسنِ انتظام کے جمع کئے جاسکتے ہیں، اسی حسنِ انتظام کی بدولت وہ نہ دوسروں سے خود تکلیف اٹھاتے تھے نہ اپنے سے کسی کو تکلیف دیتے تھے..... ”نہ بہ اشترب سوارم نہ چواشتر زیر بارم“..... کے مصداق تھے۔

زہد و استغناء

اولیاء اللہ تو کل علی اللہ کی دولت کی وجہ سے غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتے ہیں، حضرت محی السنۃ کی طبیعت میں بھی یہ صفت غایت درجہ موجود تھی۔

● وانمباڑی میں ذمہ دارانِ مدارس کا جوڑ تھا، اس کی سرپرستی کیلئے حضرت کو مدعو کیا گیا تھا، چونکہ اس اجلاس کا قرآن مجید کی تعلیم سے تعلق تھا اس لئے حضرت نے اس میں شرکت کا ارادہ فرمایا، سفر براہِ حیدر آباد ہوا تھا، چونکہ اس علاقہ میں جانا کم ہوا تھا اور لوگ مزاج سے واقف نہ تھے، اس لئے حیدر آباد سے نکلتے وقت حضرت والد محترم سے ایک تحریر کتابت کروا کے لے گئے، جس کا مضمون یہ تھا ”میرا سفر دینی ضرورت کے سلسلہ میں ہوا ہے، ہدایا کے قبول کرنے سے معذور ہوں، ہدیہ کے بجائے ادعیہ کی ضرورت ہے۔“

● ایک مرتبہ حیدر آباد کے ایک نواب صاحب نے بہت قیمتی پن سیٹ تحفہ میں دیا، مگر چونکہ آدابِ ہدیہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کے خلاف طریقے سے پیش کیا تھا اس کی طرف التفات بھی نہیں فرمایا، انہیں آدابِ سیکھنے کی تلقین فرمائی۔

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیرون ملک تشریف لے جاتے وہاں بھی اپنے خدام و متعلقین کو سختی سے پابند فرماتے تھے کہ سفردین کی نسبت سے ہو رہا ہے، کہنے سننے کا نظام تو بنایا جائے مگر دعوتوں

اور بدئے تحائف کا سلسلہ نہ رہے، حد یہ ہے کہ اگر کوئی مدرسہ کیلئے کچھ تعاون کرنا چاہتا تو فرماتے کہ براہ راست بھیج دیں، میری آمد محض دین کی نیت اور اصلاحی مقصد سے ہوئی ہے۔

طلبہ پر شفقت

طلبہ پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے، چھوٹے بچوں پر تو بہت ہی مہربان تھے، ان کا سب کچھ گوارا فرما لیتے تھے، مگر ان پر کسی قسم کی سختی گوارا نہ تھی، اساتذہ و نگران حضرات بھی اس کے پابند تھے کہ طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں، فرماتے تھے کہ طلبہ ہمارا ذریعہ معاش اور ذخیرہ معاد ہیں اس نسبت سے بھی ان کا اکرام بہت ضروری ہے۔ آپ کے زیر انتظام مدارس میں جانے کتنے اساتذہ محض بچوں کی تادیب ضربی کے نتیجے میں معطل کئے گئے۔

● ایک استاذ نے ایک طالب علم کی سخت پٹائی کر دی، حضرت کو علم ہوا، حضرت نے استاذ سے جواب طلب کیا، انہوں نے غلطی اور سزا کی واجبییت کا ذکر کیا، حضرت خفا ہو گئے اور فرمایا ”اگر گڈامیاں (حضرت کے نواسے جو اس وقت پڑھ رہے تھے) یہ غلطی کرتے تو آپ اتنی سزا دیتے؟ تمام طلبہ کو انہی کی طرح سمجھا کرو۔

طلبہ کی عیادت کرنے اور دعائے مسنون پڑھنے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، اساتذہ و منتظمین کو بھی اس عمل مسنون کی ترغیب دیتے تھے۔

● میں جب پڑھتا تھا بیمار ہو گیا، بخار شدید تھا طرح طرح کے خیالات آرہے تھے، فوراً کاغذ قلم لے کے بچپن کی نادانی میں ایک تحریر حضرت کو لکھ دیا کہ ”میں پردیس میں بیمار ہو گیا ہوں، میرا یہاں آپ کے علاوہ اور کون ہے؟ آپ کو دیکھنے کے لئے ترس رہا ہوں“ حضرت والا — اللہ انہیں غریقِ رحمت فرمائے — جواب لکھ کر بھیجا کہ ”مجھے تمہاری بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی، کام سے فارغ ہوتے ہی آؤں گا“ پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لائے، دعا پڑھی، تسلی دی، سر پہ ہاتھ رکھا۔ پھر تو گویا ساری بیماری ہی ختم ہو گئی۔

● ایک دفعہ کمرہ میں تشریف لائے ایک طالب علم نے کہا اَدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ حضرت واپس گئے پھر دروازہ پر زور سے السلام علیکم فرما کر داخل ہوئے، عجیب ادائیں تھیں، بات

میں بات یاد آتی جاتی ہے، ایک چھوٹے سے لڑکے نے دوسرے کی شکایت کرتے ہوئے کہا، حضرت! اس نے مجھے ”سائل“ کہا، اس دوسرے لڑکے نے فوراً کہا: حضرت! میں نے ”سائل“ نہیں ”صالح“ کہا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ارے بھی! یہ تو تمہیں دعا دے رہے ہیں اور تم ناراض ہو رہے ہو، یہ سن کر دونوں بھاگ گئے۔

ایک دفعہ مدرسہ میں تعطیلات ہوئیں اور طلبہ گھر چلے گئے، ہم دور والے تھے مختصر چھٹی میں وہیں رہتے تھے، ایک دن حضرت دفترِ اہتمام کے سامنے چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے ہم چھوٹے چھوٹے طلبہ سب پہنچ گئے اور بے تکلفی سے باتیں شروع کر دیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی انداز سے بات کرتے رہے، ایک طالب علم نے حضرت سے ایک پہیلی بھجوائی، کسی نے کوئی اور پیش کر دی، کسی نے کہا اب آپ پوچھئے، حضرت والا نے فرمایا: بورڈ پر تین مرتبہ ”لڑکے“ لکھو، پھر اس کو مکمل جملہ بناؤ، سب خاموش ہو گئے کہ اس کا جملہ کیسے بنے گا؟ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”لڑکے لڑکے لڑکے“، یعنی پہلا اسم دوسرا فعل بہ معنی لڑائی کر کے اور تیسرا فعل بہ معنی گر گئے۔

پھر فرمایا: تین سوال کا ایک جواب دو، سمسوہ کیوں نہ کھایا؟ لوٹا کیوں نہ لیا؟ جوتا کیوں نہ پہنا؟ تین متضاد سوال تھے، سب چپ ہو گئے فرمایا: ”تلا نہ تھا“ غرض! دیر تک یہ مجلس چلتی رہی کہ ایک باوقار و ذی احتشام اور باقی سب کم سن طالب علم باپ بیٹوں کی طرح بے تکلف وقت گزارتے رہے۔

اسی طرح جو بڑے طالب علم معاشی طور پر خستہ حال ہوتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے حالات کا علم ہوتا تو وقتاً فوقتاً ان کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے، اور بہت مخفی طریقے پر کرتے تھے، اس طرح کتنے ہی طلبہ تھے جن کی ضروریات آپ کے اس مسنون عمل سے پوری ہو جایا کرتی تھیں۔

درسگاہوں کے علاوہ طلبہ کی قیام گاہوں کا بھی معائنہ فرماتے تھے، بالخصوص رات میں ایک آدھ گشت (راؤنڈ) ضرور لگاتے تھے، چھوٹے بچوں کے حلقوں میں گرما میں پٹکھے بند

ہوتے تو کھلواتے، سرما میں کھلے ہوتے تو بند کرواتے، رضائیاں نہیں اور بھی ہوتے تو اڑھواتے تھے، بارہا خدمت گزاری کے زمانے میں ٹارچ لے کر میں خود ساتھ ہوا کرتا تھا۔

● مدرسہ اشرف المدارس میں طلبہ کو ہر سال داخلہ لینا پڑتا تھا، اس کے لئے نئی اور پرانی سب درخواستیں رمضان سے قبل موصول ہو جاتی ہیں، حضرت والا رمضان المبارک میں نائب صاحب وغیرہ سے قدیم طلبہ کی تجدید داخلہ کے سلسلہ میں رائے لیا کرتے تھے، بعض طلبہ سے نگرانوں کی بیزارگی اور خود نائب صاحب کی عاجزی کی وجہ سے ان کے اخراج کا مشورہ دیا جاتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر ان حالات کا علم رہتا تھا، مگر اخراج کے مشورہ کو اکثر مسترد فرمادیتے تھے۔ ایک دفعہ نائب صاحب نے ایک طالب علم کے بارے میں سختی سے کہا کہ حضرت! آپ تو سفروں میں رہتے ہیں، سنبھالنا ہمیں پڑتا ہے، ہم اس کو نہیں سنبھال سکتے۔ حضرت نے سب سن کر فرمایا: اچھا اگر ہر مدرسے والا اس کو اسی طرح نکال دے تو آخر وہ کہاں پڑھے گا؟ یہ کہہ کر پھر منظوری دیدی۔

اس شفقت و رحمت کے باوجود بعض دفعہ اخلاقی یا اجتماعی مصلحت کی خاطر اخراج ناگزیر ہو ہی جاتا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی کرتے تھے مگر اس قدر نصیحت و خیر خواہی کے ساتھ کرتے تھے کہ خود وہ طالب علم پشیمان ہو جاتا، یہاں تک کہ اس فیصلے کو اپنی ”شامتِ اعمال“ سے تعبیر فرماتے تھے، اللہ اکبر! اخراج کا ایک واقعہ اور اس کے لئے لکھا گیا مراسلہ مکمل اس عاجز کے ذہن میں محفوظ ہے۔

● ایک طالب علم حیدر آباد کے بہت ہی شوخ مزاج تھے، روز کچھ نہ کچھ مسئلہ ان کی وجہ سے پیدا ہوتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تربیت کی ہر ممکن کوشش کی، نرمی سے سختی سے، جیسا بن پڑا، مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، نگران حضرات اور نائب ناظم صاحب سب ہی نے ان کو سنبھالنے سے ہاتھ اٹھالئے، تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اخراج کر کے انہیں گھر واپس بھیج دیا، گھر والوں کو جو تحریر روانہ فرمائی وہ اہل مدارس کیلئے بطور خاص قابل غور ہے، ایک ایک لفظ نصیحت و خیر خواہی و ہمدردی میں ڈوبا ہوا ہے، حضرت والا نے اخراج کی اطلاع دیتے ہوئے

۱۔ حضرت بدقسمتی کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایمان والا بدقسمت کیسے کہلایا جاسکتا ہے؟

سرپرست کے نام لکھا:

”آپ کے صاحبزادے یہاں زیر تعلیم تھے، ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ممکنہ کوشش کی گئی مگر میری شامت اعمال سے انہیں یہاں کوئی نفع نہیں ہو رہا ہے، اس لئے مشورہ کے بعد گھر واپس بھیج دینا طے پایا ہے، تجربہ یہ ہے کہ ایک ہسپتال میں علاج نہیں ہو پاتا تو دوسرے ہسپتال منتقل کر کے دیکھا جاتا ہے، دوسری جگہ فائدہ ہو جاتا ہے، اس لئے ان کو کسی اور مدرسہ میں شریک کریں انشاء اللہ نفع ہوگا۔ والسلام“

طلبہ کے لئے کھانے کا معیار حضرت والا کے ہاں بہت عمدہ تھا، روٹی سالن چاء، ہر چیز کے معیار پر نظر رکھتے تھے، پکے ہوئے کھانے کے چکھوانے کا انتظام تھا، مطبخ اور اس میں استعمال کئے جانے والے برتن، اطراف و اکناف، گودام اور اس میں رکھے ہوئے سامان کی صفائی ستھرائی معیاری ہوتی تھی، وقفے وقفے سے گودام پہنچ کر جائزہ لیا کرتے تھے، طلبہ کو سالن کے سلسلہ میں شکایت ہوتی اور آپ اسے معقول سمجھتے تو تلافی کا انتظام کروا دیتے تھے، باورچیوں سے فرما رکھا تھا کہ اگر تمہاری غفلت سے سالن بگڑ گیا اور کھانے قابل نہ رہا تو طلبہ کے لئے تو باہر سے انتظام کر دیا جائے گا مگر نقصان کا ہر جانہ تمہارے ذمے رہے گا۔ ہمارے زمانے میں ایک دفعہ دال میں نمک اتنا زیادہ ہو گیا کہ کھانا مشکل تھا، حضرت کو اطلاع ہوئی آ کر چکھا اور تقسیم رکوا دی، اسی وقت بازار سے دہی منگو کر دیا۔

اندازِ تربیت

حضرت محی السنۃؒ کی خداداد صلاحیتوں میں ایک اہم صلاحیت و صفت مربی ہونے کی تھی، حق تعالیٰ شانہ نے انہیں امت کی تربیت کی زبردست خصوصیت عطا فرمائی تھی، بڑی سے بڑی بات کو سہل انداز میں بیان کرتے، جسی اور ظاہری مثالوں سے بات کو واضح کرنے اور مخاطب کی فہم کی رعایت رکھتے ہوئے بات کرنے کا خاص ملکہ حاصل تھا، اسی وجہ سے اُن سے تعلق رکھنے والوں اور پاس رہنے والوں کی مسلسل تربیت ہوتی رہتی تھی، بعض دفعہ باتوں باتوں میں اہم کوتاہیوں کی طرف متوجہ فرما دیتے تھے، بعض دفعہ بالخصوص نشانہ ہی فرماتے

تھے، کبھی اجتماعاً تو کبھی انفراداً، کبھی علی روؤس الاشہاد تو کبھی خلوت و تنہائی میں، پھر عنوان و تعبیر میں مراتب اور قوت تعلق کی کمی بیشی کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ امراء و اہل دنیا کیلئے علاحدہ انداز، علماء و اہل دین کے لئے الگ طریقے، مانوس و معتقد طبقے کیلئے دیگر اسلوب، نامانوس اور غیر معتقد لوگوں کے واسطے اور نہج اختیار فرماتے تھے، غرض ہر طبقہ فہم کو اس کے حساب سے تنبیہ فرماتے تھے، اس میں بالخصوص علماء کرام کی بڑی رعایت فرماتے تھے، مگر چھوڑتے کسی کو نہیں تھے سب کو ٹوکتے تھے۔

● ایک مرتبہ میں کچھ دن کے لئے حاضر خدمت ہوا، مہمان خانے میں قیام تھا، کچھ اور علماء کرام بھی آگئے تھے، ہمارے کمرے میں ایک دوست تھی تہجد میں اُٹھ کر اپنی اپنی جگہ نماز پڑھ رہے تھے، بقیہ نہیں اُٹھے، حضرتؒ نے اس وقت مہمان خانے کا دورہ فرمایا، دن بھر گزر گیا، عصر بعد کی مجلس میں اعمالِ نافلہ کی ترغیب پر کلام فرمایا، اسی ضمن میں یہ بھی فرمایا کہ کبھی میں گشت لگا کر دیکھتا ہوں تو بعض لوگ تہجد پڑھ رہے ہوتے ہیں، ذکر کر رہے ہوتے ہیں اور بعض لوگ وہیں پڑے سوتے رہتے ہیں، اپنے ہی کچھ ساتھی جب ہمت کر کے اُٹھ رہے ہیں تو انہیں دیکھ کے تو ہمت کر لینی چاہیے، یہ صحیح ہے کہ ضروری نہیں ہے، مگر بڑی فضیلت اور شرف کی بات تو ہے، عادت ڈالنے اور کوشش کرنے سے عادت پڑتی ہے، کوشش کرنی چاہیے، اس توجیہ و ترغیب کا اثر یہ ہوا کہ اگلی صبح کو سبھی کو تہجد کی توفیق مل گئی۔

● ایک مرتبہ حضرت قاری مبین صاحب الہ آبادی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت نے قاری صاحب کو نمازِ عشاء پڑھانے کے لئے فرمایا، نہ حضرت کو ذہن میں رہا کہ وہ مسافر ہیں نہ خود ان کو یاد رہا، نماز پڑھادی۔ سب لوگ مسجد سے نکل گئے، حضرت جب گھر کے قریب پہنچے تو انہی کو خیال ہوا، فوراً طلبہ کو لے کر واپس مسجد آئے اور زور سے اعلان فرمایا کہ ”بھئی نمازِ عشاء دوبارہ پڑھی جائیگی“، سب لوگوں نے صفیں درست کر لیں، حضرت نے فرمایا قاری صاحب مسافر تھے ان کے ذہن میں بات نہیں رہی لیکن یہاں جواتنے سارے علماء حفاظ موجود تھے ان میں کسی کو خیال نہ ہوا؟ ایک صاحب نے کہا: مجھے خیال ہوا تھا مگر میں نے بتایا نہیں!

پوچھا کہ کیوں نہیں بتایا؟ کہنے لگے کوئی نہیں کہہ رہا تھا تو میں نے بھی نہیں کہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ خفا ہوئے کہ تم نے جان بوجھ کر اتنے لوگوں کو زحمت میں ڈالا، اور حکم فرمایا کہ اس غلطی اور کوتاہی کی اصلاح کے لئے نماز کے بعد پچاس رکعت نفل نماز پڑھ کر مجھے اطلاع کرو۔ ظاہر ہے کہ دین کے مسئلے اور شرعی معاملے میں ان کا یہ تساہل و تغافل سخت غلطی تھی، اگرچہ نادانی سے کی تھی مگر اس کی گرفت کر کے ایسی اصلاح فرمائی کہ پھر عمر بھر ایسے مواقع میں یاد رہے۔

● میرے بچپن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے پورے گھر والوں کے ساتھ حیدرآباد شریف لائے ہوئے تھے اور محترم نواب باقر خان صاحب کے بنگلہ میں فرسٹ فلور پر مقیم تھے۔ حسب معمول والدہ محترمہ پکوان کی خدمت کیلئے وہیں مقیم تھیں، اور ہم لوگ بھی والدہ کے ساتھ تھے۔ کھیل میں کوئی بات پیش آئی جس پر میں نے چھوٹی بہن کو ایک چپت رسید کر دی، حضرت ادھر سے گذر رہے تھے دیکھ کر قریب طلب کیا اور میرے کان پکڑ کر فرمایا ”اس کو تم نے چپت کیوں لگائی؟ یہ تو ظلم ہے، ہر بڑا چھوٹے پر ظلم کر رہا ہے، ہر بڑا چھوٹے پر ظلم کر رہا ہے۔“ وہ تو بچپن کی بات ہے، گوشمالی پا کر پھر اپنے کھیل میں لگ گئے مگر واقعہ اور جملہ یاد رہا اور زندگی میں نہ جانے کتنی دفعہ ہر موقعہ آواز مبارک کانوں کے پردہ سے ٹکرائی کہ ہر بڑا چھوٹے پر ظلم کر رہا ہے اور نہ جانے کتنی دفعہ اپنے چھوٹوں پر ظلم سے اس جملے نے مجھے بچالیا، فجزاہ اللہ خیر الجزاء

● ایک مرتبہ رمضان شریف کے اعتکاف میں بہت سے احباب نے میرے ساتھ ہر دوئی سفر کرنے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا، میں نے سب کے ہمراہ عید کے دوسرے ہی روز سفر کا نظام بنالیا۔ کل تیرہ آدمی تھے ہر دوئی شب کے وقت پہونچے، خیال ہوا کہ دیر ہو جائیگی تو گیٹ بند ہو جائے گا، سیدھے مدرسہ پہونچ جائیں، اسٹیشن سے رکشے کر کے سیدھے مدرسہ پہونچ گئے۔ حضرت اندر تھے اطلاع کروادی، معلوم کرایا کہ کھانا کھا چکے ہیں یا نہیں؟ ہم لوگوں نے کہلوایا کہ ابھی نہیں کھایا ہے، اطلاع ملی کہ اتنے آپ لوگ

وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر نمازِ عشاء پڑھ لیں کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ ہمارے نماز پڑھنے تک تازہ کھانا گرم گرم آیا، ہم لوگوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھالیا۔ پھر ایک صاحب آئے اور انہوں نے معلوم کیا کہ سب کے پاس بلائٹ اور تکیہ ہے؟ یہاں انتظام ہے جس کے پاس نہ ہو انتظام کر دیا جائے گا، جن جن کے پاس پورا بستر نہیں تھا انہوں نے نام لکھوا دیا اور تھوڑی دیر میں اس کا بھی انتظام ہو گیا۔ پھر اطلاع آئی کہ سب لوگ مہمان خانہ میں رہیں، حضرت تشریف لائیں گے، اتنے میں حضرت آہی گئے سلام مصافحہ معافقہ سے فراغت کے بعد حضرتؒ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ہم سب اطراف جمع ہو گئے، خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا: آپ لوگ گھر سے سفر میں چلے تھے تو اپنی ضرورت کے سب سامان اور پورا بستر ساتھ کیوں نہ لے لیا تھا؟ یہ کیوں سمجھا گیا کہ وہاں انتظام ہو جائے گا؟ خیر یہاں کچھ انتظام ہے کر بھی دیا جاتا ہے لیکن آپ لوگوں کا فرض کیا تھا؟ یہ عجیب بات ہے کہ آپ خود تو تنہا اپنی ضرورت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور میزبان سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ تمام آدمیوں کا انتظام کر دے گا۔ ایک ایک آدمی ایک ایک بلائٹ اور ایک ایک تکیہ کا بوجھ اٹھا لیتا تو مجھے اتنے بلائٹوں کا اور اتنے تکیوں کا انتظام نہ کرنا پڑتا۔ اور ایک قافلہ آجائے، پھر کچھ لوگ آجائیں آخر کہاں تک ان کے بستر فراہم کئے جاسکتے ہیں؟ آپ خود سوچیں۔ پھر فرمایا کہ میں بے فکری کو بتلا رہا ہوں کہ یہ بات خود کیوں نہ سوچی؟ اسی طرح آپ لوگ اسٹیشن پر اترے تھے رات کا وقت ہو رہا تھا، راستے میں ہوٹلیں کھلی رہتی ہیں، یہ کیوں نہ سوچا کہ چلو ہم کھانا کھا کے چلیں تاکہ رات کے وقت میزبان کو تکلیف نہ ہو۔ یہاں باورچی مدرسہ میں چھٹی رہنے کے باوجود مہمانوں کے لئے مقرر رہے مگر آخر وہ بھی تو بیچارہ انسان ہے، دن بھر کام کیا تھا، تھک کے سو گیا تھا، نیند سے بیدار کر کے کھانا پکوا کے آپ لوگوں کو کھلایا گیا، اس زحمت کے ہونے کو آپ لوگوں نے خود سے کیوں نہ سوچا؟ اسی غفلت کی طرف توجہ دلا رہا ہوں۔ پھر فرمایا: میرے والد صاحب مجھے نصیحت کرتے تھے کہ بیٹا! کہیں بھی حب و کسی دوسرے کا بوجھ نہ بنو، سفر میں اپنی ضرورت کی ہر چیز لے لو، کچھ چنے بھی ساتھ رکھ لو موقع محل کا

خیال رکھو، کسی پر اپنا بوجھ نہ ڈالو، ضرورت کے وقت چنے کھا کے پانی پی لیا کرو، مگر دوسروں کو بے موقع زحمت میں نہ ڈالو۔ الحمد للہ میں ان باتوں کا ہمیشہ خیال رکھتا ہوں۔

اس واقعہ میں غور کرنے والوں کے لئے کئی سبق ہیں، ذرا ان کی شفقت تو دیکھئے پہلے کچھ نہ کہا، کھانا بھی کھلایا، بستر بھی دلوا یا، زحمت کر کے خود تشریف لائے اور بڑی محبت سے دیر تک سمجھاتے اور نصیحت فرماتے رہے، واقعی ہکذا شفقت الانبیاء والمرسلین

● ایک مرتبہ حیدر آباد تشریف لائے مدرسہ فیض العلوم کے مہمان خانہ میں قیام بھتا، خطوط اور درخواستوں کی یکسوئی فرما رہے تھے۔ راقم الحروف اور ایک رفیق سفر افریقی طالب علم بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے ایک درخواست کا جواب لکھ کر سادے لفافے میں رکھ کر ان طالب علم کو دیا کہ دفتر میں دے دو۔ وہ بیچارے سمجھ نہیں پائے، مدرسہ کے سامنے سڑک پر نصب پوسٹ آفس کے لیٹر بکس میں ڈال دیا اور آ کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت نے ان کی طرف دیکھا تو پوچھا: دے آئے؟ کہنے لگے ڈال دیا پھر پوچھا کیا کہا؟ کہا: ڈال دیا۔ کہاں ڈال دیا؟ لیٹر بکس میں ڈال دیا! اس پر حضرت خفا ہو گئے اور فرمایا: اللہ کے بندے تمہیں کچھ عقل ہے، وہ سادہ لفافہ تھا، اس پر اسٹامپ بھی نہیں لگے تھے، دفتر میں دینے کو کہا تو پوسٹ باکس میں ڈال دیا، عجیب نامعقول آدمی ہو! اب کیا کیا جائے وہ کسی کا نجی مسئلہ یا مدرسہ سے متعلق بات تھی، اب پتہ نہیں ڈاکیہ نکال کر لے بھی گیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا: حضرت! کشادگی کا وقت دیکھ کر اس وقت وہاں موجود رہ کر ڈاکیہ سے حاصل کر لیں گے۔ فرمایا: یہ ٹھیک ہے۔ اس کا انتظام ہو گیا، بات ختم ہو گئی، اس باز پرس سے اس طالب علم پر اپنی ناسمجھی اور حضرت کی ناراضگی کا اس قدر خوف اور غم طاری ہوا کہ زار و قطار رونے لگے، بے چارے کی ہچکیاں بندھ گئیں، اتنے میں پھر حضرت نے جو نظر اٹھائی اور انہیں دیکھا تو خود حضرت کا دل بیٹھ گیا، آنکھیں نم ہو گئیں، اور قلم رکھ کر دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں پونچھتے ہوئے فرمایا۔ تنبیہ و تربیت کے لئے ڈانٹتا ہوں، میں ناراض تھوڑا ہی ہوتا ہوں، چاہتا ہوں کہ تم لوگ بڑوں کے پاس رہنا اور خدمت کرنا سیکھ لو میرا کیا ہے؟ اگر تم کل کو مولانا علی میاں کے

پاس یا قاری طیب صاحبؒ کے پاس جاؤ گے ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملے گا تو ایسی حرکتوں سے کہیں انہیں تکلیف نہ ہو، اچھی خدمت کر سکو، دعائیں لے سکو، اسلئے کہتا ہوں۔
اس واقعے میں ایک تو حضرتؒ کی شفقت و محبت قابلِ عبرت ہے دوسرے یہ تو اضع اور بچہ دانی کہ بجائے اپنی خدمت میں سلیقے کی بات کرنے کے دوسرے علماء و اکابر وہ بھی معاصر کا نام لے کر ان کی خدمت و راحت رسانی کا سلیقہ کرنے کی بات فرمائی۔

● ایک مرتبہ ہر دوئی سے الہ آباد کا سفر تھا، سفر میں راتم بھی ساتھ تھا، گھر سے نکل کر ہر دوئی اسٹیشن پر پہونچے تو بجلی غائب تھی، حضرت نے پوچھا: تمہارے پاس ٹارچ ہے؟ عرض کیا گیا نہیں ہے، فرمایا: کیوں نہیں ہے؟ سفر میں ضرورت کی چیزیں کیوں نہیں رکھتے، اب تم لوگ دوسری بوگی میں چڑھو گے میں دوسری میں رہوں گا (کیونکہ ایک ہی ٹکٹ مل سکا تھا وہ بھی اے سی میں، اور ہم لوگوں کو عام بوگی میں سفر کرنا تھا) اگر اگلے اسٹیشن پر بھی بجلی نہ ہوگی تو میری بوگی کیسے تلاش کرو گے اور کیسے پہونچ پائو گے؟ خود تم لوگوں کو کوئی ضرورت پیش آئیگی تو کیا کرو گے؟..... عجیب عقلمند لوگ ہیں، اتنی موٹی موٹی باتیں بھی نہیں سیکھتے، اس کے بعد پوچھا کہ لوٹا ساتھ میں ہے؟..... ہم لوگوں نے لایا ہوا سامان مہمان خانے میں چھوڑ دیا تھا اور ہلکا سا بیگ ساتھ میں لے لیا تھا، عرض کیا گیا: لوٹا بھی نہیں ہے۔ اب تو اور بھی زیادہ خفا ہوئے۔ ایک شخص کو اسٹیشن سے قریب رہنے والے معتقد کے گھر بھیج کے ایک لوٹا مستعار منگو کر ہمیں دیا اور فرمایا واپسی پر یاد سے انہیں لوٹا دینا۔ پھر گاڑی آنے تک اس سلسلہ کی نصیحتیں اور تجربات بیان فرماتے رہے۔

ان امور کا دھیان رکھنا اور اس کی تربیت کرتے رہنا حضرتؒ کی خصوصیت تھی، سینکڑوں باتیں تہذیب و ادب کی اسی طرح چلتے پھرتے سیکھنے کو ملتی تھیں۔

● ایک دفعہ کانپور سے کچھ علماء ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے، ان میں اکشر نوجوان تھے، حضرتؒ نے انہیں ظہرانے پر گھر ہی میں مدعو فرمایا، دالان میں دسترخوان لگا تھا، انہی دنوں حضرتؒ کے حجرہ شریفہ میں ایرکولر لگا تھا، ایک صاحب نے ایک سے زائد

مرتبہ اس کی طرف پلٹ کر دیکھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے محسوس کیا کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر انہیں کہیں نقصان نہ ہو، کھانے سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے ابتدائی دور کے مجاہدات و ابتلاءات سنانے شروع کئے، اور عجیب و غریب حالات سنائے، مجھے بھی بڑا تعجب ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت و اصلاح کی راہ میں ایسی ایسی تکلیفیں اٹھائی ہیں؟ یعنی ہم جیسے تو تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، کافی دیر تک سناتے رہے اس کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کے حوالے سے فرمایا کہ.....

”جو لوگ اپنے بڑوں کا آخری زمانہ دیکھتے ہیں اور اس کی نقل کرنے لگتے

ہیں وہ تباہ ہو جاتے ہیں اور جوان کے ابتدائی دور کے حالات کو دیکھتے اور ان سے سبق سیکھتے ہیں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔“

میں نے محسوس کیا کہ ان مہمانوں کو جو عقیدت و محبت سے حاضر ہوئے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسباب راحت اور وسعت آسائش سے کوئی بدگمانی پھر اس بدگمانی کی وجہ سے ضرر و حافی نہ ہو جائے بہت ہی صبر و ضبط اور احتیاط و حکمت کے ساتھ تنبیہ فرمائی جا رہی ہے، ظاہر ہے کہ یہ حکمت و دوراندیشی حکیم و دانایں کا کام ہو سکتا ہے۔

● آخر میں حضرت والا نے اپنی ابتدائی تدریس کے زمانے کا ایک واقعہ بڑے درد میں ڈوب کر سنایا، فرمایا کہ جب مجھے حضرت حکیم الامت مجدد الملت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جامع العلوم کانپور میں تدریس کیلئے ہدایت دی گئی تو میں بسر و چشم قبول کر لیا، اور تیار ہو کر پہلے تھانہ بھون پہنچا، حضرت والا سے ملاقات کر کے عرض کیا کہ حسب الحکم کانپور حبار ہا ہوں یہاں آپ کی دعا اور نصیحت لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں، حضرت والا نے فرمایا: احضار کے ساتھ پڑھاؤ، مدرسے والے اگر وظیفے کے بارے میں پوچھیں تو خود سے کچھ فرمائش نہ کرنا اور نہ کبھی اضافہ کی درخواست کرنا، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ ”دو ہاتھوں سے بٹورنا چاہو تو نہ بٹور سکو گے“، اس آخری جملے کو کہتے ہوئے خوب یاد ہے کہ حضرت کی آواز گلوگیر اور آنکھیں اشکبار ہو گئی تھیں، اسی کیفیت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے فرمایا آج، حضرت والا کی بشارت — آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ — کس طرح پوری ہو گئی۔

● حضرتؒ نے کسی ضرورت سے پانی دم کر کے رکھا تھا، مجھے پانی پلانے کا حکم ہوا تو پیالے کا پانی پھینک کر اسی میں پانی پلایا، جب آپ نے وہ پڑا ہوا پانی لینا چاہا تو نہیں بھتا، معلوم کیا کہ یہاں پانی رکھا ہوا تھا کیا کیا؟ میں نے کہانی میں بہا دیا، فرمایا انا للہ عظیمہ آدمی! پوچھا کیوں نہیں؟ یہاں کان پکڑ کے کھڑے رہو، اور چند منٹ کے بعد بڑی محبت سے فرمایا ”پوچھنا چاہیے تھا کہ کیا یہ پانی پھینک دوں؟ میں نے قرآن کریم پڑھ کر دم کر کے رکھا تھا، اسے تم نے نالی میں بہا دیا، پوچھتے تو ایسی غلطی نہ ہوتی، آئندہ دھیان رکھو“۔ یہ غایت شفقت ہی کی تو بات ہے ورنہ آج ماں باپ بھی اس قدر صبر کے ساتھ تربیت نہیں کرتے۔

● گرما میں فجر بعد طلبہ باہر چبوترہ پر تلاوت کرتے تھے، کبھی نگراں نہیں ہوتے تو حضرت والا خود اپنے معمولات پورے کرتے ہوئے دفتر اہتمام کی چلمنوں کے پیچھے سے نگرانی کرتے رہتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ طلبہ آپس میں لڑنے لگے، حضرتؒ نے دیکھ لیا، وہاں سے چھڑی اٹھا کر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کون لڑ رہا تھا؟ لڑنے والوں نے اپنے کو ظاہر نہیں کیا، اڑوس پڑوس نے بھی نہیں بتلایا، حضرتؒ دیکھ کر ہی آئے تھے، لڑنے والوں کو کھڑا کیا تب انہوں نے قبول کر لیا، حضرت نے ان کے دونوں جانب والے ایک ایک اور سامنے کے چاروں کو بھی کھڑا کر کے پوچھا کہ تم لوگوں نے انہیں لڑتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں دیکھا تھا؟ سب نے کہا کہ دیکھا تھا، فرمایا پھر پوچھنے پر بتلایا کیوں نہیں؟ اس کے بعد فرمایا: لڑنے والوں کو بھی سزا ملے گی اور کتمانِ شہادت کرنے والوں کو بھی سزا ملے گی، چنانچہ آٹھوں کو ایک ایک چھڑی سزا ملی، سامنے والے چاروں میں، میں بھی تھا، جب میرا نمبر آیا تو حضرتؒ نے ایک چھڑی لگانے کے بعد ایک اور چھڑی لگائی اور فرمایا یہ اس لئے کہ تم اندر (گھر میں) رہتے ہو، اس کے بعد ایک اور چھڑی لگائی اور فرمایا یہ اس لئے کہ تمہارے والد ہمارے خاص آدمی ہیں، خوب یاد ہے کہ ان چھڑیوں کی ضرب میں تو کوئی شدت نہ تھی البتہ یہ نصیحتیں اور ناز و انداز بڑے لذیذ تھے جن کا ہم لوگ حضرتؒ کے جانے کے بعد خوب مزہ لیتے رہے۔ اور مجھے تو نزدیکانِ رامیش بود حیرانی کا مطلب اس دن سمجھ میں آیا کہ

مقریین کے مرتبے ہی بڑے نہیں ہوتے ذمہ داریوں کی نزاکت اور قرب کے تقاضے بھی بہت ہوتے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

● ایک دفعہ ہم چند خدام مل کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے پر بھنی پہونچے، پر بھنی میں حضرت کے ایک مجاز میزبان تھے، قیام ایک ڈاکٹر کے پاس تھا، ہمارے آنے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے، قیام و طعام کے بارے میں پوچھا تو ہم لوگوں نے کہہ دیا کہ اس کا انتظام ہم لوگ خود کر لیں گے، بس خدمت میں حاضری کی اجازت چاہیے، مسرور ہوئے اجازت دیدی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگوں کو حجرہ میں طلب کر کے اہتمام سے تاکید کی کہ اگر ہمارے میزبان تم لوگوں کو کھانے کے لئے کہیں تو کہہ دینا کہ ہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہیں ان کی اجازت کے بغیر نہیں کھائیں گے، ہم نے کہا، بہتر ہے اسی طرح کہیں گے، جب اٹھنے لگے تو روک کر پوچھا: دیکھو اگر وہ کہیں کہ میں نے پوچھ لیا ہے تو کیا کہو گے؟ ہم نے کہا ہم یہی جواب دیں گے کہ آپ نے پوچھ لیا ہوگا مگر ہم نے نہیں پوچھا ہے، ہم بھی پوچھ کے قبول کریں گے، بہت خوش ہو کر کہنے لگے ہاں! یہی صحیح طریقہ ہے۔ پھر عملاً یہی سب کچھ ہوا۔

● مجھ سے ایک مصلیٰ نے اپنی بچی کا نکاح پڑھانے کے لئے کہا، مجھے علم تھا کہ اس میں سب منکرات ہوں گے، اس لئے میں نے معذرت کر دی، انہوں نے کہا کہ مولانا! یہ دین کی دعوت کا بہت اچھا موقعہ ہوتا ہے، مسجد میں آپ کی بات عمل کرنے والے ہی سنتے ہیں، شادی خانے میں جو طبقہ ہوتا ہے اس کو زیادہ ضرورت ہے کہ رسوم و رواج کی برائی سے آگاہ کیا جائے۔ میں مائیک کا انتظام کروں گا خود موجود رہوں گا، آپ بیان کریں، بیان کے بعد نکاح ہوگا۔ ان صاحب نے کچھ اس طرح وضاحت کی تھی کہ خود مجھے بھی خیال ہونے لگا کہ بات تو صحیح ہے کہ اس طرح اس طبقے کو بات پہونچے گی جو علماء تک پہونچ کے سنتا نہیں ہے، مگر میں نے ان کی تجویز اور اپنا تاثر دونوں باتیں لکھ کر حضرت والا کو بھیج دیا، اور راہنمائی طلب کی۔ حضرت والا نے عجیب جواب تحریر فرمایا جو ان کے ذہن رسا ہی میں آسکتا تھا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ان کا خیال اور تمہارا تاثر دونوں صحیح نہیں ہیں، اس میں کئی نقصان ہیں اس لئے کہ اس

تقریب میں تمہاری شرکت کا علم تو سب کو ہوگا، مگر نکیر کا علم صرف بعض کو ہوگا پھر جن لوگوں کو نکیر کا علم نہ ہو سکا صرف شرکت کا علم ہو واوہ اگر حاسد و معاند ہوں گے تو بدنام کریں گے اور اگر مخلص و معتقد ہوں گے تو اتباع کریں گے، یعنی تمہارے عمل کو نظیر بنا کر منکرات میں شرکت کیا کریں گے، اس لئے مقتدی کے لئے احتیاط ہی ضروری ہے۔

اس جواب کو پڑھتے ہی سارا غبار اڑ گیا اور راستہ صاف نظر آنے لگا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ

احسن الجزاء

● ٹمل ناڈو کے ایک شہر میں مدارس کے سلسلہ میں تربیتی پروگرام چل رہا تھا، اس کی حضرت والا سرپرستی فرما رہے تھے، اختتامی نشست میں حضرت کا بھی خطاب طے ہوتا، صدارت علاقے کے ایک عالم صاحب کی تھی، حضرتؒ کو ان کے بارے میں کسی طرح اطلاع ملی کہ ان کی داڑھی سنت کے مطابق نہیں ہے، حضرت نے کسی معتمد ذریعے سے تحقیق کر لی تو مزید تاکید ہوئی، حضرت والا نے اپنے میزبان اور داعی کو تنہائی میں طلب کر کے سب سے پہلے تو ان کے سامنے ٹکٹ کی رقم رکھ دی، اور فرمایا میرا معمول یہ ہے کہ اپنا سفر خرچ ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں، اگر خلاف اصول صورت حال پیش آئے اور نظام میں شریک نہ ہو سکا تو داعی کا خرچ اس کو واپس کر کے اپنے خرچ سے واپس ہو جاتا ہوں۔ اس وقت یہی صورت حال سامنے ہے جن صاحب کو صدارت کیلئے بلایا گیا ہے اگر یہاں کی مصالح کا تقاضہ ہے تو مجھے اعتراض نہیں لیکن میں علانیہ خلاف سنت کام کرنے والے کی صدارت میں جلسہ میں شرکت سے معذور ہوں، انہوں نے غالباً توجیہ کی کہ ان کی داڑھی بڑھتی نہیں ہے، حضرت نے فرمایا وہ ایک سطر اپنے قلم سے لکھ کر دیدیں کہ ایسی ہی بات ہے تو میرے پاس ثبوت رہے گا، اور میں وثوق کے ساتھ اس کی وضاحت کر کے لوگوں کی غلط فہمی دور کر دوں گا، خیر یہ دوسری صورت ان لوگوں کے لئے مشکل تھی، انہوں نے یہ طے کر لیا کہ ان کی صدارت و شرکت کوئی ضروری نہیں لیکن حضرت والا کا بیان ضرور ہوگا۔

ایسے مواقع پر حضرت صاحب معاملہ کی آبرو کی بڑی حفاظت فرماتے تھے اور اپنی

طرف سے کوئی حکم یا قطعی بات ہرگز نہیں فرماتے بس خود کو مشتبہ مقام سے بچائے رکھنے کی تدبیر کر لیا کرتے تھے، مگر بعض دفعہ نادان معتقدین ایسی باتوں کا کچھ اس طرح معمہ بنا دیتے ہیں کہ فتنے کا سبب ہو جاتا ہے، اس واقعے کی بھی ایسی تشہیر کی گئی کہ ان صاحب نے اسے عزت کا مسئلہ بنایا اور پھر وہ سب کچھ ہوا جو ناگفتہ بہ ہے۔

● ایک خط میں احقر نے لکھا کہ حضرت والا کی خرابی صحت کی اطلاع سے تشویش ہے حضرت نے لفظ خرابی کو نشان زد کر کے لکھا ”یہ لفظ قابل ترک ہے ناسازی کہنا چاہیے“ کسی دوسرے موقع پر زبانی فرمایا: صحت کی ناسازی منجانب اللہ ہوتی ہے اس کیلئے ”خراب“ کا لفظ سوء ادب ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر بد قسمتی کا لفظ استعمال کیا گیا تو فرمایا تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی طرف بد اور بُرے کی نسبت مناسب نہیں ہے، بد قسمتی کے بجائے یوں کہاں جائے کہ شامت اعمال سے ایسا ہوا۔ اسی طرح اپنے اساتذہ کے تعارف میں، میں نے لکھا کہ ماشاء اللہ اچھی صلاحیت کے مالک ہیں، لفظ مالک کو نشان زد کر کے لکھا ”تعجب ہے مخلوق کے لئے تم نے اس لفظ کا استعمال کیا حامل یا کوئی اور متبادل لفظ لکھنا چاہیے تھا۔“

● ایک مدرسہ کے ذمہ دار جو صاحب علم و عمل اور صالح و معتمد علیہ تھے، انہوں نے خود مجھ سے بتلایا کہ ایک آدھ مرتبہ ضرورت پر میں نے مدرسہ کی رقم بطور قرض لے کر استعمال کر لی تھی، حضرت کو جانے کس طرح اس سلسلہ میں شبہ ہوا، سفر کے دوران تحقیق کرنی چاہی، مصروفیات اور لوگوں کے ہر وقت لگے رہنے کی وجہ سے خلوت کا موقع نہ ہوا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آگے کے سفر میں ایک مرحلہ تک کے لئے میرے لئے بھی ہوائی جہاز کا ٹکٹ بنوایا، مجھے وجہ کچھ سمجھ میں نہ آئی، راستہ میں بڑی شفقت اور اپنائیت سے معلوم کیا کہ مدرسہ کی رقم کبھی ذاتی صرف میں بھی لے آتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ضرورت پر بطور قرض لے کر پھر واپس رکھ دیتا ہوں، فرمایا کہ بھئی! یہ رقم تو آپ کے پاس امانت ہے، امانت میں بغیر اجازت تصرف نہیں کرنا چاہئے، ایسے مواقع پر اجازت لے کر قرض حاصل کرنا چاہیے، پھر غالباً جو قرض باقی رہ گیا تھا اپنے پاس سے ادا کر کے ہدایت دی کہ آئندہ خیال رکھا جائے۔

صاحب واقعہ نے آبدیدہ ہو کر مجھ سے فرمایا اہل اللہ ہمیشہ ہی شفیق مزاج ہوتے ہیں لیکن آخری عمر میں ان کے مزاجوں پر شفقت علی الخلق کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

● مولانا..... ہر دوئی آئے، آتے ہی رہتے تھے، بڑے پائے کے عامل تھے، اس وقت نوجوان تھے، وہ حضرت سے اور حضرتؒ سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کے آتے ہی میسیوں مریض بھی آ جاتے تھے، ان کے علاج سے شفا یاب بھی ہوتے تھے۔ انہیں شکار کا بہت شوق تھا، ان کے ایک شکاری دوست ہر دوئی میں بھی تھے، جب مولانا یہاں آتے وہ بھی پہنچ جاتے اور اپنی جیب میں مولانا کو شکار کے لئے لیجاتے تھے، اس دن بھی لے گئے، جاتے وقت حضرتؒ کو دوپہر تک آنے کی اطلاع دی مگر ظہر کے بعد آئے اور دوست کے ہاں کھانا کھا کر آئے، حضرت نے ان کو کئی دفعہ پوچھا کیوں کہ کھانا ساتھ کھانا چاہتے تھے، ظہر بعد جب نظر پڑی تو گرفت کی، انہوں نے کہا کہ کھانا کھانے میں تاخیر ہو گئی، یہ سن کر اور خفا ہوئے فرمانے لگے ”آپ ان کے مہمان تھے یا میرے؟ میں آپ کے انتظار میں اب تک کھانا نہیں کھایا اور آپ دوست کے ہاں کھا کر آرہے ہیں۔ عجیب آدمی ہوا تھی موٹی بات بھی نہیں معلوم یہ تو تہذیب و ادب کے خلاف ہے،“ انہوں نے معذرت کی، معاف فرما دیا۔

● منشی..... صاحب حضرتؒ کے خلیفہ تھے اور پُرانے تعلق والوں میں سے تھے، کہتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں ساتھ تھا، اپنی نادانی سے کوئی نہ کوئی غلطی کر بیٹھتا اور پکڑا جاتا، ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ناشتہ دان کے ڈبے اوپر کی سیٹ پر کھلے رکھے ہیں، میں نے اٹھا کر انھیں بند کر کے اسٹینڈ میں لگایا، حضرت کی نظر پڑی تو دریافت کیا کہ ناشتہ دان کس نے بند کیا؟ میں نے بتلایا کہ میں نے بند کیا ہے، پوچھا: کس سے پوچھ کے بند کیا؟ عرض کیا کہ کھلے نظر آئے تو گرد اڑ رہی تھی اسلئے بند کر دیا، فرمایا آپ کو کس نے منتظم بنایا تھا؟ میں نے تو قصداً کھلا رکھوایا تھا کہ بند رہنے سے ناشتہ خراب نہ ہو جائے، پوچھنا چاہیے ہوتا خود رائی کیوں کی؟ یہ عام بیماری ہے، جاؤ وضو بنا کے دس رکعت نفل نماز پڑھو۔ اسی سفر میں کسی وقت

کھانا کھا رہے تھے جبکہ بنانے کے لئے حضرت نے فرمایا کوئی ہماری چوکی پر بیٹھ جائے، (حضرت علیہ السلام کی چوکی پر چھوٹا سا گدا سفید غلاف کے ساتھ ہوا کرتا تھا) منشی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اس پر چڑھ کے اکڑوں بیٹھ گیا، حضرت کی نظر پڑی برہم ہوئے اور فرمایا اتنی تمیز نہیں کہ سفید غلاف ہے پیر کے دھبے لگ جائیں گے؟ اور واقعی پیر کے بھدے نشان گدی پر لگ بھی گئے تھے۔ پھر فرمایا کھانے کے بعد دس رکعت نفل بہ نیت اصلاح پڑھو، منشی جی بڑے مزے لے کر فرمایا کرتے تھے کہ سفر تمام نفلیں پڑھوائی جاتی رہیں اصلاح ہوتی رہی۔ اصل میں بات یہ ہے کہ محض ٹوکتے رہنے سے ہر کسی کو نفع نہیں ہوتا بعض طبیعتیں حساس ہوتی ہیں وہ ایک ہی دفعہ کی ٹوک زندگی بھر یاد رکھتے ہیں اور بعض طبیعتیں غافل ہوتی ہیں انہیں ٹوکنے کے ساتھ ساتھ کچھ تعزیر کی بھی ضرورت ہوتی ہے تبھی یاد رہتا ہے، اس کے بغیر یاد نہیں رہتا۔

● ایک دفعہ حضرت حیدر آباد پہونچے، کافی تھکے ہارے تھے، فلائٹ بھی لیٹ پہونچی تھی، کافی لوگ ملاقات کے لئے منتظر تھے، حضرت کو مغرب کی نماز بھی پڑھنی تھی، حضرت سیدھے مسجد پہونچے نماز ادا کی، اس کے بعد حاضرین سے دریافت فرمایا: آپ لوگ اتنی دیر سے یہاں انتظار کر رہے ہیں، پہونچنے میں تاخیر ہو رہی تھی تو کسی ایک نے جا کر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر خیر و عافیت کی دعا کی؟ بس جمع ہیں انتظار کر رہے ہیں، آپس میں باتیں کرتے ہوئے وقت نکال رہے ہیں، ملنے کا شوق ہے مصافحہ کر نیکی فکر ہے، کسی ایک کو یہ ہمدردی نہیں کہ بیٹھ کے دعا کرتے، یہ بھی اچھی محبت ہوئی کہ بس اپنی خواہش پوری کرنی ہے!

پھر وہاں سے مدرسہ فیض العلوم پہونچے، یہاں ایک بھیڑ ملنے کیلئے گاڑی پر ٹوٹ پڑی، حضرت صاحب مدظلہ (حضرت کے جلیل القدر خلیفہ) جو دو ایک دن پہلے پہونچ گئے تھے وہ بھی موجود تھے، حضرت نے گاڑی سے اترنے سے قبل ہی اعلان فرمایا کہ تکان بہت ہے ملاقات فجر کے بعد ہوگی، سب لوگ منتشر ہو گئے، حضرت ملنے کیلئے آگے بڑھے تو فرمایا ”ابھی اعلان ہوا ہے کہ صبح ملاقات ہوگی تو آپ نے اپنے کو مستثنیٰ کیوں سمجھ لیا؟“

پھر اُن پر بھی خفا ہوئے کہ ”محبت اور تعلق کی باتیں تو کرتے ہیں مگر آپ سے اتنا نہیں ہوا کہ اس مجمع کو بتاتے سفر سے آرہے ہیں، لمبا سفر ہے، نہ معلوم صحت کیسی ہے؟ آپ لوگ اس وقت ملاقات کی زحمت نہ دیں، آپ اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے؟“

پھر حضرت کمرہ میں تنہا جا کر لیٹ گئے، میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا اور کھانے کیلئے دریافت کیا کہ دسترخوان لگا دیا جائے؟ فرمایا ٹھیک ہے مگر صرف میرے اکیلے کیلئے آئے گا، باقی مہمانوں کو وہیں گھر پر کھلا دو، حضرت نے کھانا تناول کر کے اور نماز وغیرہ سے فارغ ہو کے آرام فرمایا، میں نے بقیہ حضرات کیلئے دسترخوان لگایا، اور بتایا کہ حضرت کی ہدایت ایسی ہی تھی، اس موقع پر حضرت نے صوفی عبدالصمد صاحبؒ سے دریافت کیا کہ آپ کے حضرت (حضرت تھانویؒ) کا جلال بھی ایسا ہی تھا؟ صوفی صاحب نے فرمایا: آپ ان کی پکڑ دھکڑ دیکھ لیتے تو اس کو کچھ نہ سمجھتے۔

● ایک دفع صبح کی نماز کے بعد مہمان خانے کے ایک کمرہ میں مجلس چل رہی تھی، حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ اور اکابر موجود تھے، باہر کافی روشنی ہو گئی تو ایک صاحب نے اٹھ کر بتی بجھا دی، کمرہ میں اندھیرا ہو گیا، حضرتؒ نے ان سے دریافت کیا، آپ سے کس نے کہا تھا بتی بجھانے کیلئے؟ انہوں نے جواب دیا سورج تیز ہو گیا بلا وجہ جل رہی تھی، حضرت نے فرمایا: جب بڑے موجود تھے تو ان کو توجہ دلانی اور اجازت لینا چاہیے تھی، ہم کو بھی تو معلوم ہے دن ہو رہا ہے، ہو سکتا ہے کسی مصلحت اور ضرورت سے جلانی جا رہی ہو، جاؤ اس خود رانی پر دس رکعت نفل پڑھ کے مجھے اطلاع کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ ان امور پر تو خود حضرت والاؒ بہت نظر رکھتے تھے مگر اس وقت حجرہ تنگ ہونے کی وجہ سے دن ہونے کے باوجود بتی جلنے کی ضرورت تھی، چنانچہ پھر جلانی پڑی۔

● ایک صاحب ہمارے ساتھ ملاقات کے لئے ہر دوئی گئے تھے، جب حضرت مسجد سے نکلے تو ہیل چیر لائی گئی، ان صاحب نے آگے بڑھ کر اس کا ”فٹ ریٹ“ بجھا دیا، حضرت نے رُک کر فوراً پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگے، سہولت کیلئے، فرمایا: آپ

کو کیا پتہ کہ مجھے سہولت کس میں ہے؟ آپ ملاقات کیلئے آئے ہیں، یہاں کے نظام کو نہیں جانتے، میری ضروریات کو نہیں جانتے، جو لوگ اس خدمت پر مامور ہیں وہ خود یہ کام کریں گے، آپ نے سہولت کیلئے یہ فٹ ریسٹ کھول دئے ہیں اسکی وجہ سے میں کرسی پر بیٹھ ہی نہیں سکتا، بیٹھنے کے بعد کھولے جاتے ہیں، ہر چیز سیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، خود رانی نہ کیا کرو۔

● ایک صاحب نے دسترخوان پر جب ان کے سامنے چاء کی پیالی رکھی گئی تو انہوں نے وہ پیالی آگے والے کی طرف بڑھادی، حضرت نے فوراً تنبیہ کی اور فرمایا: آپ یہاں میزبان یا منتظم نہیں ہیں، مہمان ہیں، یہ پیالی آپ کو دی گئی ہے، آپ لے لیں، یہ لوگ جو کام کر رہے ہیں ان کے کام میں دخل نہ دیں۔ اسی طرح حضرت والا اس سے بھی منع فرماتے تھے کہ مہمانوں کو بنا میزبان کے منشاء کے اس کے دسترخوان پر تصرف کرنے لگیں۔

● ایک دفعہ فیض العلوم میں حضرت والا نے حضرت قاری صاحبؒ کو بیان کرنے کے لئے مسجد بھیجا، خود بعد میں آئے، چاہتے یہ تھے کہ سلسلہ جاری رہے، اس لئے ایک ستون کی آڑ میں بیٹھ گئے، ایک مولوی صاحب نے کھڑے ہو کر حضرت قاری صاحب کو متوجہ کیا کہ حضرت والا تشریف لے چکے ہیں، حضرت قاری صاحبؒ نے فوراً اپنا بیان ختم کر دیا، حضرت والا اندر تشریف لائے تو معلوم کیا کہ کس نے اطلاع دی تھی؟ انہوں نے کھڑے ہو کر اعتراف کیا کہ میں نے دی تھی، وہ حضرت کے شاگرد بھی تھے، بچپن سے جانتے تھے حضرت بہت خفا ہوئے اور فرمایا: آپ سے کس نے کہا تھا اطلاع کرنے کیلئے؟ کیا ضرورت تھی؟ بس خود رانی کی عادت پڑ گئی ہے، جو جی میں آیا کرتے ہو، کھڑے ہو کر بیان سنو تا کہ خود رانی نکل جائے، پھر کچھ دیر کے بعد بیٹھ جانے کا اشارہ فرما کر بٹھا دیا۔

● ایک دفعہ ایک رئیس اسٹیشن پر آپ کو لینے کے لئے پہونچے، حضرت کے ساتھ سفر میں اور بھی رفقاء تھے، انہوں نے حضرت والا سے اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی درخواست کی، حضرت نے قبول فرمائی، ان صاحب نے اپنے دوستوں کو حضرت کے ہمراہ بیٹھنے کے لئے بلایا، حضرت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے ساتھ کون چلے گا یہ میں طے کروں گا، آپ

جس کو چاہے نہیں بیٹھائیں گے، یہ کیا طریقہ ہے آپ مجھے لیجانا چاہتے ہیں، میرے رفقاء جو ساتھ میں ہیں ان کا تو خیال نہیں اپنے ساتھیوں کی فکر ہے، یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔

● ایک دفعہ ہم حضرت والا سے ملاقات کے لئے لونا والا گئے، وہاں ہمارے ایک مخلص دوست اور حضرت کے خاص خادم خدمت میں مصروف تھے، بہت دیر ہم حضرت کے پاس بیٹھے رہے جب محسوس کیا کہ نیند لگ گئی تو اٹھ گئے، مجھے استنجاء کا تقاضہ تھا، میں نے ان صاحب سے جگہ معلوم کی انہوں نے ایک بیت الخلاء کی طرف اشارہ کیا، میں نے کہا بھی یہ حضرت والا کے استعمال کا تو نہیں؟ انہوں نے کہا ارے جاؤ یا راپنا کام کرو، میں جب استنجاء سے فارغ ہو کر نکلا تو حیران ہو گیا کہ حضرت والا انتظار میں ٹہل رہے ہیں، حضرت نے فرمایا: یہ بھی ادب کی بات ہے کہ بڑوں کے استعمال کی چیز نہ استعمال کی جائے، ہو سکتا ہے کہ ان کو اچانک ضرورت پڑ جائے، اس کا خیال رکھنا چاہئے، نیچے بھی انتظام ہے مہمانوں کے لئے، میں نے آئندہ خیال رکھنے کا وعدہ کیا۔

● ایک دفعہ حضرت بیگم پیٹ ایر پورٹ پر پہونچے تو ایر پورٹ کی مسجد میں اذان ہمارے ایک دوست قاری عبدالباسط نے دی، اور بہت خوش الحانی سے دی، البتہ وہ اغلاط نہیں کیں جو اصول تجوید کی رو سے مکروہ ہیں جو ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے حضرت والا اکثر سناتے تھے کہ بدعتِ قبیحہ اور فعلِ شنیع ہیں۔ لوگ چونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت والا اذان میں خوش الحانی کو مطلقاً منع کرتے ہیں، اس لئے بعض لوگ کہنے لگے انہیں ڈانٹ پڑے گی، مگر حضرت والا نے بعد اذان مؤذن کو معلوم کیا اور جب وہ سامنے آئے تو حضرت نے صدری کے جیب سے دس روپے نکال کر بہت شاباشی اور خوشی کے ساتھ عطا فرمائے۔

عفو و درگزر

عفو و درگزر تو حضرت کی کہنا چاہیے کہ امتیازی شان تھی، کیسی ہی خطا کیوں نہ ہو اعتراف کے بعد معاف ہو جاتی تھی، اور بار بار معاف ہوتی رہتی تھی، دو بول اقرارِ خطا کے یاد و حرفِ اعتراف و ندامت کے ان کے غضب کو ٹھنڈا کر دینے کیلئے کافی تھے، یہی نہیں کہ

معاف کر دیتے بلکہ اس کو بھلا بھی دیتے تھے، یہ بھی خاص بات تھی کہ خطا کاریوں کی کثرت بلکہ گناہوں کی عادت پر اطلاع کے باوجود اس شخص کی عزت اور اکرام میں کبھی فرق نہیں دیکھا جاتا تھا، اکثر تحریر میں معافی کیلئے ”دل و جان سے معاف ہے“ کے الفاظ لکھ کر خاطی کو مسرور و مطمئن فرما دیتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کو ان کے اس مزاج (تکثیر و تکرارِ عفو اور کتنے ہی لغزشوں اور کیسے بھی گناہوں کا علم ہونے کے باوجود تکریمِ مسلم نیز اپنے اصاغر کے سابقہ عیوب و خطایا کا نہ کہیں ذکر اور نہ کبھی حوالہ) کو دیکھ کر حق تعالیٰ شانہ کے عفو و درگزر اور مجاہدِ سابق کی شان کا یقین حاصل ہوا کہ جب ان کا ایک بندہ اس شان کا ہو سکتا ہے تو ان کی شان اس نوازش میں کیا کچھ ہوگی؟

● میں نے ایک دفعہ جب وہ حج کے لئے جا رہے تھے بعض قریبی کوتاہیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جن کی معافی ہو چکی تھی یہ تحریر لکھی کہ بار بار کی غفلت حضرت والا کی ایذا کا سبب بنتی رہی ہے تمام ہی کوتاہیوں سے بھیم قلب معذرت چاہتا ہوں، اس کے جواب میں تحریر فرمایا ”فی الحال میرے علم میں کوئی بات نہیں ہے، اطمینان کے لئے مسطور ہے کہ سب معاف ہے، دعا کرتا ہوں۔ والسلام“

● اکرامِ علماء اور اندازِ تربیت میں اسکے علاوہ متعدد واقعات گزر چکے ہیں، چونکہ شخصی تجربات ہی کا مذاکرہ چل رہا ہے اس لئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں ورنہ ہزار ہا واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

امت کا غم

حضرت نے چونکہ مدرسہ اشرف المدارس کی بناء فی الواقع تو کل علی اللہ پر رکھی تھی، اور اپنے شیخ کے مدرسہ امداد العلوم تھا نہ بھون کی ترتیب کو اختیار کرتے ہوئے چندہ کی وصولی سے اجتناب فرمایا ہوا تھا، جو کچھ از خود پہنچ جاتا اور وہ اپنے ضابطے کے مطابق ہوتا تو قبول فرماتے ورنہ اسے بھی رد فرما دیتے تھے، اسی لئے مدرسہ میں کوئی محصل نہ تھا البتہ معرف ہوتا تھا، ان کا کام یہ ہوتا کہ رمضان المبارک میں مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے مدرسہ کی

خدمات کا تعارف کرا کے اعلان کر دیتے کہ اگر کسی صاحب کار ارادہ تعاون کا ہو تو مدرسہ سے رابطہ کر لیں۔ یہ اعلان کر کے چلے جاتے خود وصول نہ کرتے۔ یہی نہیں بلکہ اگر اس علاقے کے مسلمان زیادہ مستحق ہوتے تو ان کی خدمت کی طرف توجہ دلائی جاتی۔ ایک سال بنارس میں کچھ فساد ہو گیا تھا شاید مسلمانوں کے املاک اور کاروبار کو نقصان پہونچایا گیا تھا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رمضان المبارک آگیا، منشی اسرار احمد صاحب (جو بطور مُعترف کے مدرسہ کی طرف سے وہاں جایا کرتے تھے) کا بیان ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جاتے وقت انہیں تاکید فرمائی کہ اس سال بجائے مدرسہ کے تعاون کا اعلان کرنے کے یہ اعلان کرنا کہ یہاں کے خاص حالات کی وجہ سے مقامی مسلمان آپ کے تعاون اور زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں، اس لئے جو تعاون اشرف المدارس کو کیا جاتا تھا وہ اس سال یہاں کے ضرورت مند مسلمانوں پر صرف فرمائیں۔

یہ ہے اہل اللہ کے قلوب میں مسلمانوں کا مقام اور ان کے دکھ درد کا سچا احساس!

● حضرت رحمۃ اللہ علیہ ممبئی میں علاج کی تکمیل کے بعد تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے کچھ دن کے لئے حیدرآباد میں بھی قیام فرمایا تھا، اسی قیام کے زمانے میں خشک سالی کی وجہ سے حضرت مولانا حمید الدین عاقل صاحبؒ نے اعلان عام فرمایا کہ ”صلوٰۃ الاستسقاء ادا کرنے کے لئے مسلمان شہر کے باہر اکٹھے ہو جائیں“ حضرت والا حالانکہ علیل تھے اور وہیل چیر کے بغیر چل بھی نہیں سکتے تھے جب اس کی اطلاع ملی تو علاقے میں خشک سالی کی صورتحال معلوم کر کے بہت مغموم و محزون ہوئے، بار بار قلق و رنج کا اظہار فرماتے رہے، پھر مولانا عاقل صاحبؒ سے فون پر بات کرتے ہوئے فرمایا: میں بیمار ہوں، چلنے پھرنے کے قابل نہیں ہوں ورنہ میں بھی نماز میں ضرور حاضر ہوتا، دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔

خود مولانا عاقل صاحبؒ پر حضرت والا کے اس دکھ بھرے فون کا اور نماز استسقاء میں شرکت نہ کر سکنے کی معذرت کا بہت اثر ہوا۔

● پردے کے سلسلہ میں تاکید کرتے ہوئے کسی علاقے کا یہ واقعہ سناتے تھے کہ ایک

غیرت مندرنیکس کی بچی کالج کی تعلیم کے دوران بے پردگی کی عادی ہو گئی، بلکہ کالج کے کسی نوجوان سے اس کے ناجائز تعلقات بھی ہو گئے، کبھی کبھی اس کو اپنے ساتھ گھر بھی لے آیا کرتی تھی، لاڈ پیار میں اس بات کو والدین نے زیادہ اہمیت نہ دی، شروع شروع میں روکا ٹوکا ہوگا؟ ایک دن لڑکی رات دیر تک نہیں پہنچی تھی، والدین انتظار کر کے سو گئے، صبح کو جب اسے دیکھنے کیلئے اس کے کمرہ پر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رضائی میں دونوں ملکر سو رہے ہیں، باپ سے برداشت نہ ہو سکا تو اندر سے پستول نکال کے لایا اور نیند ہی کی حالت میں دونوں کو گولی چلا کر ہمیشہ کے لئے سلا دیا، یہ قصہ سناتے ہوئے حضرت والا کی کیفیت بدل جاتی تھی، بہت جوش میں آ جاتے تھے آنسو رواں ہو جاتے تھے اور بڑے درد سے فرماتے تھے، گولی مار کر ہلاک کر دینا تو آسان نظر آیا مگر شروع سے اسلامی تربیت کرنا اور پردہ کروانا مشکل دکھائی دیا، پھر حاضرین کو بچوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کی تلقین فرماتے تھے۔

● اسی طرح نکاح کو آسان بنانے کے سلسلہ میں توجہ دلاتے ہوئے یہ دلگداز واقعہ بڑے کرب اور تڑپ سے سنایا کرتے تھے کہ ایک لڑکی کا رشتہ کہیں جم نہیں پارہا تھا، لوگ آتے دیکھتے اور چلے جاتے، کافی تاخیر ہوتی جا رہی تھی، والدین اس مسئلے کو لے کر حیران و پریشان تھے، لڑکی ماں باپ کو تسلی دیتی رہتی اور ان کے دکھ درد کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہتی، مگر جب اس نے دیکھا کہ یہ مسئلہ طول پکڑتا جا رہا ہے، والدین گھٹتے گھٹتے نڈھال اور مایوس ہوتے جا رہے ہیں، تو اس نے بھی ہمت ہار دی اور والدین کو اس صدمے سے نجات دلانے کی فکر میں لگ گئی، بے چاری کو اس کے لئے کچھ اور تو سبھائی نہ دیا بازار سے چوہوں کی دوائی لا کر خود کھا کے سو گئی، صبح تک اس کی موت ہو چکی تھی، ماں باپ نے جب دیکھا اب تک پڑی سو رہی ہے، قریب پہنچ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ دنیا ہی سے رخصت ہو چکی ہے، حضرت فرماتے تھے ”یہ الگ بات ہے کہ اس کا یہ عمل صحیح نہ تھا مگر اس کا سبب یہ شادی بیاہ کی مہنگائی اور رشتہ ڈھونڈنے میں ظلم و زیادتی ہی تو تھا“ پھر حضرت بہت درد کے ساتھ سامعین کو سماج کی اس مصیبت کو ختم کرنے کی طرف متوجہ فرمایا کرتے تھے۔

انکسار و تواضع

حضرت محی السنۃ اگرچہ دیکھنے میں جتنے وجہہ باوقار و بارعب شخصیت کے حامل تھے مزاج کے اعتبار سے اتنے ہی انکسار و تواضع کا پیکر جمیل تھے، کیوں نہ ہوتے کہ ولی کامل تھے اور معلوم ہے کہ ولایت ہستی و خودی کی نفی کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، طبیعت میں نظم و انتظام کے غلبے کی وجہ سے دار و گیر مؤاخذہ و ایجاب کا سلسلہ ہر وقت چلتا رہتا تھا مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اپنی شخصیت و مقام پر کبھی نہ ہوتی تھی، سامنے والے کی تربیت و اصلاح پر ہی رہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی غلطی کرنے والے کی تحقیر نہ فرماتے تھے، اعتراف قصور اور اقرار ذہول پر ایک دم نرم پڑ جاتے تھے، بارہا دیکھا کہ وہ منکرات کو دیکھ کر ضرورۃً وغیرۃً بہت گرم ہو جاتے تھے مگر جب معتبوب کی کیفیت کو دیکھتے تو چہرے بشرے انداز و الفاظ ہر ادا سے ٹھنڈے ہی نہیں ہو جاتے آگے بڑھ کر تسلی بھی دینے لگتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہوتا کہ اس تنبیہ میں ان کا اپنا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اسی طرح چھوٹے سے چھوٹا بچہ ان کی غلطی بتلاتا یا کسی مسئلے کی طرف توجہ دلاتا تو نہ صرف یہ کہ برا نہیں مانتے تھے بلکہ بہت مسرور ہوتے تھے، اوروں کے سامنے ذکر فرماتے تھے کہ ایک طالب علم نے اس پر توجہ کیا، شخصی تعریف یا تو سنتے ہی نہ تھے یا سن لیتے تو فوراً کوئی ایسا جملہ کہہ دیتے جس سے اپنے کمال کی نفی اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری ہو جاتی۔

● ایک سفر میں میں نے تحریراً عرض کیا کہ رفقاء سفر ”حضرت والا کے نظم و انتظام اور ہر ایک کی راحت و آرام اور مسلسل کام سے بہت ہی متاثر و متعجب ہوئے“..... جواباً ارقام فرمایا..... ”یہ حضرت اقدس حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات کی ادھوری نقل کا فیض ہے۔“

● میں نے عرض کیا کہ امیر دعوت الحق بنگلہ دیش سے معلوم ہوا کہ اس سفر میں جہاں جہاں حضرت والا کے قدم پہنچے وہاں وہاں دعوت الحق کا کام شروع ہو گیا ہے، فرمایا ”یہ ان حضرات کا حسن ظن ہے۔“

● میں نے لکھا کہ ایک آزمائش کے موقع پر حضرت والا سے راہنمائی لینے کا موقع نہ تھا، لیٹا تو آنکھ لگ گئی خواب میں حضرت والا کی زیارت ہوئی اور مطلوبہ راہنمائی مل گئی، حضرت والا کی ایسی توجہات و تصرفات کا تجربہ ہوتا رہتا ہے، اس پر حضرتؒ نے ارقام فرمایا کہ ”یہ تمہارا حسن ظن ہے اللہ تعالیٰ سنت پر چلنے والوں کی اعانت خاص فرماتے ہیں۔“

● دعوة الحق کے سلسلہ میں مجھے تحریر بھجوائی کہ ”تو کلا علی اللہ آپ کو مقامی دعوة الحق حیدر آباد کا نائب ناظم تجویز کرتا ہوں۔“ میری حیثیت تو ادنیٰ خادم بلکہ ابن الخادم کی تھی محض حکم فرمایا جانا کافی تھا، مگر یہ حضرتؒ کے تواضع و انکسار کی بات ہے کہ میں نے جب اس کے جواب میں تسلیم حکم کی اطلاع دی تو ارقام فرمایا ”مقامی دعوة الحق حیدر آباد کی نائب نظامت کی قبولیت سے بہت مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، آپ کے متعلقین کے جملہ مقاصد اللہ تعالیٰ پورے فرمائے، آپ کے تمام اعزہ و اقرباء کو اللہ تعالیٰ فلاح دارین سے نوازے۔“

● کبھی بیان میں جوش و خروش سے نبی عن المنکر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے اور اپنی جانب سے کی گئی نکیروں کے اچھے اور عملی ثمرات کے واقعات سناتے، اسی طرح کبھی بڑے علماء کی جانب سے ان کی کسی بات پسند کرنے کا ذکر نکلتا تو ساتھ ہی فرماتے ”یہ سب حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات کی برکت ہے“ پھر بہت ہی شیریں ترنم میں خواجہ صاحبؒ کے یہ اشعار مست ہو کر پڑھتے تھے ۔

نقل ارشاداتِ مرشدی کنم آنچہ مردم می کند بوزین ہم
اصل کی برکت سے کیا عجب نقل میں بھی ہو وہی فیضِ اتم

● اللہ تعالیٰ نے انھیں بار بار حج کی توفیق عطا فرمائی تھی، ہمارے بچپن میں جب حج کیلئے تشریف لے جاتے تو تیاریاں ہو جانے کے بعد طلبہ کو جمع کر کے فرماتے تھے، دیکھو بچو! کپڑا جب میلا ہو جاتا ہے تو صاف کرنے کیلئے دھوبی کے پاس بھیجا جاتا ہے وہ بھٹی میں ڈال کر خوب پکا کے صاف کر کے واپس کر دیتا ہے، جو کپڑا جلدی جلدی میلا ہوتا ہے اس کو جلدی

جلدی بھٹی میں ڈالنا پڑتا ہے، ہمارا بھی یہی حال ہے، بہت گناہ گار آدمی ہیں اسلئے بار بار بلایا جاتا ہے، آج ہم حج کے لئے جا رہے ہیں تم لوگ اچھی طرح رہنا، خوب محنت سے پڑھنا، کوئی شکایت نہ آنے پائے وغیرہ۔

● اپنے ذاتی کام کیلئے دوسرے کو طلب کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، ایک مرتبہ حیدرآباد میں انجکشن لینے کی ضرورت تھی اور مصروف بہت تھے، میں نے عرض کیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب کو یہیں بلا لیتے ہیں، آمادگی دیکھ کر میں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر کو طلب کر لیا، وہ بڑی سعادت سمجھتے ہوئے بخوشی آئے، انجکشن لینے کے بعد حضرتؒ نے ان کو ایک عطر کی قیمتی بائل ہدیہ کرتے ہوئے فرمایا..... ”آپ نے بڑا کرم کیا“۔ اسی طرح ایک دفعہ ایک حکیم صاحب کے قیام گاہ خود آ کے دیکھ لینے پر فرمایا..... ”میری ضرورت تھی، مجھے آپ کے پاس آنا چاہیے تھا، آپ نے بہت کرم فرمایا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔“

● ایک مرتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تحریر آئی کہ انجمن کے سالانہ اجلاس میں طلبہ حضرت والا کی سرپرستی کے خواہشمند ہیں۔ اس میں یہ بھی جملہ تھا کہ ہر سال اختتامی اجلاس میں ملک کے کسی بڑے عالم دین یا کسی بڑی شخصیت کو دعوت دی جاتی ہے۔ حضرتؒ نے اس کے جواب میں اپنی صحت اور پہلے سے بنے نظام العمل کے حوالے سے معذرت فرمادی اور جو حضرات تحریر لائے تھے ان سے زبانی فرمایا کہ ”میرے عذر کے علاوہ آپ لوگوں کے معمول کے بھی خلاف ہے کہ آپ لوگ ہر سال کسی بڑے عالم دین کو مدعو کرتے ہیں، میرا تو بڑے عالموں میں شمار نہیں ہے میں تو ایک طالب علم ہوں دین کا ادنیٰ خادم ہوں۔“

● میں ایک دفعہ بعض اہم معاملات میں حضرتؒ سے رجوع کرنے اور بعض ضروری امور کی اطلاع کیلئے ہر دوئی سفر کیا تھا، میں نے مناسب سمجھا کہ حضرتؒ سے براہ راست گفتگو کا موقع مل جائے اس لئے آمد نامہ کی تحریر میں اپنی آمد اور غرض دونوں کی اطلاع کر دی، جواب تحریر فرمایا ”سب امور تحریر کر کے میرے ہاتھ میں دیدیں“ چنانچہ میں نے ایک طویل خط تحریر کیا اور موقع کا منتظر رہا جب حضرتؒ ندرتشریف لے جا رہے تھے — ان دنوں

اندر ہی کام کرتے تھے — تو ان کے ہاتھ میں دیدیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد جب کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مہمان خانہ میں اذان و نماز کی مشق میں مشغول تھا اچانک ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت آرہے ہیں، معمولاً اس وقت حضرتؒ کے آنے کی کوئی امید نہ تھی، پلیٹ کے دیکھا تو ہمارے حجرہ کی طرف ہی آرہے تھے، ہم سب لوگ کھڑے ہو گئے، میرا لفافہ جو ابھی گھنٹہ بھر پہلے دیا تھا ہاتھ بڑھا کر حوالہ کیا اور واپس چلے گئے، میں حیران ہو کر حضرت کو دیکھتا رہا تو سیدھے گھر ہی واپس ہوئے، یعنی محض اسی کیلئے گھر سے تشریف لائے تھے۔ میں دیر تک اس حیرت میں محو رہا کہ یا اللہ ایک ادنیٰ خادم بلکہ خادم زادہ! اس کی یہ رعایت کہ اسی وقت پورا خط پڑھ کر اسی وقت جواب لکھ کر مہمان خانہ تک خود پہنچانے کی زحمت فرمائیں یہ کسی معمولی اور مصنوعی اخلاق والے پیر کا کام نہیں ہو سکتا۔

● ایک مرتبہ احقر سے فرمایا کہ جو آم فلاں جگہ سے آئے ہوئے ہیں انہیں بالٹی میں بھگو دو، میں نے بھگو دئے، شام کے کھانے پر یاد دہانی کی تو فرمایا ابھی رہنے دو، عشاء کے کافی دیر بعد جبکہ طلبہ وغیرہ خدمت سے فارغ ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے، حضرتؒ نے فرمایا آم، پلیٹ، چاقو وغیرہ چبوترہ پر رکھ دو اور قاری صاحب (حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوئیؒ) کو مہمان خانہ سے بلا لاؤ۔ پھر حضرتؒ اطمینان سے بیٹھ کر آم اپنے ہاتھ سے کاٹ کاٹ کر پلیٹ میں رکھتے اور حضرت باندوئیؒ کو کھلاتے رہے۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتے رہے بس حضرت کھا چکا، مگر اصرار ہوتا رہا کہ اور کھائیے فلاں جگہ کے ہیں، خاص ہوتے ہیں وغیرہ، تعریفیں کر کر کے کھلاتے رہے۔

● حضرت اکرام علماء کا اتنا اہتمام کرتے تھے کہ ملاقات میں انہیں مقدم رکھتے، مجلس میں بیٹھنے کے لئے امتیازی جگہ ہوا کرتی، کبھی ان سے بیان کیلئے کہتے، اصاغرو تلامذہ حتیٰ کہ مریدین و ادنیٰ خادمین کی بھی عجیب عزت افزائی فرماتے کہ آدمی دم، بخود رہ جائے۔ ابراہیم پیالیں میں جب قیام تھا ان دنوں برادر محترم مفتی عبدالغنی صاحب اور مولانا امیر اللہ خان صاحب ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوئے، حضرتؒ نے نظام معلوم کیا اور بڑی عاجزی

سے فرمایا اگر کوئی حرج نہیں تو یہاں بلڈنگ کی مستورات جمع کر دی جائیں گی آپ لوگ بیان کر دیں، ان حضرات نے کہا حضرت جب حکم فرمائیں حاضر ہیں! طے ہو گیا کہ فلاں وقت آجائیں، یہ حضرات پہنچ گئے، مستورات ابھی تک جمع نہیں ہو سکیں تھیں، مائیک کا نظم نہ ہو سکا تھا، حضرت والا خود باوجود فریش ہونے کے وہیل چیر پر بیٹھ کر اس منزل پر پہنچ گئے جہاں مستورات کو جمع ہونا تھا، سب انتظامات کروائے، جب سب جمع ہو گئے تو پہلے خود ہی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ”میرے بعض دوست حیدر آباد سے آئے ہوئے تھے میں نے ان سے خواہش کی کہ کچھ سنادیں، مگر آپ لوگوں نے اتنی تاخیر کر دی، اس سے بہت افسوس ہوا، ان علماء کو کتنی تکلیف ہو گئی“ وغیرہ۔ مولانا امیر اللہ خان صاحب کہتے ہیں کہ ادنیٰ مریدوں کے بارے میں حضرت نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے کہ حیرت سے ہم ایک دوسرے کو تکتے لگے۔

● حضرت مولانا محمد احمد صاحب پر تاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والا کے درمیان بہت گہرے مراسم اور دیرینہ تعلقات تھے، دونوں ایک دوسرے کا مثالی اکرام فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ میرے بچپن کی بات ہے حضرت پر تاب گڑھی نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک ایک روپے کے چند نوٹ نام بہ نام انہیں عطا کئے کہ میری طرف سے ان لوگوں کو پہنچا دینا، ان میں حضرت والا کا نام بھی تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے صبح اس خواب کی تعمیل کرتے ہوئے ان حضرات کے پاس اپنے قاصد کے ذریعہ بڑے اہتمام سے ایک ایک روپیہ بھجوایا۔ حضرت والا کے ہاں جب یہ مبارک تحفہ پہنچا تو حضرت نے اساتذہ کرام کو دفتر اہتمام میں جمع کیا اور بہت اہتمام اور بڑے ادب سے سارا واقعہ سنایا اور پھر اشکبار ہو کر فرمایا ”اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے یہ سب قرآن مجید کی صحیح خدمت اور سنتوں کے احیاء کی برکت ہے۔“

کشف و کرامات

گو یہ چیز فی نفسہ نہ ولایت کا لازمہ ہے نہ مطلوب شرعی ہے، نہ ہی ہمارے اکابر بالخصوص حکیم الامتؒ کے نزدیک ان چیزوں کی جانب کچھ زیادہ اعتنا تھا، تاہم اہل اللہ سے

ایسی برکات کا صدور ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے، جسے عقیدت و اکرام کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور ان کے کمالات میں شمار کیا گیا ہے، اس لئے گو مطلوب نہیں محمود ضرور ہیں کرامات الاولیاء حق اسی طرح ”قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید“ کے مصداق اس عنوان کے تحت بھی چند شخصی تجربات و مشاہدات درج کرنے کو جی چاہتا ہے۔

● مدرسہ میں اکثر شعبان ہی میں دور کے طلبہ گھر بھیج دئے جاتے تھے، ایک سال ایسا ہوا کہ حیدر آباد اور ممبئی والوں کے ساتھ کشمیر والوں کے ٹکٹ بھی بنے ہوئے تھے، سب طلبہ خوشی خوشی تیاری میں تھے ”دن گئے جاتے ہیں جس دن کے لئے“ کے مصداق بڑی مشکل سے روائگی کی تاریخ آہی گئی۔ آج صبح ہی سے ہم لوگ عجیب و غریب مسرت و خوشی میں ڈوبے ہوئے تھے، اچانک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کشمیری کم سن طالب علم کو بلایا اور ”سورۃ التکویر“ سنی، اس میں تجوید کی کئی غلطیاں نکالیں اور خفا ہوئے کہ سال بھر میں تم نے یہ سیکھا ہے؟ اب تمہیں گھر نہیں بھیجا جائے گا، پھر نائب صاحب کو بلا کر ٹکٹ واپس کرنے کی ہدایت دی۔ بس کیا تھا! گویا شادی کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ بچپارے کی سب خوشیاں خاک میں مل گئیں، حد یہ ہے کہ دیکھنے والوں کو ترس آنے لگا، بعض اساتذہ کو تک اس فیصلے پر تنقید کرتے سنا گیا، اور ادھر حکم تو حکم تھا، ٹکٹ واپس ہو گیا۔ گویا بہ زبان حال ہر شخص اسے ظلم و زیادتی تصور کر رہا تھا خیر! ہم لوگ تو اسی دن نظام کے مطابق مگر اپنے ایک ساتھی پر غم کھاتے ہوئے نکل گئے، راستہ تمام آپس میں اس کا ذکر و تذکرہ تھا۔ حیدر آباد پہونچنے کے چند دن بعد اس طالب علم کا خط میرے پاس آیا، (فون کی تو اس زمانہ سہولت تھی نہیں) خط میں اس نے لکھا کہ جس دن آپ لوگ گئے اسی دن شام کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ”تم جانا ہی چاہتے ہو تو فکر مت کرو، بھیج دیں گے، چنانچہ دفتر والوں کو حکم دیا کہ کل بھیج دیا جائے۔“ چنانچہ اگلے دن ہم لوگ بھی نکل گئے۔ جب گھر پہونچے تو ہمارے گھروں میں ہمارا سوگ منایا جا رہا تھا، ہمیں دیکھ کر سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے، اس لئے کہ ریلوے اسٹیشن سے ہمارے وطن پہونچنے کیلئے روزانہ دو بسیں تھیں، جس دن ہمیں پہونچنا چاہیے تھا اس دن کی دونوں بسیں گہری کھائی میں اس طرح گر گئیں تھیں کہ مسافروں کا حشر تک معلوم نہ ہو سکا۔ جب ہمارے گھر والوں کو معلوم ہوا کہ آج

کی دونوں بسوں کا یہ حشر ہوا ہے تو یقین کر لیا کہ اب ہمارے بچے تو کبھی ملیں گے نہیں۔ اعزہ و احباب جمع ہو کر ایک دوسرے کو پُرسہ دے رہے تھے۔ لیکن چونکہ ہم لوگ اگلے دن نکلے تھے الحمد للہ بعافیت گھر پہنچے اور جب ہم نے سارا ماجرا سنایا تو گھر والوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیلئے بڑی دعائیں دیں۔ اب اسکو حضرت علیہ السلام کی کرامت کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

● ایک طالب علم دوسری ریاست کا لاکر شریک کروایا گیا، جب اس کے والدین چلے گئے تو یہ بھی اچانک مدرسہ سے نکل کر غائب ہو گیا، حضرت علیہ السلام کو اطلاع ہوئی، سائیکل سواروں کو مختلف راستوں پر بس اسٹانڈ اور ریلوے اسٹیشن ہر جگہ روانہ کیا گیا۔ مگر وہ کہیں نہ مل سکا، ظہر بعد حضرت علیہ السلام کا قیلولہ کا معمول تھا، اسی اثناء میں حضرت باہر تشریف لائے اور فرمایا: ارے بھئی! کسی کو فوری اسٹیشن بھیجو کہ بریلی سے آئیوالی گاڑی میں اس لڑکے کو تلاش کریں، سب کو بظاہر تعجب ہوا کہ ہر دوئی کی طرف آئیوالی گاڑی میں وہ کیسے ملے گا؟ لیکن حسب الحکم کسی کو بھیجا گیا، گاڑی جب اسٹیشن پر کی تو وہ لڑکا بالکل سامنے والے ڈبے میں بیٹھا ہوا مل گیا۔ لانے کے بعد اس سے پوچھا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بجائے لکھنؤ کے بریلی کی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ وہاں پہونچنے پر معلوم ہوا وہ ایک دوسری ٹرین سے لکھنؤ کی جانب چل پڑا۔ اب خدا معلوم حضرت علیہ السلام کو کس طرح علم ہوا کہ وہ خلاف معمول اس وقت باہر تشریف لائے اور آدمی کو بھیج کر اسے بلوایا۔ لطیفہ منامیہ ہو گا یا مکاشفہ غیبیہ۔ بہر حال اپنی زندگی میں اس طرح کی بہت سی باتیں حضرت علیہ السلام میں، میں نے دیکھیں۔ دوسروں کے پاس بھی اس قسم کے تجربات کا بڑا ذخیرہ ہوگا۔

● جس زمانے میں اشرف المصنوع کے دارالاقامہ کی تعمیر چل رہی تھی، میری درخواست پر حضرت علیہ السلام وہاں تشریف لائے، اس وقت تک صرف دیواریں بنی ہوئی تھیں، اس میں کھڑکیوں کے لئے جگہ چھوڑی ہوئی تھی، پوچھا کہ یہاں کیا لگے گا؟ انجینئر صاحب نے بتلایا کہ کھڑکیاں لگیں گی، فوراً فرمایا تعجب ہے کھلی جگہ ہے، ہوائیں تیز چلتی ہیں، اتنی بڑی کھڑکیاں لگیں گی؟ دیکھ لیں بھئی! کہیں ہوا کے دباؤ سے ٹہنیں اڑ نہ جائیں،..... انجینئر صاحب کو کچھ اشکال نہ تھا بلکہ وہ اس کی ضرورت سمجھتے تھے، اسی طرح کام مکمل ہوا، اللہ کا کرنا ایک سال بھی

نہیں گزرنے پایا کہ ایک دن تیز ہوا چلی اور ہوا کے دباؤ سے پورا شیڈ اڑ کر صحن میں آگرا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا حضرت والا کی دعائیں ساتھ تھیں یہ حادثہ ایسے وقت پیش آیا جب کہ تمام طلبہ نماز عصر کیلئے مسجد میں تھے، اگر ذرا قبل یا بعد میں پیش آتا تو نہ جانے کتنے طلبہ جاں بحق اور کتنے زخمی ہو جاتے، آج بھی اس منظر کو سوچ کر رو ٹکٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گہری سوچ اور عجیب بصیرت تھی حضرت والا کی۔

● والد صاحب کی طبیعت ناساز تھی، ڈاکٹروں نے ہرنیا کا آپریشن تجویز کیا ہوا تھا؟ درد شکم کی تاب نہ لا کر ٹپ رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت والا کی حیدر آباد شریف آوری ہوئی، حضرت عیادت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، ضروریات سے فارغ ہوتے ہی عیادت کیلئے ہمارے مکان پہنچے، مسنون دعا پڑھی، پانی پر دم کر کے پلوایا اور شفاء کی امید ظاہر کی، اس کے بعد حسبِ تجویز آپریشن کیلئے دواخانہ پہنچایا گیا وہاں دوبارہ ایکس رے معائنہ ہوئے تو اس خطرہ کا کہیں اثر نہ پایا گیا، ڈاکٹر ز جو آپریشن کیلئے بتا رہے تھے وہ سابقہ ایکس رے کو اور اس ایکس رے کو دیکھتے، رپورٹس پڑھتے اور ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھتے تھے، بالآخر انہوں نے کہا کہ آپریشن کی قطعی ضرورت نہیں، معمولی دوائیں لکھ کر ڈسچارج کر دیا، اور بفضلہ تعالیٰ حضرت والا کی دعا و توجہ کی برکت سے عمر بھر اس کی ضرورت نہیں پڑی۔

وسعتِ قلبی

حضرت جامد ذہن و متعصب فکر نہیں رکھتے تھے، کشادہ دل و منراخ ذہن تھے، مشربِ شیخ پر تصلب کے باوجود دیگر اہل حق کے بارے میں تعصب بالکل نہ ہتا، بلکہ بارہا ایک دوسرے کے کام کی قدر دانی کرنے اور ایک دوسرے کو فسیق سمجھنے فریق نہ سمجھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، کوئی بھی اچھا کام کرتا تو اعتراف و پذیرائی ہی نہیں شاباشی و ہمت افزائی بھی فرماتے تھے۔ اکثر امام عبدالوہاب شعرانیؒ کے حوالہ سے فرمایا کرتے تھے کہ دینی خدام اپنے اخلاص کو پرکھتے بھی رہا کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو کام ہم کر رہے ہیں وہ کام کوئی اور بھی کرنے لگے تو دیکھیں کہ ہمیں خوشی ہوتی ہے کہ چلو بڑی ذمہ داری بھی کوئی اور بھی ہمارا رفیق ہو گیا، مدد ملے گی۔ یارِ نخ ہوتا ہے کہ ہم پہلے سے کر رہے تھے یہ صاحب بھی

اُتر گئے، اب چندہ منقسم ہو جائے گا، یا مقبولیت گھٹ جائے گی وغیرہ۔ خوشی ہوتی ہے تو اخلاص ہے رنج ہوتا ہے تو عدم اخلاص ہے۔ مثال سے سمجھایا کرتے تھے کہ اگر چند لوگ جنازہ لے کر جا رہے ہوں اور جنازہ بہت بھاری ہو، راستے میں کچھ لوگ آ کر ملتے رہیں اور کندھا دیکر قبرستان پہنچانے میں مدد کریں تو اس سے اس جنازہ لے جانے والوں کو خوشی ہوتی ہے کہ ان بھائیوں کی شرکت سے کام آسان ہو گیا، انہیں تکلیف اور رنج نہیں ہوتا کہ جنازہ ہم لیجا رہے تھے یہ لوگ بیچ میں کیوں شریک ہو گئے؟ بلکہ تدفین کے بعد ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں کہ آپ حضرات کی شرکت سے ہم کو بڑی سہولت ہوئی، اللہ جزائے خیر دے وغیرہ۔ پس اسی طرح خدام دین کو چاہیے کہ دیگر خدام دین کو اپنا محسن و معاون مان کر ان کی قدر کریں بلکہ شکر گزار رہیں۔

اکثر فرماتے تھے کہ دین کے سب شعبے زندہ ہو جائیں یہ سب کی فکر ہونی چاہیے، جس کام سے مناسبت ہو اس میں اگرچہ لگے رہو مگر دین کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والوں سے بھی محبت رکھو، جو تعاون ہو سکے کرو، سب کے لئے دعا کرو۔

فرماتے تھے کہ تبلیغ، تعلیم اور تزکیہ تینوں کام ضروری ہیں، سب ایک دوسرے کیلئے ایسے ہی ہیں جیسے محکمہ ریلوے کے لوگ ہوتے ہیں، ڈرائیور اپنا کام کرتا ہے، گارڈ اپنا کام کرتا ہے، لائن مین اپنا کام کرتا ہے، تب جا کر ریل منزل پر سلامتی سے پہنچتی ہے، کوئی نہیں کہتا کہ یہ سب لوگ ایک ہی کام میں لگ جائیں۔

کبھی فرماتے دین کے تمام شعبے ریلوے کے علاقوں کی طرح ہے تقسیم کار کے اعتبار سے شمالی، جنوبی، SR، NR وغیرہ کہلاتے ہیں۔ مگر ہوتے سب ایک ہیں، ان میں کام کرنے والے سب ریلوے کے ملازم ہیں، تقسیم کار کی وجہ سے انہیں الگ نام دیا گیا ہے مگر ان سب کو ریلوے ہی کا ملازم مانا جاتا ہے وغیرہ۔

● ایک دفعہ پربھنی میں حضرت مولانا معین القاسمی صاحب خلیفہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے دریافت کیا کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے کام میں کیا فرق ہے؟ حضرتؒ نے تھوڑی دیر سکوت کیا، پھر فرمایا مولانا تھانویؒ کے مزاج میں

غلبہ بغیرت تھا، چاہتے تھے کہ خواہ چند ہی آدمی بنیں مگر کامل بنیں، مولانا الیاس صاحبؒ کے مزاج میں غلبہ شفقت تھا کہ چاہے تھوڑا ہی دین سیکھیں مگر سب سیکھیں۔ پھر فرمایا غلبہ بغیرت کا ثمرہ اصلاح تام کی صورت میں ظاہر ہوا اور غلبہ شفقت کا نتیجہ اصلاح عام کی شکل میں سامنے آیا۔ یہ حضرت والاؒ کی ذکاوت تھی کہ جس بات کو لوگ بحث و مباحثے اور تقابل و تفاضل کی مبالغہ آرائیوں کے ذریعہ فتنہ بنا لیتے ہیں اور خواہ مخواہ حدود سے تجاوز اور سوء ادب کے شکار ہو جاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ایسی ہی بحثوں سے باہمی نفرت اور کینے تک پہنچ جاتے ہیں حضرت والاؒ نے اسی بات کو ایسی توضیح و تاویل میں حل فرمادیا کہ نہ تقابل ہو نہ تفاضل، نہ توہین و بے ادبی کی صورت ہوئی بلکہ دونوں کا کمال معلوم ہوا۔ یہ حضرت والاؒ کے قلب میں دوسروں کے کام کے مخلصانہ احترام و اعتراف موجود ہونے کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟

● اسی طرح ایک بیرون ملکی سفر سے واپسی پر فرمایا: جس جگہ میرا قیام تھا وہاں کی مسجد کے امام عرب تھے اور وہ تبلیغی جماعت کو غلط سمجھتے اور اس کی مخالفت کرتے تھے، میسری حاضری ہوئی تو وہ مجھ سے مانوس و متاثر ہوئے، انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ ہندوستان سے تبلیغی جماعت کے نام سے جو لوگ آتے ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ان میں یہ یہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں جس کی وجہ سے مجھے ان پر اعتماد نہیں ہے۔ میں نے فوراً صفائی کی اور کہا کہ ”یہ جماعت ہمارے اکابر کی جماعت ہے اور اس کام سے دین کی بڑی خدمت ہو رہی ہے، کوتاہیوں اور غلطیوں کی وجہ سے پورے کام کی نفی نہیں کرنی چاہیے“ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ”میری اس صراحت کے بعد ان کی غلط فہمی دور ہوئی اور انہوں نے آئندہ تعاون کرنے کا وعدہ کیا“ حالانکہ حضرت کو بھی کارکنانِ جماعت کے غلو اور جمود سے سخت اختلاف تھا مگر چونکہ یہ اختلاف اخلاص پر مبنی اور حد شرعی میں محدود تھا اس لئے شکایت کے موقع پر حکمت و ہمدردی کے ساتھ شکایت فرماتے تھے اور حمایت کے موقع پر مکمل حمایت فرماتے تھے۔

● اسی طرح حضرت والاؒ کا مزاج یہ تھا کہ اہل حق میں کسی سے کتنا ہی شدید اختلاف ہو

بحیثیت مجموعی نکیر فرماتے تھے، نامزد کر کے ذکر نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی اپنے لوگوں کو اس اختلاف کے استحصال کا موقعہ دیتے تھے، علماء کے اقوال و اعمال میں تاویل و توجیہ کی گنجائش رکھتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ایک علاقے کے بعض علماء کے جمود کا تذکرہ کیا کہ کام کی سخت ضرورت ہے باطل خوب کام کر رہا ہے لیکن ہمارے علماء ہیں کہ نہ خود کچھ کر رہے ہیں اور نہ ہی کرنا چاہنے والوں کی ہمت افزائی و پشت پناہی کو تیار ہیں، اس سے بڑا افسوس اور بہت کوفت ہوتی ہے۔ حضرت والا نے جواباً تحریر فرمایا ”متعدد جگہوں پر ایسا ہی حال ہے، پرواہ نہ کی جائے، کچھ اعذار خاص بھی ہوتے ہیں بہر حال جتنا ہو سکے کام کرتے رہیں۔“ پھر جب عشاء بعد خدمت میں حاضر ہوا تو آنکھ بند کر کے لیٹے ہوئے تھے، آنکھ کھولی تو مجھے قریب میں موجود دیکھ کر فرمانے لگے: ”جو حالات تم نے لکھے اور بھی جگہوں سے ایسی اطلاعات ہیں، بعض تو بڑے لوگ ہیں ان سے ایسی توقع نہ تھی مگر حالات ایسے ہی ہیں، پھر بھی علماء سے بدگمانی کبھی نہیں کرنی چاہیے، حسن توجیہ کا معاملہ رکھو، ہو سکتا ہے کہ ہمت نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ انہیں ان منکرات کا علم نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک نکیر مناسب نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ ان کی تحقیق کچھ اور ہو وغیرہ۔“ حاصل یہ ہیکہ حضرت والا نے ان کی اس حالت پر تعجب بھی فرمایا، ناپسند بھی کیا مگر چونکہ یہ علماء اہل حق تھے ان پر نکیر کا کوئی لفظ بھی گوارا نہ فرمایا نہ تحریر میں نہ تقریر میں، بلکہ الٹا توجیہات و امکانات کے متعدد راستے دکھائے۔

● دارالعلوم ندوۃ العلماء پر پولیس نے چھاپہ مارا تو حضرت تڑپ گئے اور فوراً حضرت مولانا علی میاں کو ہمدردی و حمایت پر مشتمل خط لکھوا دیا، حضرت مولانا علی میاں کا انتقال ہو گیا تو باوجود اعذار کے وقفے وقفے سے کئی مرتبہ ندوۃ تشریف لے گئے تاکہ پسماندگان کو ہمت و تقویت حاصل رہے۔ غائبانہ بھی حضرت مولانا علی میاں کا بہت ہی احترام سے ذکر فرماتے تھے بلکہ ان سے متعلق لوگوں کی بھی عزت افزائی فرماتے تھے، مسلک کا تو نہیں مشرب و مزاج کا اختلاف تھا اس کے مد نظر بعض دفعہ کوئی ایسی خبر لاتا جو مولانا کی شان کے خلاف ہوتی تو حضرت ناقل کی یا تو کسر جرات کرتے یا پھر بہتر توجیہ فرماتے تھے۔

● میں نے تعلیم کے دوران جزوی طور پر اشرف العلوم کا قیام عمل میں لایا تھا، منشاء کسی باقاعدہ مدرسہ کا قیام نہ تھا، جزوقتی مکاتب اور رفتاری خدمات مدنظر تھیں، مگر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ اس کا تعلیمی شعبہ ہی زیادہ مستحکم ہو گیا، طلبہ کا رجحان اور رجوع رہا اور وہ دوسرے تیسرے سال ایک مستقل مدرسہ کی شکل اختیار کر گیا، اس اثناء میں جو طلبہ پڑھتے رہے ان میں سے دو طلبہ نے چوتھے سال حفظ مکمل کر لیا اگلے سال چار پھر بارہ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی تو میں نے حضرت والا کو مدرسہ کے قیام کی اطلاع اور حفاظت طلبہ کے لئے دعاؤں کی گزارش پر مشتمل خط لکھا، جواب میں حضرت والا نے ارقام فرمایا:

”عزیز سلمہ زید رشتہ و فضلہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

سب طلبہ کے لئے دعا کرتا ہوں، تعجب ہے کہ تم نے اب تک مجھے مطلع نہ کیا اور نہ کبھی چل کر دیکھنے کو کہا، اب وہاں آنے پر یاد دہانی کراؤ۔ والسلام“

چنانچہ اگلی حاضری پر میں نے درخواست پیش کی، قبول فرما کر تشریف لائے، درجات کا معائنہ کیا، طلبہ سے کلام پاک سنا، اساتذہ کا امتحان لیا، کچھ نصیحت اور دعا فرما کر واپس تشریف لے گئے، جب احقر قیام گاہ پر پہونچا تو لیٹ گئے تھے، فرمانے لگے ناظم صاحب کا تو سنا ہی نہیں گیا، حاجی عبدالرحمن صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ان سے بھی سنا جائے، عرض کیا، حکم فرمائے! ارشاد ہوا: سورۃ التکویر سناؤ، وہیں بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا تو فرمایا: نیچے بیٹھ گئے، تعجب ہے، چار پائی پر بیٹھ کر پڑھو۔ (حضرت والا قرآن مجید سنانے والا خواہ کوئی ہو اسے اپنے سے نیچے بیٹھنے نہیں دیتے تھے) بہر حال سورۃ التکویر مکمل سنائی، سنتے رہے، پھر مولوی عبدالرحمن صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا ”ماشاء اللہ فرسٹ ڈیویژن ہے“ — یاد رہے کہ حضرت والا بلا ضرورت انگریزی الفاظ استعمال نہ خود فرماتے تھے نہ دیگر مولویوں کی زبان سے پسند فرماتے تھے مگر ان دنوں یہ لفظ کچھ عرصہ تک حضرت کی زبان زد ہوتا — مولوی عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ میرے جانے کے بعد حضرت نے فرمایا ”اس کی

عمر ہی کیا ہے، ماشاء اللہ کام جمالیہ ہے“ مدرسہ جب تشریف لائے تھے تو ایک دو درجات مسجد میں لگ رہے تھے، حضرت نے اس پر نکیر فرمائی، جگہ کی تنگی کا علم ہوا تو علاحدہ بلا کر تین ہزار روپے دئے اور فرمایا مدرسہ ہی کے اوپر ایک اور منزل بنائی جائے، حضرت والا کے اس تعاون میں ایسی عظیم برکت ہوئی کہ پوری جگہ پر شیڈ کا انتظام ہوا اور سب درجات مسجد سے اس میں منتقل کر لئے گئے۔

● بیماری سے کچھ افاقہ ہوا تو حضرت بہمبئی سے حیدرآباد تشریف لائے احقر حج میں تھا، قیام ہمیشہ کے برخلاف بجائے مدرسہ فیض العلوم کے شہر میں کسی اور جگہ پر تھا، مناسب موقع سے اپنے مدارس کا دورہ فرمایا، اشرف العلوم کے ایک ذمہ دار نے میری طرف سے درخواست کی کہ اشرف العلوم بھی قدم رنجہ فرمائیں، یہ کہہ کر فوراً قبول فرمالیا کہ ”وہ حج میں ہے مگر میں جاؤں گا“..... اور تشریف لا کر دعا فرمائی، بقرعید کے موقع سے حضرت والا نے اپنی اور اپنے اہل خانہ کی جانب سے قربانیاں کروائیں تو ان کا گوشت خشک کر داکے مدرسہ فیض العلوم اور اشرف العلوم کو عطا فرمایا کہ جب طلبہ آجائیں تو انہیں کھلایا جائے۔

وسعت فکر و نظر

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جہاں خالص دینی و اصلاحی رنگ کے آدمی تھے وہیں ہر مخلص اللہ والے کی طرح ملک و ملت کے دیگر کاموں اور میدانوں میں کام کرنے والوں کے قدرداں تھے، ان کے کاموں کی پذیرائی اور اعتراف میں حضرت کو کوئی بخل نہ تھا، اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے گو حضرت کوئی سارنگ پسند فرماتے ہوں مگر جب ان کے سامنے کسی اور میدان سے وابستہ شخصیت کا تذکرہ ہوتا یا وہ خود ملنے کے لئے آجاتے تو نہ صرف یہ کہ خندہ پیشانی و کشادہ جبینی کے ساتھ خیر مقدم فرماتے بلکہ ان کی راحت و آرام کا انتظام اور شخصی نگرانی بھی فرماتے، اگر وہ ملت کے لئے کئے گئے اپنے کارنامے سناتے تو اہتمام سے سنتے اور خوش نودی کا اظہار فرماتے، انہیں ہدیہ دیتے دعاؤں سے نوازتے، اگر وہ امت کی کوئی تکلیف دہ صورتحال سناتے تو غمگین ہوتے بہت ہی رنج و قلق کا اظہار کرتے ہوئے درد انگیز لہجے میں دعا فرماتے

تھے۔ یعنی دین کی اور قوم کی بقیہ خدمتوں کی ان کے ہاں نفی تو کیا ہوتی ان خدمتوں اور ان کے کرنے والوں کی قدر ہوتی تھی، خلاف شرع کو تو بے شک وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے مگر کاموں کی اہمیت سے بے خبر بھی نہ تھے۔ پرسنل لا بورڈ ہو کہ جمعیت علماء، سماجی و سیاسی کام ہوں کہ رفاہی و دفاعی خدمات، دعوت الی الایمان کی کوششیں ہوں کہ دعوت الی اعمال الایمان کا معروف کام! حضرت والاؒ کو سب کی فکریں لگی رہتی تھیں اور سب کے حق میں دعا گورہا کرتے تھے، کسی بھی اچھے کام کی اور کسی مسلمان کے بھلے کی اطلاع ملتی تو بے انتہا خوش ہوتے تھے۔ ایک داعی ممبئی میں حضرت کی عیادت کیلئے پہنچے جو غیر مسلموں میں دعوت دین کا کام کرتے ہیں، حضرتؒ نے ان کے قیام کا، طعام کا انتظام خود کروایا، فریش ہونے کے باوجود وہیل چیر پر بیٹھ کر ان کے کمرہ تک گئے کہ خدام نے راحت میں کوئی کمی تو نہیں کی، واپسی کے وقت معتد بہ رقم اپنے جیب خاص سے عطا کی۔

جمعیت کے ہمارے ریاستی صدر حضرتؒ سے ملاقات کے لئے آئے تو انہوں نے ایک سیلاب سے متاثرہ علاقے کے احوال بتلاتے ہوئے جمعیت کی ریلیف کا بھی تذکرہ کیا، حضرت بہت ہی مغموم و محزون ہوئے، پھر جب وہ جانے لگے تو اپنے پاس سے پانچ ہزار روپے کا ان کاموں میں تعاون فرمایا۔

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے متعلقین کا بہت ہی اکرام فرماتے تھے، نیزندہ کے اچھے بُرے کی فکر ویسی ہی فرماتے تھے جیسی دارالعلوم اور مظاہر علوم کے مدرسوں کی فرمایا کرتے تھے، چنانچہ ان سب ہی جگہوں پر حضرتؒ کی بڑی عزت اور اونچا مقام تسلیم کیا جاتا تھا۔

یہ عاجز اور مولانا امیر اللہ خان صاحب مدظلہ ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، مقصد یہ تھا کہ ایک انگلش میڈیم اسکول اسلامی نقطہ نظر سے قائم کرنے کی اجازت حاصل کی جائے، اپنا منصوبہ حضرتؒ کی خدمت میں مکمل لکھ کر پیش کر دیا، ڈر یہ تھا کہ حضرت کو انگریزی الفاظ کا استعمال تک پسند نہیں انگلش میڈیم اسکول کی کیا تائید فرمائیں گے؟

مگر ہماری تحریر پر حضرت والاؒ نے جواب لکھا: ”مسرت ہوئی، بہت ضروری کام ہے، باریک اللہ تعالیٰ و تقبل اللہ تعالیٰ“

رقتِ قلبی

حضرت والاؒ مزاجاً و طبعاً بہت ہی رقیق القلب اور سرلیج التاثر تھے، مگر طبیعت پر عقل و انتظام کا غلبہ رہتا تھا، اسی طرح طبیعت میں عشق و وارفتگی بھی تھی۔ بقول حضرت مولانا حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ میرا شیخ عاشق مزاج ہے مگر حسن انتظام اس پر غالب ہے لوگ خشک مزاج سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ بارہا اس کا تجربہ ہوا، کسی بھی مسلمان کی تکلیف سن نہیں پاتے تھے، چہرہ متغیر ہو جاتا، آنکھوں میں آنسو آ جاتے، بعض دفعہ خطوط پڑھتے ہوئے بھی یہی کیفیت ہو جاتی تھی۔ او آخر ایام میں ایک دفعہ فرمانے لگے، جو فون آتا ہے کوئی تکلیف دہ خبر لے کر آتا ہے جو آدمی ملتا ہے کوئی پریشانی ہی ظاہر کرتا ہے، سوچتا ہوں میں اس کی کیا مدد کر سکتا ہوں، دل و دماغ پر اثر رہتا ہے ایسی حالت میں اب میری صحت سنبھلے تو کیسے سنبھلے؟

● والد ماجدؒ کے احوال میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں کہ جب میں نے ان کی اس تشویش کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ذکر کیا کہ ”کام کے زمانے میں نہ معلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو میری طرف سے کتنی تکلیفیں پہنچی ہوں گی“ تو یہ سن کر حضرت بے چین ہوئے، آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا: ”انتظامی ضرورت سے ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں ورنہ میرے دل میں تو کچھ نہیں رہتا“۔

● ہمارے بچپن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ عصر بعد کی مجلس میں ”نزہۃ البساتین“ نامی ایک کتاب سناتے تھے جس میں اہل اللہ کے واقعات ہوا کرتے تھے، بعض بعض واقعات تو گریہ کی وجہ سے سنا نہیں پاتے تھے دونوں آنکھوں سے آنسو ڈھلکتے رہتے تھے۔ عام بیانات میں بھی لڑکیوں پر مظالم، شادی بیاہ میں تاخیر وغیرہ کا ذکر نکلتا تو آواز گلوگیر ہو جاتی، آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔

● ایک دفعہ حضرت امی جان صاحبہؒ کے حکم سے حضرت کے کمرہ کی صفائی کر رہا تھا،

ایک نئی قالین بہت دن سے چارپائی کے نیچے رکھی ہوئی تھی، جب اسے نکال کر صفائی کرنے کے لئے کھولا تو اس میں سے چوہے کے چھوٹے چھوٹے بچے نکلے، چوہیا بھاگ کر دور چلی گئی مگر وہ بے چینی سے پکار رہی تھی، میں انہیں مارنے کے لئے کوئی چیز ڈھونڈ رہا تھا کہ حضرت تشریف لے آئے، مجھے وہ منظر خوب یاد ہے کہ حضرت کو چوہیا کے ان بچوں کا مارنا گوارا نہیں ہو رہا تھا حالانکہ اس نے قیمتی قالین کھا کھا کر جگہ جگہ سے خراب کر دی تھی، حضرت نے پہلے تو فرمایا ”ارے یہ کیا کر رہے ہو؟“ پھر پلٹ کر باہر چلے گئے میں نے اپنا کام کر لیا۔ ایسے بہت سے واقعات حضرت کے خود دیکھے اور بڑوں سے سُنے، یہ تو آپ نے بہت لوگوں سے سنا ہوگا کہ حضرت ایک جگہ وضو فرمانے کے لئے بیٹھے وہاں چیونٹیاں نظر آئیں تو یہ فرما کر اٹھ گئے کہ کہیں پانی کے بہاؤ سے یہ ایک دوسرے سے بچھڑ نہ جائیں، چیونٹیوں کی حساسیت تو خود قرآن کریم سے ثابت ہے، حضرتؒ کا احساس و شفقت قابلِ عبرت ہے۔

غیرتِ قومی

حضرت محی الدینؒ دین اور اہل علم کا اپنی تہذیب کو چھوڑ کر جدید فیشن کو اور بدلتی ہوئی تہذیب کو اختیار کرنا بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، خصوصاً علماء اگر روزمرہ کی بول چال میں بلا ضرورت انگریزی الفاظ استعمال کرتے تو فوراً ٹوکتے تھے، اصلاً حضرتؒ اس کو اپنی تہذیب کی ناقدری اور غیرت کی خلاف ورزی سمجھتے تھے۔

● ایک دفعہ گجرات سے کچھ نو فارغ علماء ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے، عصر بعد ان لوگوں کو چاء پر طلب فرمایا، ایک عالم صاحب دیر سے پہونچے، ان سے پوچھا کہاں چلے گئے تھے؟ انہوں نے کہا گیٹ پر ہی کھڑا تھا، فوراً فرمایا ”اچھا کس کالج میں پڑھ کر آئے ہو؟ تم کو پھاٹک کہنا نہیں آتا؟“ میں نے بارہا محسوس کیا کہ یہ غیرت حضرت کو انگریزی تعلیم یافتہ طبقے پر نہیں آتی تھی کہ انہوں نے تعلیم ہی وہ حاصل کی ہے البتہ اہل مدارس اور علماء سے ایسی باتوں کو گوارا نہیں فرماتے تھے، اس کو غیرت کے خلاف سمجھتے تھے۔

● میں نے حضرت حکیم اختر صاحب مدظلہ کے اشارہ و ایما پر کتابوں کی تجارت

شروع کی تھی، دوکان کا نام ”ابراہیم ڈپو“ رکھا، اس کا کوئی مطبوعہ رسالہ حضرت کے ہاتھ لگا، فوراً مراسلہ لکھوا کر جواب طلب فرمایا کہ اس مکتبہ میں کس کے نام کی نسبت ہے؟ اگر میرے نام کی نسبت ہے تو یا تو بک ڈپو بدل کر مکتبہ لکھا جائے یا میرا نام بدل کر کسی اور کا لکھ لیا جائے۔ احقر نے اس کا نام بدل کر ”مکتبہ فیض ابرار“ رکھا اور اطلاع کر دی، ساتھ ہی اپنی غفلت پر معذرت خواہی بھی کی، جواب میں تحریر فرمایا کہ ”مسرت ہوئی، معاف ہے دعا کرتا ہوں“ یہ بھی ہدایت دی کہ ”حیوۃ المسلمین“ کی روح ۲۵ کا مطالعہ کریں۔ میں نے مطالعہ کیا تو واقعی اندازہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو قومی و تہذیبی امتیاز کا کتنا لحاظ تھا، اسی کا اثر اس سچے متبع سنت کے مزاج پر پڑا تھا۔

ایک مرتبہ ہردوئی میں کوئی غیر مسلم عہدہ کے ملاقات کیلئے حاضر ہونے والے تھے، اس وقت حضرتؒ کی مجلس چل رہی تھی، حضرت نے خدام سے یہ فرما کر کہ: ”وہ آجائیں تو یہاں چار پائی پر بٹھا دو“، خود اندر چلے گئے، پھر جب ان لوگوں کے آجانے کی اطلاع ملی تو باہر آئے، وہ شخص فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا، پر تپاک استقبال کیا، حضرتؒ نے اس کو بھی بٹھایا خود بھی بیٹھ گئے، وہ شخص تھوڑی دیر بات کر کے دعا لے کر چلا گیا، بعد میں حضرت نے ہم لوگوں سے فرمایا: میں وہیں بیٹھا رہتا اور وہ شخص آجاتا تو یہ آزمائش تھی کہ اٹھ کر اکرام نہ کرتا تو بڑی بے تہذیبی سمجھی جاتی اور کرتا تو ایک عالم کا غیر مسلم کے اکرام کیلئے کھڑے ہونا مناسب نہ ہوتا، اللہ پاک نے دل میں بات ڈالی کہ اندر چلے جانا چاہئے، جب میں انکے آنے کے بعد میں آیا تو انہوں نے خود اٹھ کر ملاقات کی، اس طرح ان کی بھی توہین نہ ہوئی اور ہمارا مقام بھی متاثر نہ ہوا۔ (مفہوم کلام) ایسے موقعوں پر حضرتؒ کی فہم و فراست تیز کام کرتی تھی، اور ایسا بین بین راستہ نکال لیتے تھے کہ کھٹک باقی نہ رہے، ایک مرتبہ فرمایا: میرا معمول ہے کہ آزمائشی موقعوں پر دل دل میں مشائخ سلسلہ کے توسل سے دعا کر لیتا ہوں اللہ پاک فوری مدد فرماتے ہیں۔

حسن معاشرت

● ایک دفعہ حیدرآباد میں دسترخوان پر ایک نواب صاحب کی طرف سے ”حسین“ آئی

ہوئی تھی، بمبئی کے ایک اہل تعلق بھی ساتھ میں کھارہے تھے، انہیں یہ ڈش بہت اچھی لگی، وہ بار بار کہتے جاتے تھے کہ حضرت یہ بہت مزیدار ہے اور وہی کھاتے جاتے تھے، ایک آدھ مرتبہ حضرت نے ”اچھا“ فرمایا اور خاموش ہو گئے، مگر جب متعدد مرتبہ انہوں نے وہی نکال کے کھایا تو خفا ہو گئے اور فرمایا ”آپ کی اتنی عمر ہو گئی اجتماعی طور پر کھانے کا سلیقہ نہیں آیا، اگر کوئی چیز اچھی ہے تو تم ہی سب کھا جاؤ گے؟ دسترخوان کے دوسرے بھائیوں کا کچھ خیال نہ کرو گے؟ بہت بد تمیزی کی بات ہے۔“ بعد میں ان صاحب نے مجھ سے خود کہا کہ واقعی اتنی عمر ہو گئی، منہ سے دانت جھڑ گئے مگر اتنی موٹی بات بھی نہیں سیکھ سکا، میری کمزوری یہ ہے کہ کوئی چیز اچھی دیکھی تو کھاتا ہی چلا جاتا ہوں اور کسی کا خیال نہیں کرتا، اگر حضرت نہ سکھائیں تو ہم یوں ہی جنگلی رہ جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تاثر ان صاحب کے ظرف اخلاص اور بزرگوں سے سچے تعلق کی بات ہے ورنہ آج کل کے مریدین کہاں اتنا تحمل کر پاتے ہیں، اسی دن بغاوت کر کے بھاگ نکلتے ہیں۔

● ایک مرتبہ ہردوئی میں حضرت والہ کے گھر پر متعدد مہمان تھے، دسترخوان پر شامی کباب بھی آئے، آتے ہی ایک صاحب نے دو عدد اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لئے، حضرتؒ نے دیکھ لیا تو فرمانے لگے: جناب! آپ نے دو عدد کیسے لے لئے؟ یہی رفقاء کا حق ہے؟ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ سب کو دو دو مل سکتے ہیں۔ اگر گنجائش ایک ایک ہی کی ہو تو بعض کو ایک بھی نہیں ملے گی بعض دو دو کھا جائیں گے، ایسے مواقع پر دوسروں کے حق کی رعایت کرنی چاہیے، یہی اسلامی تعلیم ہے۔

● حضرت علاج کے سلسلہ میں ”ابراہیم پیاس بمبئی“ میں تشریف فرما تھے، قیام سب سے اوپر کی منزل میں تھا، عیادت و ملاقات کے لئے آنے والوں کا ایک سلسلہ تھا کہ صبح سے شام تک تھمنے کا نام نہ لیتا، بلڈنگ میں دیگر لوگوں کا قیام بھی تھا، مسلم بھی تھے غیر مسلم بھی تھے، لفٹ دو تھیں مگر چھوٹی تھیں، جو بلڈنگ والوں کے لئے تو کافی تھیں مگر اس بھیڑ کے اعتبار سے بالکل ناکافی! جو آتا خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان لفٹ ہی استعمال کرتا، اسکی گنجائش جتنی تھی اس

سے زائد افراد گھس جاتے تھے، بے چارے رہائشی لوگ تو حضرت کی شخصیت سے واقف ہو کر خود ہی لفٹ کے بجائے زینے کا استعمال کر لے رہے تھے، کسی کسی کو شکایت بھی ہو رہی تھی، خود بلڈنگ کے اُوزر بھی بار بار تاکید کر رہے تھے کہ متعینہ تعداد ہی میں لفٹ کا استعمال کریں مگر کوئی ماننے کو نہیں تھا، حالانکہ آنے والوں کی اکثریت علماء صلحاء اور خواص ہی کی تھی۔ بہر حال! حضرت والا کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی حضرت نے مجلس میں بڑی تاکید سے اس طرف توجہ دلائی مگر کوئی اثر نہ ہوا، کئی دفعہ لفٹ فیل ہو گئی، جان کے لالے پڑ گئے مگر پھر وہی حال۔ حضرت والا جو چیونٹیوں کی تکلیف بھی گوارا نہ فرما سکتے تھے انسانوں اور بالخصوص میزبانوں حتیٰ کہ غیر مسلموں کو پہنچنے والی اس تکلیف دہ صورت حال سے مضطرب اور بے چین رہنے لگے، ایک دن تو اپنے خلیفہ حضرت عبدالرحمن صاحب کولفٹ میں لوگوں کو لانے لے جانے پر مامور فرمایا، پھر ایک دن مشورہ کیلئے چند قریبی لوگوں کو طلب کیا، یہ عاجز بھی اس میں ہٹا، بڑے دردناک لہجے میں پوچھا آخر تم لوگ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ ہم لوگوں نے عرض کیا: حضرت! جب سے ہدایت ملی ہے ہم لوگ تو لفٹ استعمال ہی نہیں کر رہے ہیں، زینے سے آ جا رہے ہیں، فرمایا اچھا! پھر دوسرے لوگ ایسا کیوں نہیں کر رہے ہیں؟ ہم نے طبقہ اہل علم — طلبہ و علماء — کی خود غرضی و نفس پرستی کی جو افسوسناک صورت اس وقت دیکھی اسکی تفصیل بے موقعہ ہے اس وقت عرض کرنا صرف یہ ہے کہ حضرت والا نے معلوم ہوا کہ واپسی کے وقت یا اس عمارت سے منتقلی کے دن تمام عمارت والوں کو چاء پانی پر مدعو کر کے بہ نفسِ معذرت خواہی فرمائی کہ ”میرے لوگوں کی وجہ سے اتنے دن تک آپ لوگوں کو زحمت ہوتی رہی، میں اس سے شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں“..... اللہ اکبر! یہ ہے حسنِ معاشرت اہل اللہ کی۔

ترحم و تغمم

● حکیم وصی اللہ صاحب پرنا منیٰ حکیم محمد امین صاحب (خلیفہ حضرت والا) کے فرزند ہیں، ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے کہ جب میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو گھر اور

مطب کی ذمہ داریاں میرے سر پڑ گئیں، والد کے زیر علاج جو مریض تھے وہ بھی ان کے بعد منتشر ہو گئے، میں نو فارغ اور نو آموز طبیب تھا لوگوں کو زیادہ رجحان نہ ہوا، دیکھتے دیکھتے معاشی حالت اس قدر خستہ ہو گئی کہ بیان سے باہر تھی، حضرت کے پاس جانا چاہتا تھا مگر ٹرین کا ٹکٹ خریدنے کی بھی سکت نہ رہی، ہمت ہار گیا اور تمام صورتحال پر مشتمل ایک خط حضرت کی خدمت میں لکھ کر پوسٹ کر دیا، حضرت حج کیلئے جا رہے تھے میرا خط بھی خطوط میں رکھ لیا، حرم شریف پہنچ کر جب خط پڑھا اور حالات معلوم ہوئے تو حضرت بہت متاثر ہوئے۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ ”تمہارے حالات معلوم ہو کر قلق ہوا، دعا کی توفیق ملی، ابھی طواف کر کے تمہارے لئے دعا کروں گا، انشاء اللہ اللہ تعالیٰ راستے کھولیں گے“ یہ ایک مرید پر حضرت والا کی شفقت کا حال ہے، حکیم صاحب کہتے ہیں بس اسی کے بعد سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رستے کھلتے چلے گئے، کہیں تو ہر دوئی تک ٹرین سے پہنچنے کی بھی سکت نہ تھی، اور کہیں چند مہینے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے قابل ہو گیا اس وقت سے تا ہنوز برکت ہی برکت ہے۔

● برادر محترم مفتی عبدالغنی صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ مقامی مجلس دعوت الحق کے ذمہ دار بنائے گئے تھے اس وقت ان کے اور ماتحت ذمہ دار کے درمیان میں اتفاق رائے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ شکایت ہو گئی تھی، اس مسئلہ کی یکسوئی کے لئے حضرت نے اپنے ایک معتمد نمائندہ کو مقرر فرمایا، انہوں نے مناسب یہ سمجھا کہ دونوں سے استغفیٰ لے لیا جائے اور پھر حضرت سے از سر نو تجویز کرائی جائے۔ چنانچہ مفتی صاحب نے یہ کہتے ہوئے استغفیٰ دیدیا کہ یہ ذمہ داری حضرت کی سپرد کی ہوئی تھی میں اگرچہ خود سے دستبردار اور مستغفی ہونا نہیں چاہتا تھا مگر آپ کی ہدایت پر استغفیٰ دے رہا ہوں۔ اس کے بعد انتظامات میں جو رد و بدل ہونا تھا ہو گیا۔ مفتی صاحب کا بیان ہے کہ چند دن کے بعد حضرت ہی کا اچانک فون آیا اور حضرت نے پوچھا کہ تم کو ایک کام سپرد کیا گیا تھا تو تم نے اس سے استغفیٰ کیوں دیا؟ میں نے عرض کر دیا کہ میں نے اپنی خوشی سے نہیں بلکہ فلاں صاحب کی ہدایت پر دیا ہے۔ اس پر ارشاد

ہوا تمہارے مصلح وہ ہیں یا میں ہوں؟ کون ہے تمہارا مصلح؟ عرض کیا گیا کہ حضرت والا ہی ہیں، فرمایا پھر مجھ سے پوچھا تھا؟ مشورہ لیا تھا؟ کچھ اور تنبیہ و ناراضگی ظاہر فرمائی، بات ختم ہو گئی۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے فطری طور پر ان صاحب پر غصہ آیا کہ میرے نہ چاہنے کے باوجود مجھ سے استعفیٰ حاصل کر لیا جو حضرت کی ناراضگی کا سبب ہو گیا۔ جی چاہا کہ ابھی فون کر کے ان سے شکوہ کروں مگر قبل اس کے کہ میں ان سے فون پر ربط کرتا، دوبارہ حضرتؒ کا فون آیا اور ارشاد ہوا کہ ”اب تم انہیں کچھ نہ کہو، نہ کچھ پوچھو، وہ دل کے مریض ہیں کہیں اس کا اثر نہ لے لیں۔“

سبحان اللہ! کیا شان ہے تربیت بھی ہو رہی ہے تنبیہ بھی کی جا رہی ہے، ساتھ ہی ان زیر تربیت لوگوں کی تکلیف و زحمت کا لحاظ بھی کیا جا رہا ہے، آخر یہ بھی تو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے کہ حکم رب کی تعمیل میں ہاتھ کاٹنے کا حکم بھی دیا جا رہا ہے اور امتی کے ہاتھ کٹنے پر بے چینی و بے قراری کا اظہار بھی کیا جا رہا ہے۔

● ایک مرتبہ میں نے لکھا کہ صحت آج کل ناساز رہتی ہے، بعض دوستوں کی تشخیص ہے کہ سحر کا اثر ہے دعا کی درخواست ہے۔ حضرت نے جواب لکھا کہ علاج توحب سے کرایا جائے، وہاں نہ سمجھ میں آئے تو ہر دوئی چلے آئیں یہاں سے انتظام کر دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک مرتبہ گردوں کے ضعف کی شکایت دعا کے سلسلہ میں لکھی تو لکھا کہ اس مرض کو معمولی نہ سمجھا جائے صحت مقدم ہے تعلیم کو موخر کیا جاسکتا ہے، اس میں کمی کر دو، تحمل کے موافق معاملہ رکھو، معالج کے مشورہ پر عمل کرو اور پرہیز کا اہتمام ضروری ہے۔

● ہمارے مدرسہ میں ایک علاقے کے نوجوان طالب علم صحیح کرنے کے لئے آئے تھے، وہ جرائم مزاج آدمی تھے، کئی جگہوں پر رہ چکے تھے، ہر جگہ کچھ نہ کچھ کا رنامہ کر کے آئے ہوئے تھے، ہمیں اطلاع نہ تھی، ان کی آمد کے بعد مدرسہ میں سرقہ کی چند واردات پیش آئیں، جس سے سب پریشان تھے، میرے غیاب میں چند اساتذہ نے راتوں میں نگرانی کر کے تفقد کیا تو یہی موصوف پکڑے گئے، چونکہ کئی دن سے حیرانی چل رہی تھی ان اساتذہ

نے ان کی اچھی خاصی پٹائی کر دی، صبح میں سفر سے لوٹا، صورتحال معلوم ہوئی تو اس کی فکر کر ہی رہا تھا کہ اس کے علاقے والوں کو معلوم ہو گیا، وہ اطراف و اکناف سے شہر میں اکٹھے ہوئے، اپنی یونین بنائی اور فوری طور پر پولیس کارروائی شروع کر دی اور یہ طے کیا کہ مدرسہ بسند کروائیں گے، چنانچہ تمام جماعتوں کے امراء اور سیاسی قائدین تک اس واقعے کو ایک افسانوی شکل میں مرتب کر کے پہونچایا گیا، جلسوں میں پمفلٹ تقسیم کئے، ملک کے تمام مراکز دینیہ کو یہ پمفلٹ پوسٹ کیا، اسی ضمن میں حضرت والا کو بھی فون کر دیا، میں پولیس کارروائی کا سامنے کرنے میں مشغول تھا، مدرسہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فون آیا تھا، اس زمانے میں فون کی سہولت نہ تھی، STD بوتھ جا کر حضرت کو فون ملایا تو فرمایا: ایسی اطلاع ملی ہے کیا حقیقت ہے؟ کوئی فکر کی بات تو نہیں؟ میں نے محسوس کیا کہ حضرت والا اس حادثے سے متاثر تو تھے ہی مدرسہ اور احقر کی طرف سے بھی متفکر تھے، میں نے حضرت کو بتلادیا کہ واقعہ مختصر سا ہے، وہ کوئی چھوٹا لڑکا نہیں ہے نوجوان ہے صحتمند ہے کوئی خطرہ کی بات نہیں، البتہ علاقائی تعصب بڑھتا جا رہا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تو یہ تاکید فرمائی کہ ”تمام اساتذہ کو جمع کر کے اس سلسلہ میں تنبیہ کی جائے، اور تادیب ضربی سے روک دیا جائے“ دوسرے مجھ سے فرمایا: ”میں دعا کرتا ہوں اطمینان رکھیں، پریشان نہ ہوں“ اور اللہ کا کرم ہے کہ حضرت والا کی دعاؤں کی بدولت ان حضرات نے جتنی اوپر سے اور جتنی سخت کارروائی کی تھی اتنی ہی طاقت سے اس کے جرائم کا بھانڈا پھوٹا، پولس کے اعلیٰ افسر کے روبرو اپنے ہاتھ سے چوری کے، بدکاری کے کئی ایک جرائم کا اعتراف تحریر کیا، اور مدرسہ کی سزا کے بارے میں وضاحت کی کہ اس سے کوئی زخم یا سخت ایذا نہیں پہونچی تھی۔ اس کے بعد ہر دوئی پہونچ کر میں نے سب مسائل کے ختم ہو جانے کی اطلاع دی اور اس لڑکے کے بھی بالکل ٹھیک اور صحتمند ہونے کا ذکر کیا تو حضرت والا مطمئن اور خوش ہو گئے۔

حلم و بردباری

● ایک دفعہ حیدرآباد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے مسائل میں گھرے ہوئے تھے اور

طبیعت پر انقباض تھا، مولانا سید حسین صاحب قاسمی امام جامع مسجد گلبرگہ ملنے کیلئے آگئے، میں نے عرض کیا تو اجازت دیدی، وہ سفید ریش اور معمر عالم تھے، انہوں نے بیٹھتے ہی گفتگو شروع کر دی کہ حضرت! آپ نے مجھے پہچانا؟ میں جب جوان تھا دارالعلوم سے فارغ ہو کر آیا تھا، ہماری مسجد کی کمیٹی والوں نے تصحیح کرنے کے لئے ہر دوئی بھیج دیا، میں آنے کو آ تو گیا مگر جب حضرت کی روک ٹوک جاہ و جلال دیکھا تو پریشان ہو گیا، میں سوچا کہ میں ایک عالم دین دارالعلوم دیوبند کا فارغ اور نورانی قاعدہ لے کے بچوں میں بیٹھوں؟ یہ تو نہیں ہو سکتا وغیرہ۔ مسلسل بولتے چلے گئے وہ بھی خالص دکنی لہجے اور الفاظ میں، ان کی باتوں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت مسرور ہوئے اور مسلسل ہنستے رہے، یہ اگرچہ بے وقت اور بے اصول مداخلت تھی مگر حضرت والا ان کی عمر اور علم کے احترام میں گوارا فرماتے رہے، محفل کا رنگ ہی بدل گیا۔

● ایک دفعہ حیدر آباد ہی میں حضرت کے ایک خلیفہ کے داماد نے..... جو ابھی ابھی دعوت و تبلیغ کے بیرون سفر سے واپس ہوئے تھے..... عصر کی نماز کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے ملاقات کر کے یہی سوال چھیڑ دیا کہ آپ کے مدرسہ والے تبلیغ کا کام کیوں نہیں کرتے، سائل بالکل نو جوان تھے مگر ان کی گفتگو میں عمر اور مقام کا لحاظ تھا اور نہ ہی طالبانہ و سائلانہ انداز تھا، وہ جیسے سوچ سمجھ کر بحث کرنے اور غلطی منوانے آئے ہوں مسلسل جرح کرتے جا رہے تھے، حضرت والا بہت ہی حلم و بردباری سے ان کی ہر بات کا جواب دیتے جا رہے تھے، جب قیام گاہ پر پہونچے تو بات ابھی چل رہی تھی حضرت صحن ہی میں رک کر بات کرتے رہے، کافی دیر ہوئی، ہم لوگوں کو بھی بلا وجہ کی یہ بحث اچھی نہیں لگ رہی تھی اور دیر سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قیام سے اور بے چینی ہو رہی تھی، کرسی لا کر رکھی گئی لیکن ایک ہی ہونے کی وجہ سے حضرت اس پر نہیں بیٹھے، کھڑے کھڑے ہی گفتگو فرماتے رہے، ہر بات کا معقول اور واضح مثالوں سے جواب دیتے تھے، مگر ان کو نہ ماننا تھا اوٹ پٹانگ بکتے رہے، بالآخر لوگوں کو مداخلت کر کے انہیں دوسری طرف لے جانا پڑا۔

● حیدر آباد کے ایک اچھے خطیب اور قاری جو پہلے حضرت کے بیانات میں بھی شریک رہتے تھے ملاقات کی اجازت لے کر حاضر ہوئے، اندر بلائے گئے، وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے

جماعت اسلامی اور مودودی صاحب سے اختلاف کی وجہ دریافت کرنا چاہتے تھے، حضرت نے فرمایا ”ہمارے بڑوں نے سوچ سمجھ کر اس جماعت کو صراطِ مستقیم سے منحرف قرار دیا ہے“ یہ خطیب صاحب بہت ذہین اور علاقے میں مقبول تھے، اس بارے میں حضرت ”سے کچھ کہلوانا چاہتے تھے یا پھر قائل کرانا چاہتے تھے، ہیر پھیر کے اسی سے متعلق سوالات کرتے رہے، کبھی مودودی صاحب کی علمی و فکری عظمتوں کا ذکر کرتے کبھی جماعت کے انقلابی دعوؤں کو سناتے اور کبھی عملی و دعوتی مساعی کی مثالیں دیتے مگر مجھے یاد ہے کہ پوری گفتگو میں حضرت نے اس کے علاوہ کوئی جواب نہ دیا کہ بھی! یہ کام علماء کا ہے، ہمارے بڑوں نے پوری تحقیق اور دیانت کے ساتھ اس جماعت کو ”صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی قرار دیا ہے، صراطِ مستقیم سے ہٹی ہوئی جماعت“ کے علاوہ کچھ بولتے ہی نہ تھے، وہ بے چارے نہ کچھ کہلواسکتے تھے نہ منواسکتے تھے جزبزن ہو گئے، اجازت لے کر واپس چلے گئے۔

● ایک دفعہ حیدر آباد کے ایک دیندار تاجر جن کے بچے ہردوئی میں پڑھ چکے تھے، کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے حضرت ان کے مکان پہنچے، ہم لوگ بھی ساتھ تھے، وہ میز پر قرآن مجید رکھ کر تلاوت کر رہے تھے، حضرت بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے، وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے تو قرآن مجید کو ایسے ہی بغیر جزدان آگے رکھی ہوئی کتابوں پر رکھ دیا، حضرت نے قرآن مجید کی عظمت ظاہری کے معاملہ میں بھی بہت غیور تھے، حسبِ معمول توحبِ دلائل، قرآن کریم عام کتاب نہیں وہ احکم الحاکمین اور محسنِ اعظم کا کلام ہے، اس کے ساتھ امتیازی معاملہ کرنا چاہیے، جزدان میں رکھا جائے، سب کتابوں سے علاحدہ اور ممتاز رکھا جائے، وہ صاحب ہر جماعت سے وابستہ تھے اور معلومات بھی بہت تھیں، اس نصیحت پر اپنی قابلیت دکھاتے رہے اور توجیہات کرتے رہے، حضرت نے خاموشی سے سن لیا اور صحت کے بارے میں پوچھ کے اور مسنون دعا پڑھ کے واپس ہو گئے۔

تفہیم کا انداز

حضرت والا کی ایک خاص خوبی یہ تھی کہ اکثر اپنی باتوں کو عام فہم مثالوں سے آسان

کر کے سمجھاتے تھے، مثالیں بھی ان کے ذہن میں بہت جلدی آ جاتی تھیں، چند مثالیں اس صفت کی بھی پیش ہیں۔

ایک صاحب نے حضرت والا سے تنگدستی اور پریشاں حالی کی شکایت کر کے کچھ وظیفہ بتلانیکی خواہش کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں کوئی دعایا ذکر بتلادیا، ایک سال بعد وہ صاحب پھر ملے تو کہنے لگے کہ آپ نے مجھے ایک ذکر بتلایا تھا وہ ایک سال سے کر رہا ہوں، اس کے علاوہ بھی اذکار و وظائف پڑھ رہا ہوں مگر مسائل حل ہوتے دکھائی نہیں دیتے ہیں، پریشانی جوں کی توں ہے، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:۔ چار وظیفے رزق میں برکت کے پڑھ رہے ہیں مگر یہ بھی دیکھ لیا کہ کہیں آٹھ کام رزق میں بے برکتی کے تو نہیں ہو رہے ہیں؟ اذکار و ادعیہ کی برکت جیسے مسلم ہے معاصی و مناہی کے نتائج بھی تو یقینی ہیں۔

مثال: ایک موٹی رسی ہو اور چار آدمی ایک طرف کھینچ رہے ہوں اور آٹھ آدمی دوسری طرف تو بتلائیے کہ رسی کدھر جائیگی؟ ظاہر ہے کہ جدھر آٹھ ہیں ادھر جائیگی۔

ایک صاحب ایک مخصوص جماعت کے کارکن تھے، انہوں نے شکایت کی کہ آپ اور آپ کے لوگ اس کام میں حصہ نہیں لیتے حالانکہ یہ بہت ضروری کام ہے اور سب سے اہم کام ہے وغیرہ اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

دین مقصود ہے طریق مقصود نہیں، ہاں طریق کا مشروع ہونا ضروری ہے، اور دین حاصل کرنے دیندار بننے کے مشروع طریقے متعدد ہیں، جس شخص میں دینداری پیدا ہو رہی ہو اس کو مقصود حاصل ہو رہا ہے، خواہ وہ اس کے اندر دینداری مدارس کے ذریعہ سے پیدا ہو رہی ہو، خواہ خانقاہوں کے ذریعہ، خواہ دعوت و تبلیغ کے ذریعہ۔ پس معلوم ہوا کہ اصل ”دین“ ہے طریقہ نہیں، ہاں جس کو جس طریق سے مناسبت ہو اور سہولت زیادہ محسوس کرے وہ اس طریق کو اختیار کرے اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

مثال: آپ کے وطن کی جامع مسجد میں تین دروازے ہیں، مثلاً عصر کی اذان ہوئی لوگ مسجد پہنچ کر جماعت میں شریک ہو گئے اور نماز پڑھ لی، ان نمازیوں میں سے بعض

لوگ مشرقی دروازے سے آئے، بعض شمالی سے، بعض جنوبی سے، اب ان سب کی نماز اور جماعت معتبر ہوگی یا پھر صرف ان لوگوں کی جو آپ کے داخل ہونے والے دروازے سے داخل ہوئے، ظاہر ہے کہ سب کی معتبر ہوگی، اسلئے کہ مقصود نماز باجماعت تھا راستہ نہیں۔

ایک مرتبہ کار میں تشریف لے جا رہے تھے، اسی چل رہا تھا پھر بھی گرمی ہو رہی تھی، ڈرائیور نے کہا کہ کوئی گلاس کھڑکی کا کھلا تو نہیں رہ گیا۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ ایک طرف کا شیشہ کھلا ہوا تھا، فوراً بند کیا گیا اور کار ٹھنڈی ہونے لگی۔

فرمایا: یہی حال دل کا ہے، آدمی نیکی تو کر رہا ہے مگر گناہوں سے بچنے کی فکر نہ کر رہا ہو، آنکھوں کا شیشہ کھلا رہ گیا، کانوں کا شیشہ کھلا رہ گیا تو دل میں ذکر و فکر سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ ظاہر ہو نہیں پاتا، اور اس کے فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

ایک مرتبہ مسجد میں طلبہ شور کر رہے تھے تو اس پر فرمایا کہ: مسجد کا بہت احترام کرنا چاہئے، باتیں اور شور شرابہ نہیں کرنا چاہیے، ایسا کام نہ کرنا چاہئے کہ کسی کو تکلیف ہو۔
مثال: دیکھو فرشتے بھی مسجد میں آتے ہیں، عبادت کرتے ہیں، لیکن نہ شور کرتے ہیں نہ کسی کو کوئی تکلیف دیتے ہیں، فرشتوں کی طرح مسجد میں رہا کرو۔

فرمایا کہ آدمی اگر علم تو خوب حاصل کرے مگر عمل نہ کرے تو ایسے علم سے اسکو کیا فائدہ؟
الٹا یہ علم اس کے لئے حجت ہے جب تک اس علم پر خود عمل نہیں کرے گا تب تک راہِ خدا میں اس کی گاڑی چل نہیں سکتی۔

مثال: پٹرول ٹینکر کو دیکھو اپنی پیٹھ پر ہزاروں گیلن پٹرول لادا ہوا ہے، مگر چل نہیں رہا ہے کیوں کہ خود اس کے اندر پٹرول نہیں ہے، اسے پیٹھ پر اتنا پٹرول لادے ہوئے ہونے کے باوجود پٹرول پمپ جا کر اپنی ٹینکی میں پٹرول ڈلوانا پڑتا ہے۔

فرمایا: دین کے معاملہ میں اگر اپنے بڑے بزرگ بھی غلطی کر رہے ہوں تو حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے ادب سے نکیر کرنا چاہئے۔

مثال: آپ کے چچا والد استاذ وغیرہ باتیں کر رہے ہوں اور چائے میں مکھی گر گئی

چچانے باتوں میں اس طرف توجہ نہیں کی اور آپ دیکھ رہے ہیں تو کیا آپ محض بڑے ہونیکے وجہ سے انہیں مکھی پی لینے دیں گے یا ادب سے توجہ دلائیں گے؟۔ ظاہر ہے کہ توجہ دلائیں گے، یہی معاملہ دین میں بھی ہونا چاہیے۔

فرمایا کہ: تلاوت کلام پاک میں معروف و مجہول کا خاص خیال رکھنا چاہئے زیر و پیش کی آواز صحیح ہونی چاہئے۔

مثال: زیر کی آواز جیسے انگریزی اسم لفٹ Lift کے لام میں ہے۔ اور پیش کی آواز جیسے انگریزی ہندسہ ٹو Two کے ٹ میں ہے۔

فرمایا کہ: معروف و مجہول سے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کلام میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، کم از کم صاحب کلام کو تو نہج بد لئے سے تکلیف ہوگی، دیکھئے اردو میں بھی بعض الفاظ غلط بولنے سے کیسی کراہت ہوتی ہے۔

مثال: اگر کوئی شخص ”گو بھی“ (جو ایک ترکاری ہے) کھا کر آیا ہو، پوچھنے پر اس کو معروف بولے تو کیسی کراہت ہوگی!

حقوق العباد کی ادائیگی

مسلمانوں کے شرعی حقوق کا بڑا اہتمام تھا، مثلاً سلام میں سبقت فرماتے تھے، دوسروں کو بھی اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، بیمار پر سی حق مسلم ہے، حضرت والا میں اس کا بڑا اہتمام پایا جاتا تھا، سفر میں بھی جہاں جاتے اگر کسی اہل تعلق کے بارے میں بیماری کی اطلاع رہتی تو ان کی عیادت کو اپنے نظام میں شامل فرما لیتے تھے، بعض دفعہ تو وہاں پہونچ کر پہلا کام عیادت کا کرتے تھے اور اس سنت پر عمل کی بڑی عجیب و غریب برکات دیکھنے میں آتی تھیں۔

● حیدرآباد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رئیس کو مدرسہ فیض العلوم کی کمیٹی میں شامل فرمایا تھا، وہ بیمار تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی اطلاع ملی، اتفاق سے انہی دنوں حیدرآباد آنا ہوا، ریلوے اسٹیشن سے سیدھے ان ہی کے ہاں گئے، عیادت کی مسنون دعا پڑھی اور چلنے کیلئے اجازت چاہی، دوسرے لوگوں کے نکلنے کے بعد ان کو داڑھی کے سلسلہ میں بہت سوز و شفقت سے

توجہ دلائی، انہوں نے با دام تحفے میں دینے چاہے تو اپنا معمول بتلا کر کہ سفر چونکہ دین کی نسبت سے ہوتا ہے اس میں ہدایا وغیرہ سے اجتناب کرتا ہوں، قبول کرنے سے معذرت فرمادی۔ بعد میں ان رئیس صاحب سے میں نے خود سنا کہ وہ عیادت کے اس عمل سے بہت متاثر ہوئے یہ بھی کہا کہ اتنے علماء میرے پاس آتے ہیں اپنا چندہ لے جاتے ہیں مگر آج تک مجھے کسی نے داڑھی کے لئے توجہ نہیں دلائی، یہ مولانا اتنی محبت کرتے ہیں، ہمارا حق ادا کرتے ہیں ہم سے کچھ نہیں لیتے اور ہم کو دین سکھاتے ہیں۔

● حضرت کے ایک خاص خادم اور خلیفہ مجاز صوفی عبدالرحمن صاحب ہیں، ان کے والد مرحوم اہل بدعت میں سے کسی بے نمازی و بد عقیدہ شیخ کے مرید تھے، خود تو بہت پابند صوم و صلوة، شب بیدار و تہجد گزار تھے مگر عقیدت مند اسی گمراہ پیر کے تھے، ان کو اطلاع ملی کہ ان کے پیر اسی محلے میں کسی مرید کے گھر دعوت میں آنے والے ہیں، انہوں نے اس خوش فہمی میں کہ پیر صاحب بازو گلی میں آئیں گے تو مجھے دیکھنے بھی ضرور آئیں گے اپنے کمرہ کی صفائی کروائی، چونا ڈلوایا، بستر پردے اور ہر چیز صاف ستھری کروائی، فرش دھلایا، اگر بتیاں جلوائیں اور لمحہ بہ لمحہ انتظار کرتے رہے۔ ادھر وہ دنیا کا بندہ آیا کھاپی کر چلدا یا مگر ان کو نہ پوچھا، بہت شکستہ خاطر ہو گئے، چند دنوں بعد حضرتؒ گلبرگہ آئے، صوفی صاحب کے ذریعہ ان کے والد کی بیماری کی اطلاع تو تھی ہی، اسٹیشن پر فرمایا پہلے تمہارے والد کی عیادت کر لیں، حضرت کو جب کہ ان کے عقیدہ و مسلک کے حالات بھی معلوم تھے مگر سنت کی ادائیگی اور صوفی صاحب کی دلداری مد نظر تھی، سیدھے ان کے ہاں پہونچے، مسنون طریقے پر عیادت کر کے دعا پڑھ کے فوراً آگے کے لئے چل پڑے۔ اس کے چند ہی دن بعد ان کا وقت موعود آ گیا، آخر وقت میں بیٹے کو بلا کر فرمایا: بیٹا تمہارے شیخ ہی حق پر ہیں تم گواہ رہو کہ میں ان کے طریقے اور عقیدے پر مر رہا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا طاقت ہے سنت میں!!

اسی طرح دیگر حقوق العباد اور مالی و معاشرتی معاملات میں احکام و سنن کی غیر معمولی رعایت فرماتے تھے، اور ان امور پر ایسی گہری نظر رکھتے تھے کہ وہاں تک دوسروں کا وہم و گمان بھی نہیں پہونچ پاتا تھا۔

خدمات

حضرت محی السنۃؒ کی خدمات کا احاطہ اس عاجز کے بس کی بات نہیں ہے، یہ رسالہ چونکہ شخصی تاثرات اور ذاتی معلومات پر مبنی ہے اس لئے خدمات کا بھی اپنے محدود دائرہ علم و درک کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کچھ نہ کچھ ذکر کر رہا ہوں۔

حضرت محی السنۃؒ کی خدمات کو سہولت کے لئے چار زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① دعوت الحق ② اشرف المدارس ③ دعوت و تبلیغ ④ اصلاح و تربیت

دعوت الحق ایک مجلس ہے جس کا قیام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امت کی بدلتی ہوئی اور زوال پذیر صورتحال سے مغموم و محزون ہو کر ۱۳۵۸ھ میں عمل میں لایا تھا، اور اس کا مقصد مسلمانوں کی تنظیم، مسلمانوں کی تفہیم اور مسلمانوں کی تعلیم تھا۔ حضرت تھانویؒ نے اغراض و مقاصد اور طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے تین مختصر سے مضمون مدلل بالنصوص لکھے، اور بڑے ہی درد کے ساتھ عوام بالخصوص اپنے متعلقین کو اس کے مطابق عمل شروع کر کے اطلاع دیتے رہنے کی ترغیب دی، چنانچہ یہ کام آپ کی حیات مبارکہ ہی میں شروع ہو گیا تھا، پھر جب سن ۱۳۶۲ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا تو یہ درد و غم گویا حضرت محی السنۃؒ کے قلب میں منتقل ہو گیا، حضرت محی السنۃؒ نے ۱۳۶۹ھ میں باقاعدہ طور پر اس مجلس ”دعوت الحق“ کی سرگرمیاں اپنے سر لیں اور ہر دئی میں اس کی نشاۃ ثانیہ کا سامان فرمایا پھر تادم واپس اس کام کو جاری رکھا، ملک کے طول و عرض میں جگہ جگہ اس کی شاخیں قائم ہوئیں، بلکہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی دعوت الحق کی سرگرم خدمات کا سلسلہ شروع اور دائرہ وسیع ہوتا گیا۔

فالحمد لله ولا فخر

دعوت الحق کے تحت حضرت نے جہاں اور بہت سے کام کئے قیام مدارس کی طرف بھی خصوصی توجہ فرمائی، یہ آپ کا اہم کارنامہ ہے، ہر دئی کے قصبات سے لے کر ملک کی مختلف ریاستوں میں تک دینی مدارس کا قیام آپ کے زیر انتظام ہوتا چلا گیا، وصال کے وقت سو کے قریب مدارس دعوت الحق سے ملحق تھے، اس کے علاوہ آپ نے ہر دئی میں ایک مرکزی

مدرسہ ”اشرف المدارس“ کے نام سے قائم فرمایا تھا، ماشاء اللہ اس مدرسہ کا فیض ملک و بیرون ملک دور دور تک پہنچا، پھر یہاں کے فارغین کے ذریعہ مدارس کا یہ نظام اور بھی متعدي ہوا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مدارس کی خصوصیت تعلیم کے ساتھ تربیت کا اہتمام ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہر مدرسے میں قرآن مجید کی باتجود تعلیم پر کافی زور دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ اچھی قرآنی تعلیم کیلئے آپ کے مدارس تمام علاقوں میں معروف ہیں نیز یہاں کے فارغین کو ہر جگہ تدریس و امامت میں ترجیح دی جاتی ہے، اور آج ہندوستان میں اگر کہا جائے کہ باتجود تعلیم قرآن کے مدارس و مکاتب حضرت محی السنۃ ہی کا بالواسطہ یا بلاواسطہ فیضان ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان مدارس کی دوسری خصوصیت مسنون شب و روز کی مشق ہے، سر سے لے کے پیر تک، صبح سے لے کر شام تک عقائد، اعمال اور اخلاق میں اتباع سنت کی تلقین اور اس کی تربیت کا سختی سے اہتمام کیا جاتا ہے۔

دعوت و تبلیغ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بنیادی مشن تھا، بالخصوص منکرات پر نکیر میں خود بھی امتیازی شان کے حامل تھے اپنے متعلقین کو بھی ہمیشہ اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے، بڑے افسوس اور درد کے ساتھ فرماتے تھے کہ آج من حیث الجماعت منکرات کے ازالہ کی فکریں نہیں ہو رہی ہیں، افراد تو کچھ باتوفیق بندے یہ کام کر رہے ہیں، مگر اجتماعاً اس کی طرف توجہ نہیں ہے جبکہ قرآن کریم نے اس کا حکم دیا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر مواضع کی ابتداء میں بڑی خوش الحانی سے وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ اور كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جیسی آیات کی تلاوت فرماتے اور سارے بیان میں اس ضرورت کی تکمیل پر زور دیتے تھے، عمر بھر اس مسئلے کی طرف توجہ دلاتے رہے جس کے نتیجے میں بے شمار علماء، متعلقین و متنبین کو اس کام کی عادت پڑی اور مختلف علاقوں میں رسوم و رواج کے مٹنے اور مسنون طریقوں کے وجود میں آنے کا سبب ہوا۔

اس سلسلہ میں حضرت والا کا دور شباب بڑی اہمیت و عبرت کا حامل ہے، حضرت نہایت ہی ذکی الحس اور نازک اندام تھے، متمول و خوش حال گھرانے میں پلے بڑھے تھے، اس کے

باوجود فراغت اور چند سال دیگر علاقوں میں کام کرنے کے بعد جب مستقلاً اپنے وطن ہردوئی پہنچے تو اطراف و اکناف میں پھیلی بدعات، خرافات اور گھر گھر رائج رسوم و رواج سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سب راحت و آرام اور سکون و اطمینان کے اسباب کو تھج کر ہر قسم کے مجاہدہ و ایثار کیلئے کمر ہمت کس لی، گاؤں گاؤں پھر کر پیدل اور سیکل سوار جس طرح ممکن ہوا اور بس چلا آپ نے دعوت و تبلیغ کا کام کیا، جس کی برکات آج ہردوئی اور اس کے چار اطراف میں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔

جہاں تک اصلاح و تربیت کی خدمت کا تعلق ہے تو ایک شیخِ کامل اور مرشد و مربی ہونیکی وجہ سے بلاشبہ ہزاروں مریدین حضرت سے وابستہ تھے، اور حضرت والا ان کی روحانی و اصلاحی خدمت کا فریضہ مسلسل انجام دیتے رہتے تھے، طلبہ مدارس کی تربیت خود کوئی معمولی کام نہ تھا مزید یہ کہ مہمانوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، خاص اسی ضرورت اور غرض سے آکر مقیم رہنے والوں کی بھی کمی نہ تھی، ان سب کی نگرانی اور تزکیہ قلب و تصفیہ باطن کی فکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسلسل فرماتے تھے، خطوط بھی بڑی تعداد میں آتے تھے، ان میں مدارسِ دعوت الحق کے مسائل کے علاوہ مریدین کے خطوط کی بھی معتد بہ تعداد ہوتی تھی، جن میں تصوف و طریقت اور احسان و سلوک کے طالبوں کی جانب سے مختلف و متنوع احوال و کوائف اور ان سے متعلق سوالات کا انبار ہوتا، حضرت والا ان گتھیوں کو سلجھانے اور مسائل کو حل کرنے نیز تعلق مع اللہ و تقرب الی اللہ کی راہیں دکھانے میں عمر بھر مصروف رہے جو بجائے خود ایک زبردست کارنامہ ہے۔

باقیات الصالحات

حضرت محی السنۃ کی باقیات سے مراد ہیں وہ اسبابِ استفادہ اور فیوضِ جاریہ جو ان کی نسبت سے ان کے وصال کے بعد امت میں باقی ہیں۔

① حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خویش اور جانشین حضرت حکیم کلیم اللہ صاحبِ مدظلہ العالی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی وارث اور جانشین ہیں، حضرت حکیم صاحبِ مدظلہ اگر چہ رشتے میں حضرت کے داماد ہیں مگر دیکھا جائے تو کالولد ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے ۲۸ سالہ جوان بیٹے کی مسلسل بیماریوں کے بعد

ان کے انتقال نے جو کمر توڑ بارِ غم ڈالا تھا، حضرت حکیم صاحب کی سعادت مندانہ خدمت و وفا نے اس غم کو غلط کیا، حضرت کی یاس کو آس سے اور غم کو خوشی سے بدل دیا، حکیم صاحب مدظلہ خود بھی ایک ولی کامل حضرت حکیم افہام اللہ صاحب رحمہ اللہ کے فرزند ہیں، اس کے علاوہ متعدد اہل اللہ کے منظورِ نظر اور محبوبِ قلب و ذہن ہیں، حضرت محی السنہ کے علاوہ کئی بزرگوں سے اجازت و خلافت رکھتے ہیں، چشتیت و نقشبندیت کا مجمع البحرین ہیں، اس وقت ہندوستان اور بیرونِ ہند بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و غم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر افادہ و امناضہ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، بہت علماء و صلحاء نیز حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین کا ایک بڑا حصہ حضرت حکیم صاحب مدظلہ سے وابستہ ہے، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے رکنِ شوریٰ و سرپرست ہونے کی حیثیت سے حضرت محی السنہ کے فیوض و برکات آپ کے ذریعہ ان مراکزِ علم و فن پر بھی اثر انداز ہیں۔ وَذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ

② وہ تمام مدارس جو دعوتِ الحق کے زیر انتظام چل رہے ہیں، وہ سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض جاری ہیں، نیز ان مدارس بالخصوص مدرسہ اشرف المدارس سے نکلنے والے طلبہ بکرام جو آج دنیا بھر میں جانے کہاں کہاں پھیلے ہوئے ہیں وہ سب کسی نہ کسی طرح قرآن مجید کی صحیح تعلیم اور مسنون زندگی کی ترویج میں مشغول ہیں جو عظیم الشان صدقہ جاریہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی دعوتِ الحق کے ذریعے متعدد دعوتی و تبلیغی کام انجام پا رہے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے اخلافِ کرام نے تمام کاموں کو جاری رکھا ہوا ہے، یہ سب کام آپ کی باقیاتِ صالحات میں شامل ہیں۔

③ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ جید الاستعداد اور متبحر عالم تھے، تدریس و تصنیف دونوں کی صلاحیت موجود تھی، شروع میں تدریس کا بھی خوب کام کیا، بہت سے مضامین بھی لکھے، لیکن دھیرے دھیرے ان کی طبیعت کے اصل جوہر ”نظم و انتظام“ نے انہیں انتظامی و اصلاحی امور میں منہمک کر لیا۔ تاہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے جو مضامین مرتب ہو کر بارہا منظرِ عام پر آچکے ہیں وہ بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باقیاتِ صالحات میں شامل ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف کیا جاتا ہے۔

۱ اشرف الہدایات: اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغ کے آداب و احکام مستند فقہی

کتب سے جمع فرمادے ہیں جو دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔

۲ اشرف النصائح: اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شخصی زندگی کو سنوارنے کے سلسلہ میں

ضروری ہدایات جمع فرمادی ہیں۔

۳ اشرف الخطاب: اس رسالہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مقام و مرتبہ کے لوگوں کو

حسب مرتبہ دعوت و تبلیغ کا اسلوب بتلایا ہے تاکہ نفع کے بجائے ضرر نہ ہو۔

۴ اشرف النظام: اس میں حضرت والاؒ نے دعوتِ الحق کے قیام کا طریقہ بیان کیا ہے،

ساتھ ہی مقامی بیرونی اور گھریلو اصلاح کی ترتیب بیان کی ہے۔

۵ مجالس ابرار (اول و دوم): اس میں حضرت کے جلیل القدر اور بافیض خلیفہ حکیم

محمد اختر صاحبؒ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جمع فرمادے ہیں۔

۶ تحفۃ الابرار: اس میں مولانا یامین مفتاحی نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر مضامین پر مشتمل

چارٹس کو یکجا کتابی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ اس میں سے ہر ایک مضمون نہایت

قیمتی اور مفید و موثر ہے۔

۷ سلسلہ رموا عظمیٰ: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات کا سلسلہ شروع ہی سے جاری تھتا، ان

رموا عظمیٰ کو پہلے علاحدہ علاحدہ چھاپا جاتا رہا، جو بیسیوں سے متحبوز ہیں، اکثر حضرت

مولانا افضال الرحمن صاحب زید مجدہم نے مرتب فرمائے ہیں۔ اب غالباً اجتماعی

طور پر شائع ہو گئے ہیں۔

۸ مرکزی مجلس دعوتِ الحق ہر دوئی سے شائع ہونے والے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پمفلٹ اور

چارٹس، جو اصلاحِ معاشرہ کی جدوجہد میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

۹ ارشاداتِ ابرار: جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز جناب سلیم اللہ غوری صاحب

نے اپنی ڈائریوں اور کیسٹس کی مدد سے حضرت والا کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔^۱

مذکورہ بالا سب کتب و رسائل اور جوان میں ذکر سے رہ گئی ہیں بلاشبہ وہ سب

۱۔ حضرت کے سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ علاحدہ ہیں۔

حضرت علیہ السلام کے حق میں انشاء اللہ والْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ اَمَلًا ثابت ہوں گے اور پسماندگان کے حق میں ذریعہ اصلاح و ترقی بنتے رہیں گے۔

③ شریعت کے ساتھ طریقت کا جوڑ ہمارے اکابر کی امتیازی شان ہے، البتہ طریقت سے ان کے ہاں خوارق و حوادث اور کیفیات و مواجید مراد نہیں ہوتیں بلکہ مسنون طریقہ پر تصحیح نیت، توحید خالص، اخلاص کامل اور حق تعالیٰ شانہ کے استحضار دائم کے ذریعہ بندگی میں کمال پیدا کرنے اور رذائل اخلاق سے ظاہر و باطن کو پاک کر کے فضائل سے آراستہ کرتے رہنے کا نام طریقت ہوتا ہے۔ حضرت علیہ السلام عمر بھر طالبین و سالکین کے رجوع ہونے پر ان کی اصلاح ظاہر و باطن اور تمام شریعت و طریقت کی خدمت انجام دیتے رہے، اس سلسلہ میں بظاہر احوال جن سالکین پر آپ نے اعتماد و اطمینان محسوس کیا اور جن سے دوسروں کو نفع پہنچنے کی توقع قائم ہوئی تو حسب دستور طریقت انہیں مخلوق کی نفع رسانی کی اجازت اور اپنے کام کی خلافت و نیابت عطا فرمائی۔ یہ اجازت مشائخ کے ہاں دو طرح کی ہوتی ہے۔

ایک ”اجازت صحبت“..... جس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ ان کی صحبت میں رہنا اور ان کی باتیں سننا عام لوگوں کے لئے غفلت سے نکل کر فکر کی طرف آنے کا سبب ہے۔

دوسرے ”اجازت بیعت و ارشاد“..... اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی تربیت اس قدر ہو چکی ہے کہ خود انہیں تربیت کرنے کا سلیقہ آ گیا ہے، سالکین و طالبین کے احوال کو سمجھنے اور ہر ایک کے مناسب حال راہنمائی کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی ہے، اسی لئے اس دوسری اجازت میں بیعت و ارشاد کی ہدایت بھی شامل رہتی ہے۔ واضح رہے کہ شیخ کامل کی طرف سے اجازت کا ملنا تکمیل سلوک کی دلیل نہیں، استعداد و لیاقت کی سند ہوتی ہے، اسی لئے انہیں بھی مسلسل اپنے شیخ سے رجوع رہنے اور اپنی طرف سے کبھی غافل نہ ہونے کی ہدایت ہوتی ہے۔

حضرت علیہ السلام نے بھی اپنے متعلقین میں سے (۱۰۳) کو اجازت بیعت و تلقین اور (۳۴) کو اجازت صحبت عطا فرمائی تھی، ان حضرات کے اسماء گرامی اور پتے مختلف رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ”حیات ابراہیم“ مصنفہ حضرت مولانا محمد فاروق صاحب میرٹھی میں بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ جن میں سے اکثر بھگوان اللہ حیات ہیں اور ان کا فیض اپنے اپنے علاقوں میں جاری و ساری ہے، یہ حضرات بھی حضرت والا کی بہترین باقیات ہیں۔ اللہ پاک انہیں سلامت رکھیں۔ آمین



آہا

ہماری امی جان صاحبہؑ

إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ الْوَاسِعَةِ

رمضان المبارک میں اپنے دفتر میں مشغول تھا، اچانک استاذِ محترم حضرت حافظ محمد اسحق صاحبِ بظن کا فون آیا، دریافتِ احوال کے بعد فرمایا کہ ”ابھی اطلاع ملی ہے کہ صبح ۹ بجے محترمہ امی جان صاحبہ کا ممبئی کے برج کینڈی ہاسپٹل میں انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھا، فون رکھ دیا۔ ایک گہری سوچ اور غم نے نڈھال کر دیا، ماضی کے درپے کھلتے گئے اور..... ”امی جان“..... کے احسانات اور نوازشات کی یادوں کا ایک لمبا سلسلہ چل پڑا، ادھر سے ذہن کو زبردستی ہٹایا اور سوچا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ امتیاز بھائی بھویرا کو فون لگایا، انہوں نے نام دیکھ کر موبائیل حضرت سلیم الحق صاحبِ بظن کے ہاتھ میں دے دیا، حق تعزیت ادا کرنے کو چند کلماتِ خیر عرض کئے۔ مجھے فطرۃ بڑوں سے فون پر گفتگو میں اندیشہ بے ادبی سے حجاب ہو جاتا ہے اور کچھ سمجھائی نہیں دیتا۔ یہ بھی عرض کیا کہ جب سے اطلاع بیماری ہوئی تھی انفرادی و اجتماعی دعاؤں کا اہتمام جاری تھا، جی تو یہی چاہتا تھا کہ صحت کی خوشخبری ملے، پر اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کو کچھ اور منظور تھا، جواباً فرمایا ”جی ہاں! صحیح ہے“۔ میں نے سلام عرض کر کے بات ختم کر دی۔

۱۔ میں نے اپنی تقدیم میں مخدومہ امی جان صاحبہ اہلیہ حضرت محی الدینؒ سے متعلق جس مضمون کا ذکر کیا تھا یہ وہی مضمون ہے، یہ مضمون دراصل ”اشرف الجرائد“ کا ادارہ ہے۔

حضرت محی السنۃ شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رفیقہ حیات اور ہم سب کی ”امی جان صاحبہ“۔ وقت کی رابعہ بصریہ اور مغنم خواتین میں سے تھیں، اس راقم عاجز نے تو والد ماجد کے کرم سے بچپن کا معتد بہ وقت ان کی خدمت میں گزارا، اور انہوں نے بہت کچھ سکھایا، ان کی تربیت اور تادیب و تہذیب آج رہ کر یاد آتی اور قدم قدم پر کام دیتی ہے، میں نے پہلی مرتبہ..... ”امی جان“ کو اس وقت دیکھا تھا جب کہ پورا شعور بھی نہ بھٹا، وہ حضرت ہر دوئی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حیدر آباد تشریف لائی ہوئی اور نواب باقر خان صاحب زید مجدہم کے بنگلہ میں تشریف فرما تھیں، والدہ محترمہ چونکہ عرصہ تک ہر دوئی میں رہ چکی تھیں اور امی جان صاحبہ کی خدمت کا شرف بھی رکھتی تھیں، اس لیے یہاں بھی پکوان کی خدمت انہی کے حصہ میں آئی، امی جان اسی نسبت و تعلق کی وجہ سے ایک دن ہمارے گھر بھی تشریف لائیں، ہم بچے تھے، کھانا کھا رہے تھے اور چاول کے دانے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے، یاد ہے کہ پہلی بات یہی فرمائی تھی ”بیٹا! روزی اللہ کی نعمت ہے، ایک ایک دانہ کی قدر کرنی چاہیے، اس طرح نہیں گراتے، سب سمیٹو!“..... گھر میں وہ ایک تخت پر بٹھلائی گئی تھیں، اور سب بڑے چھوٹے باادب سامنے موجود تھے، کسی خاتون کی عقیدت و عظمت اور ادب و احترام کا یہ پہلا نقش تھا جو اس عاجز کی گنہ گار آنکھوں نے بچپن میں دیکھا تھا، جسمائاً بھی بلند قامت تھیں اور چہرہ بشرہ سے بھی خود اعتمادی، بلند پروازی اور ذکر و شغل کے انوار و آثار نمایاں تھے، جہاں بیٹھ جاتیں مجسمہ شفقت و مہربانی اور پیکر جود و سخا نظر آتی تھیں، ایک طرف پاندان و پیکدان تو دوسری جانب رویوں سے بھری بڑی سی تھیلی، ہر ایک ملنے والی خاتون سے نام نسب پوچھتیں، بہت میٹھی اور انتہائی مہذب گفتگو فرماتیں، رخصت ہونے والوں کو ضرور کچھ نہ کچھ عطا فرماتی تھیں، بچوں کو ان کی حیثیت سے اور بڑوں کو ان کے لحاظ سے۔

یاد ہے کہ اہل تعلق کے علاوہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے شہر کی بہت سی خواتین ملنے آتی رہتی تھیں، اور بڑے بڑے امیر و کبیر لوگ آتے تھے، سب ان کی عظمت سے مرعوب و متاثر نظر آتے تھے، کسمن ہونے اور والدہ محترمہ کے ان کی خدمت میں رہنے کے ناطے قریب بیٹھنے،

قریب سے دیکھنے، بھاگ دوڑ کر حکم بجالانے اور خدمت کرنے کا موقع ملا، وہ سب لوگوں کے لیے ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، استاذ کی تادیب، پیر کی تربیت اور سایہ رحمت تھیں۔ کمسنی ہی میں ہر دوئی جانے اور وہاں ان کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا، ہم غافل ان کی کیا خدمت کرتے، کیونکہ رہن سہن، بود و باش میں بھی ان کا معیار ذوق بہت اونچا تھا، ہر کام اور ہر چیز میں اعلیٰ درجہ کا سلیقہ اور انتہائی صفائی ستھرائی کو پسند کرتی تھیں، طبیعت نہایت حساس اور نازک تھی۔ غفلت، بے سلیقگی اور پھو ہڑ پن سے قطعاً نفرت تھی، حد یہ ہے کہ انگلیٹھی میں کونکے کے ٹکڑے بھی اگر چھوٹے بڑے ہو جائیں تو بگڑتی تھیں، ایک جیسے سائز کے بھر کر لانے کا تقاضہ فرماتی تھیں، ہماری خلاف مزاج حرکات پر خفا ہوتی تھیں مگر کبھی کوئی غیر مہذب یا سخت لفظ زبان سے نہیں نکلتا تھا، ڈانٹنے کے انداز میں بھی کرب و درد اور شفقت و ترحم عیاں ہوتا تھا۔ آج بھی وہ الفاظ کان میں گونجتے ہیں تو اس میں گھلا ہوا درد دل کو اپیل کرتا ہے، اللہ غریقِ رحمت فرمائے کس پائے کی ولی اللہ تھیں! ہر ایک کا بھلا سوچتی تھیں، ہر ایک کے لیے دعا گو رہتی تھیں، ہر ایک خصوصاً اہل تعلق کی تکالیف اور پریشانیوں کو سن کر متفکر و بے چین اور دعاؤں میں مشغول ہو جاتی تھیں، آہ! کتنے خاندان ان کی توجہ سے آباد ہو گئے اور کتنی زندگیاں ان کی بدولت سنور گئیں، کتنی عورتوں نے انہیں دیکھ کے اللہ تعالیٰ سے محبت اور ذکر و عبادت کرنا سیکھا، کتنے ہی افسردہ و پژمرده دلوں کو انہوں نے مسرت و فرحت سے معمور کر دیا، کتنے ہی خانماں بربادوں کو ان کی سخا و عطا نے نہال و خوشحال کر دیا۔ وہ بجا طور پر اپنے بچوں ہی کی نہیں حضرت محی السنۃ کے ہر متعلق کی ”امی جان“ تھیں، خدا بخشے بہت خوبیاں تھیں پردہ فرمانے والی میں!

ان میں صبر و شکر کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا، انہوں نے زندگی میں جہاں بہت سی خوشیاں دیکھیں وہیں تقدیر الہی سے بہت صدمے بھی سہے، ان کے ایک ہی بھائی تھے ڈاکٹر محمود شاہ! لندن میں رہتے تھے، بڑے اہتمام سے بہن کے پاس آتے رہتے اور خلوص و محبت کا پیکر ہوتے تھے، ان کا اکلوتا نوجوان بیٹا پردیس میں اپنے کونٹھے کی سیڑھیوں سے

اترتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو کر انتقال کر گیا تھا، امی جان اس وقت حیدر آباد میں تھیں، میرا بچپن تھا، میں نے دیکھا اطلاع ملتے ہی مہوت ہو گئیں، اُس زمانہ میں اس دور کی سہولتیں بھی نہ تھیں، کچھ دیر اس بچہ کی خوبیوں کا ذکر کیا، کچھ روئیں، مصلے طلب کر کے نماز پڑھی، تلاوت کی، دعائیں مانگیں اور یادِ الہی کی اسی مصروفیت کو غم کا مداوا بنالیا۔

جوان بیٹا — اشرف بھائی مرحوم — بیمار ہوا، برسوں بیمار رہا، رشتہ طے تھا، شادی خانہ آبادی کی چوکھٹ تک پہنچ کے اللہ کو پیارا ہو گیا، امی جان ٹپ گئیں، لیکن راضی برضا رہیں، ایک حرف شکایت کسی نے نہ سنا، نہ بے صبری کا مظاہرہ! بس فرمائے لگیں ”بیٹا! بہشتی زیور میں مسئلہ دیکھو، اگر اجازت ہے تو میرے بیٹے کے لیے قبر میں گدا بچھا دو، برسوں کی بیماری نے اس کا جسم بہت کمزور کر دیا ہے“۔ یاد رہے کہ ایک خاتون ہے اور اکلوتے جوان بیٹے کو کھوئی ہوئی ماں ہے! پہلے یہ فرما رہی ہیں کہ کتاب میں مسئلہ دیکھو!! کس قدر ان کے دل میں شریعت کا احترام ملحوظ تھا؟ اللہ اکبر!

چاہتی تھیں کہ وہ پہلے انتقال کریں اور حضرت محی السنۃؒ کی نماز جنازہ کا شرف ملے، پر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے فیصلے کسی کی چاہت کے پابند نہیں، حق تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا، حضرتؒ پہلے داغ مفارقت دے گئے، امی جان راضی برضا رہیں، حضرت کے جنازہ کو دیکھ کر فرمایا ”جائیے! میں پیچھے ہی آتی ہوں“..... اور رخصت کر دیا، صبر تو خوب کیا مگر طبعاً نڈھال ہو گئیں، گویا جس کیلئے سب کچھ تھا اور ایثار پر ایثار کیا تھا وہی نہ رہے تو دل اُچاٹ ہو گیا، دھیان اُدھر ہی لگا رہا، وہیں پہونچنے کی تیاری و بیقراری میں بیمار ہی رہنے لگیں، صحت زیادہ ناساز ہونے لگی تو پہلے لکھنؤ میں پھر ممبئی میں شریک ہسپتال کر دیا گیا، بالآخر رمضان المبارک کے مبارک موسم اور عشرہ مغفرت کی مسعود ساعتوں میں وطنِ اصلی کی طرف ہجرت فرما کر — انشاء اللہ — رحمتِ الہی اور مغفرتِ خداوندی کی وسعتوں میں جا پہونچیں۔

اس عاجز کو حضرتؒ کے سانحہ ارتحال، پھر والدِ ماجد کے انتقال نے ایک طرح بے سایہ و سہارا کر دیا تھا، اور اب امی جان صاحبہ کے وصال کی خبر نے اتنا مایوس کیا کہ ان

حضرات کے بارے میں کچھ لکھنے کی تو کیا سوچنے کی بھی ہمت نہیں تھی، واقعی ان کی دعائیں اور ان کے دو بول بھی اسباب کی اس دنیا میں ہمارے لیے نازک سے نازک مواقع پر ایسا سہارا تھے کہ ان کا بدل بظاہر مشکل ہے۔ اب آنکھیں ان ہستیوں کو دیکھنے اور کان ان بولوں کو سننے کے لیے مدت العمر ترستے ہی رہیں گے۔ عزیز محترم بھائی علیم الحق صاحبؒ نے ایک ایسے ہی موقع پر مجھ سے بالکل سچ فرمایا تھا کہ..... ”عبدالقوی بھائی! آپ کا کیس نانی امی نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، میں آپ کے لیے ان کی دعاؤں کو دیکھ کر اسی وقت سمجھ گیا کہ انشاء اللہ مسئلہ حل ہو گیا“..... بہر حال! میرے لیے شخصی طور پر بھی یہ حادثہ جانکاہ ہے، اس کے باوجود اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَ اَخْلُفْنِیْ خَیْرًا مِنْہَا کی تعلیم نبوی سے ڈھارس بندھی ہوئی ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے احوال میں حضرت امی جان صاحبؒ کے بارے میں کچھ بھی لکھنا میرے بس میں نہ تھا، آج صبح ہی ایک طالب علم نے سوال کیا کہ آپ ’امی جان‘ کے بارے میں کب لکھیں گے؟ دل میں پھر غم تازہ ہوا اور خیال ہوا کہ ان کے احسانات اور نبی نسل کے جذبات کا تقاضہ ہے کہ جو بن پڑے لکھ دیا جائے، چنانچہ یہ چند سطریں قلمبند کر دیں، اس کے بعد یاد آیا کہ میں نے اپنے آقا اور محسن و مہربان مرشد کامل حضرت محی الدینؒ کی وفات حسرت آیات پر بھی کچھ لکھنا شروع کیا تھا مگر اپنی نااہلی و کاہلی اور کچھ انتظامی و انتشاری مشاغل کی بناء نیز اس موضوع پر چند کتب و رسائل کے منظر عام پر آ جانے کی وجہ سے رُک گیا تھا، اس مضمون میں حضرت امی جان صاحبؒ کا بھی کچھ تذکرہ شامل تھا، خیال ہوا کہ ان سطروں کے ساتھ اس کو بھی شامل کر لیا جائے تو مزید بصیرت و موعظت کا سبب ہوگا، اس لیے ذیل میں اس مضمون کا۔ ’امی جان‘۔ سے متعلق حصہ درج کر رہا ہوں۔

حضرتؒ کی اہلیہ محترمہ اور ہماری مخدومہ امی جان صاحبہ اگرچہ ایک مہذب اور سنجیدہ خانوادہ سے تعلق رکھتی تھیں لیکن وہ خود اور ان کے اہل خاندان عصری تعلیم سے استفادہ کیے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے عصری تہذیب سے بھی کچھ نہ کچھ متاثر تھے، ادھر حضرتؒ کی

شخصیت خالص مذہبی و دینی، مزید برآں ان کا مشرب دیوبندی و تھانوی تھا، مزاج میں اتباع سنت کا اہتمام اور معاملات و معاشرت میں شرعی احکام کی پابندی راسخ تھی، اس سب کے باوجود حکیم الامتؒ کا تجویز کردہ یہ حکیمانہ جوڑ عجیب و غریب باہمی اتحاد و اعتماد کا مظہر جمیل بن کر سامنے آیا، اس سلسلہ میں واقعی حضرت امی جان صاحبہ کا ایثار و خود سپردگی لائق تحسین ہی نہیں بلکہ امت کی عورتوں کے لیے قابل تقلید بھی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس اللہ والے شوہر کے سامنے اس قدر مٹایا کہ نہ صرف وفادار و خدمت گزار بیوی کا کردار ادا کیا، اس سے بھی بڑھ کر مجسمہ عقیدت اور پیکر وفا و اطاعت بن کر زندگی بھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سکون و اطمینان اور راحت و آرام کا وسیلہ ثابت ہوئیں۔

حضرت امی جان صاحبہ طبعاً نہایت ہی عقیف و باحیاتھیں، مزاج میں انتہائی نفاست و سلیقہ تھا، غربا پروری، یتیمی نوازی، ہمدردی و غمگاری کا مجسمہ، پسکے جو دوسخا اور خوگر عفو و درگزر تھیں۔ تعلیم یافتہ ہونے اور ناز و نعم میں پروردہ ہونے کے باوصف انہوں نے اپنی زندگی کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج و منشاء اور چاہت و پسند کے تابع کر لیا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بلا کسی چندے کے محض تو کلا علی اللہ مدرسہ اشرف المدارس کے قیام اور اپنے پورے اوقات کو دعوت و تبلیغ کیلئے وقف کر دینے کے بعد ابتداءً کچھ عسرتنگی کے احوال بھی پیش آئے، شخصی طور پر مقروض ہونے کی بھی نوبت آئی، لیکن امی جان صاحبہ تنگی و فراخی کو نظر میں لائے بغیر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی راحت و سہولت کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھتی اور ہر خواہش پر اس فرض کو مقدم رکھتی رہیں۔

ان کے والد ڈاکٹر تھے، ان کے بھائی ڈاکٹر تھے، ان کے ماموں بڑے رئیس اور شکار کے دلدادہ تھے، انہوں نے ملک و بیرون ملک حتی کہ افریقہ کے جنگلوں میں شکار کے وہ شوق کئے تھے کہ ایک تاریخ بن گئی، چنانچہ اپنے شکار کے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات پر مشتمل باقاعدہ ایک ضخیم کتاب لکھ کر شائع بھی کی تھی، جدید تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ان کے گھرانہ پر تہذیب قدیم کی پاسداری کے باوجود تہذیب جدید کے اثرات بھی پائے جاتے تھے، یہ اس لیے عرض کیا کہ بعد کے واقعات کو پڑھنے والا سمجھ سکے کہ حضرت امی جان صاحبہ کا ایثار

و قربانی کچھ معمولی قسم کی بات نہیں ہے اور اس دور میں بے نظیر نہ سہی کم نظیر تو ضرور ہے، ایک دیہاتی اور دنیا کے بدلتے نقشوں سے غافل و بے خبر عورت کا کسی ماحول میں ڈھل جانا اتنا مشکل نہیں جتنا کہ ایسے گھرانہ کی خاتون کا اپنے کو ایک پختہ عالم دین اور خادم اسلام و مسلمین کے مزاج و منشا میں فنا کر دینا، مشکل ہے۔ راقم سطور کو اپنے والدین ماجدین کی بدولت اپنے بچپن کا کچھ حصہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں گزارنے کا موقع ملا، کبھی کبھی امی جان صاحبہ اپنے احوال سناتی تھیں مگر وہ عمر کا ایسا حصہ تھا کہ نہ ہم غور سے سنتے تھے، نہ ہی ان باتوں کی فتدر پہچانتے تھے، کاش کہ.....!

چند ایک واقعات اپنی یادداشت سے تحریر کرتا ہوں، فروگزاشتوں کی ذمہ داری ان پر نہیں، احقر کی یادداشت پر ہوگی:

● ایک مرتبہ فرمانے لگیں کہ جب میں بیاہ کر تمہارے حضرت کے گھر آئی تو میرے پاس اپنے خاندان والوں کے یادگار فوٹوز تھے، کبھی حضرت کو اس کا علم ہو گیا تو مسئلہ بتلایا اور سمجھایا کہ یہ گناہ کی بات ہے، اس کو رکھنا درست نہیں ہے اور اس سلسلہ میں اس قدر توجہ دلائی کہ میں نے وہ الم تمہارے حضرت کے حوالہ کر دیا اور کہا کہ آپ جو چاہے کیجئے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں تو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، تم خود اس کو انگیٹھی میں ڈال کر جلا دو، فرماتی ہیں کہ مجھے اپنے بزرگوں کی تصاویر آگ میں ڈالنے کو کسی طرح جی نہ چاہتا تھا مگر ان کا بس یہی ایک فیصلہ! آخر کار میں نے سب تصویریں جلا دیں اور صرف والد محترم کی تصویر کو دل نے نہیں مانا تو نہیں جلا یا، اس کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا..... ”میری ہمت نہیں ہو رہی ہے آپ جلا دیجئے مجھے مجبور نہ کیجئے“۔ مگر حضرت کسی قیمت پر ہاتھ لگانے تیار نہ تھے، بالآخر میرے ہی ہاتھوں اس کو بھی انگیٹھی میں ڈالوا یا، کیا بتاؤں بیٹا! اس وقت میرے دل پر کیا گزری؟ مگر یہی واقعہ ان چیزوں اور ایسے شوقوں کے خاتمہ کا سبب ہو گیا۔ اس چھوٹے سے واقعہ سے کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تصلب فی الدین اور پختگی فکر کا بھی اور مخدومہ امی جان صاحبہ کی اطاعت و فرمانبرداری اور دین کی قدر دانی کا بھی۔

● جب حج کے لیے تشریف لے گئیں تو ”مدینہ منورہ“ میں بطور یادگار ایک ڈنر سیٹ خریدا، اسے بہت احتیاط سے رکھتی تھیں، ہمارے دور میں تو استعمال کے لئے برتنوں کے ایک سے ایک سیٹ موجود تھے، مگر وہ ایک سیٹ بالکل علاحدہ اور محفوظ رہتا تھا، حتیٰ کہ یاد ہے کہ چائے دان کی ٹونٹی تھوڑی سی ٹوٹی ہوئی تھی جس پر پلاسٹک کا پائپ چڑھا کر رکھا گیا تھا، امی جان صاحبہ یہ سیٹ اُس وقت نکلواتیں جب اکابر میں سے کوئی تشریف لاتے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ تشریف لائے، حضرت کی تشریف آوری اس گھرانہ میں عید و تہوار سے زیادہ مسرت، خوشی اور ہماہمی پیدا کر دیتی تھی، چنانچہ امی جان خود چولہے کے پاس گئیں اور اہم پکوان سب اپنے ہاتھ سے کیا، یہی ”یادگار سیٹ“ نکالا گیا، اس کا ایک پیالہ ذرا صاف کرنے کے لیے راقم سطور کے حوالہ ہوا، جلد بازی اور نادانی میں کھڑے کھڑے ٹوٹی پردھوتے ہوئے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور ٹوٹ گیا، برسہا برس سے انتہائی اہتمام سے جس چیز کی اس قدر حفاظت کی گئی ہو اور جسے اپنے سفر حج اور دیار حبیبؐ کی یادگار کے طور پر رکھا گیا ہو، اس کا یہ نقصان جو کچھ اثر ان کی طبیعت پر اثر کر سکتا تھا کیا، نہایت خفگی و ناراضگی کے ساتھ گرفت اور ڈانٹ پڑنے ہی والی تھی کہ حضرتؒ پہنچ گئے اور آتے ہوئے اس کا گرنا اور ٹوٹنا بھی دیکھ لیا تھا، ایک جملہ فرمایا..... ”اچھا اچھا ٹھیک ہے، برتن کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اس کی عمر پوری ہوگئی“..... بس حضرتؒ کا یہ ارشاد کان میں پڑا اور امی جان کا سب غصہ کافور ہو گیا اور بالکل خاموش ہو رہیں۔ میں نے تو اپنے آپ کو سب کچھ سننے کیلئے تیار کر لیا تھا اور وہ جو کچھ ڈانٹ ڈپٹ کرتیں حق بجانب! مگر واللہ! کچھ نہ فرمایا، ضبطِ نفس اور اطاعتِ دین کا یہ مقام مردوں میں بہت کچھ سنا پڑھا، مگر خواتین میں شاذ و نادر ہی دیکھا اور سنا جاتا ہے۔

● لباس اکثر نہایت سادہ کاٹن کا استعمال کرتی تھیں، جس پر استری کی بھی ضرورت نہیں محسوس کرتی تھیں، لیکن حضرتؒ کے لیے ہمیشہ اہتمام سے لباس تیار کروایا کرتی تھیں، ان کے دھلوانے، استری کروانے اور رومال ٹوپی وغیرہ کا خود خیال رکھتی تھیں، سفر کے موقع پر موسم کے لحاظ سے ضرورت کے تمام اسباب کے ساتھ رکھنے کے سلسلہ میں اہتمام سے خود

نگرانی کرتیں، خدام کو بارہا تاکید کرتیں کہ ”غسل خانے میں کپڑے رکھتے وقت دیکھ لیا کریں کہ کہیں پھٹا ہوا تو نہیں، بٹن وغیرہ صحیح ہیں یا نہیں، حضرت تو مصروف رہتے ہیں جو کچھ رکھ دیا جائے پہن کر چلے جاتے ہیں تم لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے۔“

● اسی طرح کھانے میں اپنے لیے کچھ زیادہ اہتمام کرتی ہوئی نظر نہ آئیں، لیکن حضرت اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مہمانوں کے لیے فکر مند اور متوجہ رہتی تھیں، جب تک قویٰ جواب نہیں دے گئے باوجود خادماؤں کی موجودگی کے بھی سالن وغیرہ حضرت کے مزاج کے مطابق خود اپنے ہاتھ سے تیار فرماتی رہیں۔ اکثر دو پہر یا شام کے کھانے کے وقت دسترخوان پر موجود رہتیں، خصوصیات بتلا کر مزید کھانے کی ترغیب بھی دیتی تھیں، اپنی معذوری کے بعد بھی اگرچہ خود پکانے اور کھلانے کے قابل نہ رہیں لیکن نگرانی اور پوچھ تاچھ بہر حال مستقل رکھتی تھیں، سفر میں ساتھ جانے والوں کو بلا کر دواؤں کے سلسلہ میں، اسی طرح راحت و آرام کے دوسرے امور سے متعلق بار بار دوبار تاکید فرماتیں، اسی پر اکتفا نہ کرتیں بلکہ غائبانہ متفکر رہتیں اور مختلف ذرائع سے اطمینان حاصل کرتی رہتیں۔

● ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سفر میں تھے اور غالباً کوئی قابل فکر اطلاع تھی، بہت بے چین رہیں، میں چھوٹا تھا اور گھر ہی میں رہتا تھا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کمرہ میں لے جا کر فرمایا کہ ”وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد قرآن شریف میں دیکھ کر سورہ یسین کی تلاوت اس طرح کرو کہ ہر ”مین“ پر رک کر سورہ فاتحہ پڑھو، پھر ابتداء سے پڑھنا شروع کرو، اس طرح جب ختم ہو جائے تو حضرت کے لیے خوب دعا کرو۔“

● عبادات کے اہتمام اور اوراد و وظائف کی پابندی بھی بہت خوب تھی، نماز فجر کے بعد اشراق تک اور ظہر کے بعد گھنٹہ دیر گھنٹہ اور مغرب و عشاء کے درمیان تقریباً پورا وقت مصلے پر بیٹھے معمولات کی تکمیل کرتی تھیں، اس اثناء میں کوئی بات کرنا ہوتا تو اشارہ سے کرتیں تھیں، الّا یہ کہ خاص مہمان ہوں اور ان کے انتظام کے لیے اٹھنا پڑے۔

بہر حال! اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات دینیہ کے تسلسل، تنوع، کثرت اور ان کے انضباط و استحکام میں جہاں حضرت کی خدا داد صلاحیتوں، خلوص و للہیت اور عزم محکم و جہد پیہم کو دخل ہے، وہیں حضرت امی جان صاحبہ کی مرافت و موافقت اور حسن معاشرت، ایثار و قربانی کا بھی وافر حصہ ہے اور انشاء اللہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اجر و ثواب میں اپنے حصہ کی برابر کی شریک رہیں گی۔

ادھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ بھی انتہائی مشفقانہ تھا، تمام امور میں ان کی راحت رسانی کا پاس و لحاظ اور تکلیف کا احساس فرمایا کرتے تھے، سفر میں جاتے تو جہاں پہنچتے وہاں سے بخیریت پہنچنے کی اطلاع فرماتے اور ان کی صحت و خیریت معلوم فرماتے، بیمار ہونے کی صورت میں علاج معالجہ کی خبر گیری جہاں کہیں بھی ہوں وہاں سے برابر فرماتے رہتے، جس زمانہ میں فون کی ایسی سہولت نہ تھی جیسی آج ہے اُس زمانہ میں بھی کسی جگہ پہنچنے کے بعد فوراً ٹیلی گرام کروا کر اپنی خیریت سے مطلع فرمادیا کرتے تھے۔

● میرے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قاری صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باندہ سے ہر دوئی تشریف لائے، دفتر اہتمام میں حضرت کام میں مشغول تھے، میں پکھا کھینچ رہا تھا، دونوں بزرگوں کی بڑی پرتپاک اور پر خلوص ملاقات ہوئی، پھر حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ نے نہایت سادگی اور غایت تواضع سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک اخبار میں لپٹے ہوئے دیسی مرغی کے چند عدد انڈے اور ایک ہینڈ لوم کی تیار کردہ تہ بند ہدیہ پیش کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی محبت و قدر دانی کے مظاہرہ کے ساتھ قبول فرمایا اور نشست کے قریب ہی رکھ لیا، جب کام سے فارغ ہوئے تو خود ہی لے کر گھر میں تشریف لائے اور امی جان صاحبہ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بڑے اہتمام سے فرمایا کہ ”قاری صدیق صاحب کا تحفہ ہے، لنگی الماری میں رکھ دیجئے، انڈے آپ بھی کھائیں، مجھے بھی کھلائیں“۔ اس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مخلص و متقی معاصر اور دوست کی برکات میں اپنی اہلیہ کو بھی اہتمام سے شریک فرمالیا، جو حضرت کی حسن معاشرت اور حقوق زوجہ کی رعایت کا عملی ثبوت ہے۔

جس طرح وہ حضرت کی صحت و راحت کی فکر مند رہتی تھیں حضرتؒ بھی ان کی صحت، راحت و آرام کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے، اخیر زمانہ میں جب مخدومہ امی جان صاحبہ کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی، حضرت والاؒ نے باقاعدہ گھر کے دروازہ پر تحریر آویزاں کروادی تھی کہ گھر میں صحت کی ناسازی کی وجہ سے مہمانوں کی خدمت و اکرام گھر سے مشکل ہے، البتہ مطبخ کے ذریعہ انتظام رہے گا۔

حضرت امی جان صاحبہ مرحومہ نے الحمد للہ اچھی عمر پائی، اور خوب آخرت کمائی، بالآخر رمضان ۱۴۳۰ھ کو ممبئی میں — جہاں وہ علاج کے سلسلہ میں آئی ہوئی تھیں — داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس دنیا سے پردہ فرما گئیں۔ سنت کے مطابق نقل میت سے بچتے ہوئے ممبئی ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہم سب کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، مغفرت کاملہ فرما کر اپنے قرب خاص میں جگہ عطا فرمائے، سینات کو حسنات سے مبدل فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَاعْفُ عَنْهَا وَعَافِهَا وَادْخُلْهَا الْجَنَّةَ،

اٰمِيْن بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ



حضرت محی الدینؒ کے یہ ملفوظات اس عاجز کے جمع کردہ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ ہی میں شائع شدہ ہیں، البتہ ملفوظات نمبر ۸۱ تا ۹۵ بھٹکل میں کیا گیا بیان ہے جس کی اشاعت تو میں نے کروائی مگر یہ یاد نہیں کہ ضبط کس نے کیا، اس وقت میں نے بیان میں سے مکررات کو حذف کر کے صرف وہ باتیں لے لی ہیں جو ۸۰ میں نہیں ہیں، تاکہ زیادہ سے زیادہ نفع ہو۔



① ذکر اللہ سے نورانی ماحول بنتا ہے

آپ حضرات اس وقت یہاں تشریف لاتے ہیں کچھ دین کی باتیں سننے کے لئے، اسلئے یہ معمول بنالیں کہ جب کوئی دین کی بات سنائی جائے تو غور سے سنا کریں، اور جس وقت کوئی بات نہیں ہو رہی ہو تو پھر ذکر اللہ میں مشغول رہیں، خالی نہ رہیں نہ فضول باتوں میں مشغول ہوں، کوئی سا ذکر کریں۔ تخصیص نہیں ہے، ذکر اللہ سے نورانی ماحول بنتا ہے، ایسے ماحول میں پھر کہنے والے کا ذہن بھی کھلتا ہے، علوم القاء ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ خانقاہیں اور وہ مقامات جہاں قاعدہ شرع کے مطابق ذکر ہوتا ہے وہ اس قدر نورانی ہوتی ہیں کہ اس کی چہار دیواری کے باہر اور اس کے اندر کھلا فرق محسوس ہوتا ہے، اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ بعض مساجد میں جی خوب لگتا ہے اور بعض میں کم لگتا ہے، حالانکہ سب مسجدیں بظاہر ایک ہیں، پھر یہ فرق کیا ہے؟ وہی ذکر و تلاوت کی کمی زیادتی سے پیدا ہونے والے اثرات کا فرق ہے۔

جب آدمی کسی جگہ ذکر کرتا ہے تو اس کو تو نفع ہوتا ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس جگہ رہنے والوں کو بھی نفع ہوتا ہے جیسے یہاں اے سی لگا ہوا ہے، اس سے کیا صرف ایک آدمی کو ٹھنڈک پہونچ رہی ہے؟ نہیں بلکہ پورے کمرہ والے اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ایک پنکھا چلتا ہے اور سب کو ہوا دیتا ہے، ایک بلب جلتا ہے اور سب لوگوں کو روشنی دیتا ہے، بس اسی طرح ذکر کی سکینیت کا حال ہے کہ ذکر پر جو سکینیت اترتی ہے وہ سارے ماحول کو

۱۔ حرم شریف حاضری کے موقع پر محترم جناب قاری خلیق احمد صاحب کے مکان پر جاری مجالس میں راقم نے یہ ارشادات عالیہ خود قلمبند کئے۔

پہونچتی ہے، پھر اگر سب لوگ ذکر ہوں گے تو اس کا نفع اور اثر کس قدر ہوگا؟ اس لئے ذکر کا خوب اہتمام کیا کریں، یہ بہت بڑی چیز ہے۔

② ایک حدیث پاک کا مطلب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس قدر کثرت سے ذکر کرو کہ لوگ محسنوں کہنے لگیں۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کا عاشق ہوتا ہے تو اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے بار بار اور ہر وقت ذکر کرتے رہنے سے دیکھنے والے کہنے لگتے ہیں کہ کہیں یہ پاگل تو نہیں ہو گیا، حالانکہ وہ پاگل نہیں ہوتا، اس کی ایک عام مثال دیتا ہوں۔ الیکشن میں آپ نے دیکھا ہوگا ووٹ حاصل کرنے کیلئے کیسے رٹ لگائی جاتی ہے، فلاں صاحب کو ووٹ دیجئے فلاں صاحب کو ووٹ دیجئے، ایک ایک آدمی اس قدر شور مچاتا اور آواز لگاتا پھرتا ہے کہ لوگ اسے پاگل قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس کو کوئی کام دھندہ نہیں، بس صبح سے شام تک ایک ہی رٹ لگاتا رہتا ہے، حالانکہ وہ پاگل تھوڑا ہی ہوتا ہے وہ تو اپنا کام دھن سے کئے جا رہا ہے۔ یہی مطلب سمجھ لیجئے اذکرہ اللہ حتی یقولوا مجنوناً کا۔ جب آدمی عادت ڈال لیتا ہے تو عادت پڑ جاتی ہے پھر بغیر ذکر اللہ کے چین نہیں ملتا، خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

دم رکا سمجھو، دم بھر کو بھی جو یہ سا غر کا

③ آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا

میرے ہاں ایک صاحب جدید تعلیم یافتہ آئے، میں چار پائی پر باہر بیٹھا ہوا تھا، وہ چار پائی پر بیٹھے ہی جیب میں سے سگریٹ نکال کر بلا کسی تکلف و لحاظ کے جلا کر پینا شروع کر دیئے، مجھے سگریٹ سے بہت تکلیف ہوتی ہے، حلق میں خراش شروع ہو جاتی ہے میں فوراً اٹھ کر اندر چلا گیا اور ایک صاحب کے ذریعہ ان سے کہلوادیا کہ آپ جب فارغ ہو جائیں اطلاع کر دیں آکر میں بات کر لوں گا۔ میں اس واقعہ کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ دیکھئے کس طرح اپنی عادت کے یہ صاحب دیوانے تھے بس اسی کو مجنون کہتے ہیں۔ کیا ہم لوگ اس طرح اللہ کے ذکر کے خوگر نہیں بن سکتے؟ ان صاحب کی حالت دیکھ کر مجھے خواجہ صاحب کا یہ شعر یاد آیا ؎

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے
اسی طرح خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ۔
لب پہ ذکر اللہ کی تکرار ہو دل میں ہر دم حق کا استحضار ہو
اس پہ تو کر لے اگر حاصل دوام پھر تو کچھ ہی دن میں بیڑا پار ہو

﴿۴﴾ محرمِ تلبیہ کی کثرت کرے

احرام میں تلبیہ کی کثرت کرنی چاہیے، اس سے بہت سے لوگ غافل ہیں کسی سے ملاقات ہو تو تلبیہ پڑھنا چاہئے، کسی کو رخصت کرتے وقت تلبیہ پڑھنا چاہئے، سواری پر چڑھتے وقت اسی طرح بلندی پر چڑھتے وقت، پستی میں اترتے وقت تلبیہ پڑھنا چاہئے، فرض اور نفل نمازوں کے بعد بھی تلبیہ پڑھنا چاہئے، ایام تشریق میں پہلے تکبیر کہے پھر تلبیہ پڑھے ویسے بھی چلتے پھرتے تلبیہ کی کثرت رکھے، ہلکی آواز سے کہے، یہ جو رواج آواز میں آواز ملا کر اجتماعی طور پر کہنے کا ہو گیا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام میں ہر وقت کی ادعیہ و اذکار منقول ہیں لیکن احرام میں ہر حال میں اور ہر تغیر کے وقت تلبیہ کا اہتمام کرنا چاہیے۔ احرام عاشقانہ لباس ہے جب صورت عاشقوں کی ہے تو کام بھی عاشقوں کا کرے، ہر وقت یہی رٹ لگاتا پھرے کہ حاضر ہوں مولا! میں خدمت کیلئے حاضر ہوں، دسویں تاریخ کی رمی تک حج کے احرام کا تلبیہ جاری رکھنا چاہئے۔

﴿۵﴾ مشق کرنے سے کام کی عادت پڑتی ہے

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی سنتوں کا بہت اہتمام کرنا چاہئے، بہت سے لوگ مسجد حرام میں بھی اس سے غافل ہیں، اور غفلت کی انتہا یہ ہے کہ اپنے بازو والا آدمی سنت پر عمل کر رہا ہے، سیدھا بیرو داخل کر رہا ہے، دعا پڑھ رہا ہے، دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں پھر بھی توفیق نہیں ہوتی۔ کیسی بات ہے؟۔ اصل میں بات یہ ہے کہ گھر پر سنن کی مشق نہیں کرتے اسلئے یہاں اتنے مبارک مقام پر آ کر بھی سنتوں کو بھول جاتے ہیں، مشق کی بڑی اہمیت ہے، دیکھئے اگر کسی جگہ بہت خوبصورت لفظ ”اللہ“ لکھا ہوا ہو اور آپ اس کو برس بھر دیکھتے رہیں تو

کیا آپ کو اس طرح لکھنا آجائے گا، ہرگز نہیں آئے گا؟ اور اگر مشق کرنے لگے تو کچھ دن میں آپ اسی طرح لکھنا سیکھ سکتے ہیں، معلوم ہوا کہ مشق کی اہمیت ہوتی ہے مشق کریں، عادت ڈالیں، مشق سے ہر کام سہل ہو جاتا ہے۔

⑥ دن بھر میں ۵۲ طواف کی توفیق ملی

یہاں آپ حضرات جتنی رقم خرچ کر کے آئے ہیں اس کا حساب لگایا جائے تو یومیہ پندرہ سولہ سوتادو ہزار روپیہ کا اوسط نکلتا ہے، گھر پر ایک آدمی کا یومیہ اتنا خرچ نہیں ہوتا، اسلئے ایک ایک دن کی حفاظت کیجئے، جس قدر ہو سکے اعمال خیر کیجئے، حرم شریف میں قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام کیجئے، اسی طرح ذکر اللہ کا اہتمام ہونا چاہیے، یہاں حرم مکہ میں کلمہ طیبہ کی کثرت رکھئے، نماز باجماعت حرم شریف میں ادا کرنے کی فکر کیجئے، یہاں ایک نماز کا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ملتا ہے، طواف کی کثرت رکھئے۔ جس قدر ہو سکے طواف کرتے رہیے، ہم لوگ جوانی میں جب آتے تھے تو خوب طواف کرتے تھے، ایک دفعہ ایسے ہی حرم شریف میں بیٹھ کر آپس میں مذاکرہ ہو رہا تھا کہ کس نے آج کتنے طواف کئے، ہم میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ۲۹ طواف کئے، ہم لوگوں کو بہت مسرت ہوئی، ہم نے کہا آج تو آپ ہم سب میں اول نمبر رہے، ایک بزرگ پڑوس میں ہماری گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے فرمایا آپ لوگوں کے طواف کی تعداد سے ماشاء اللہ خوشی ہوئی، لیکن تاکہ کسی کو اپنے کثرت طواف پر عجب نہ ہو اس لئے بتلاتا ہوں کہ مجھے الحمد للہ آج دن بھر میں ۵۲ طوافوں کی توفیق ملی، اس وقت ان بزرگ کی عمر ۵۵ یا ۵۶ رہی ہوگی۔

بہر حال آپ حضرات سے بھی یہی گزارش ہے کہ اوقات کی حفاظت کریں، ملاقاتوں میں، بازاروں میں، خریداری میں، فضول باتوں میں اوقات ضائع نہ کریں۔ یہاں اتنا پیسہ خرچ کر کے ملنے ملانے کے لئے تھوڑا ہی آئے ہیں، ساتھیوں اور اہل حقوق کے حقوق ادا کرنا بھی ثواب ہے وہ بھی کر لیں لیکن اس میں وقت زیادہ صرف نہ کریں۔

۱۔ یہ بزرگ حضرت کے محبوب استاد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تھے، اس تعداد سے ممکن ہے آج کسی کو تعجب ہو لیکن جس زمانے کی حضرت بات فرما رہے ہیں اسی وقت مطاف میں یہ اثر دہا نہیں ہوتا تھا، لوگ بآسانی جس قدر چاہے طواف کر لیتے تھے۔

۷) تکبر اُمُ الامراض ہے

تکبر اُمُ الامراض ہے، یوں سمجھئے کہ تمام گناہوں کا جدا مجد ہے، عجب، غیبت، حسد، ریا، کینہ یہ سب اس کے پوتے پڑ پوتے ہیں، اس لئے کبر کو سب سے پہلے ختم کرنا چاہئے، اس کے مرنے سے اس کے بچے آسانی سے مر سکیں گے، ورنہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرے امراض کا ختم ہونا مشکل ہے۔ اسی لئے مشائخ نے اس کی جانب بہت توجہ فرمائی ہے، خود حدیث میں ہے کہ جب تک رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا جنت میں داخلہ نہ ہو سکے گا، وہ تو بھی بس اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اس کے علاوہ کسی کو تکبر زیب نہیں دیتا، جو سراپا محتاج ہو وہ کیا تکبر کرے؟

۸) دین کا تحفہ ضرور لے جائے

طریقہ ہے کہ جہاں جاتے ہیں وہاں کی مشہور چیزیں معلوم کر کے بال بچوں کے واسطے گھریجاتے ہیں، جیسے عام طور سے یہاں سے لوگ زم زم اور کھجور لیجاتے ہیں، ٹھیک ہے ضرور لیجائیں لیکن یاد رکھئے! یہاں کا اصل تحفہ دین کا تحفہ ہے، یہاں آپ نے جو سیکھا جو سبق ملا وہ بھی تو اہل وعیال کے واسطے لیکر جانا چاہئے، انہیں جا کر بتلانا چاہئے کہ ہمیں یہ یہ دین کی باتیں معلوم ہوئی ہیں، یوں اس تحفے کو ضرور لے جائیے۔ یہ ایمان کی حقیقت سمجھ میں آئی ہے، اسلئے میں آپ لوگوں کو گھریلو اصلاح کا آسان طریقہ بتلاتا ہوں۔

الف: گھر کے سب افراد کو جمع کر کے روزانہ ایک سنت، سنت کا ایک فائدہ، ایک کبیرہ گناہ اور گناہ کا ایک دنیوی نقصان بتلادیا کریں۔

ب: کم از کم سات دفعہ کلمہ طیبہ، تین دفعہ درود شریف، گیارہ مرتبہ استغفار اور گیارہ مرتبہ سوم کلمہ پڑھنے کا سب افراد خانہ کو پابند کریں۔

ج: مرد لوگ جتنا وقت مل سکے نیک اور صالح حضرات کے پاس گزارنے کا اہتمام کریں، اگر اس کی صورت نہ ہو تو اکابر کے ملفوظات و حالات کا مطالعہ بھی کسی درجہ میں کافی ہے، عورتیں کتب دینیہ اور ملفوظات اکابر کا مطالعہ رکھیں کہ یہ صحبت کے قائم مقام ہے۔

۹ علم حاصل کرنے کا آسان طریقہ

اس کا طریقہ بھی بتلادیا کرتا ہوں کہ علم حاصل کرنے کیلئے کسی عالم یا امام مسجد سے رابطہ کرو، ان سے گزارش کرو کہ وہ مسجد میں اس کا اہتمام شروع کریں۔ اس کے بعد ایک ایک چیز خود یاد کرو پھر گھر آ کر گھر والوں کو سکھاؤ یا دکراؤ، ہر دن ایک آدھ فرد سے پچھلا سبق سن بھی لیا جائے، یاد ہو تو آگے ورنہ اسی سبق کو دہرایا جائے، اگر بعض کو یاد ہے بعض کو نہیں تو آپس میں ایک دوسرے کے ذمہ کر دیا جائے کہ جنہوں نے یاد کر لیا ہے وہ جو یاد نہیں کر سکے انہیں یاد کرائیں، اس طرح گھر یلو اصلاح بھی ہوتی رہے گی، ادھر مصلیانِ مسجد کے ذریعہ محلہ میں بھی اصلاح ہوتی رہے گی۔ امام صاحب یا عالم صاحب جو بھی یہ سلسلہ چلا رہے ہوں وہ اپنے مصلیوں سے پوچھ لیا کریں کہ گھر میں پہونچانا شروع کر دیا ہے یا نہیں، اگر نہیں پہونچایا ہے تو پھر اس کی اہمیت بتلا کر تاکید کی جائے۔

اسی طرح اہل مدارس بھی اگر مدرسوں میں یہ سلسلہ پانچ دس منٹ مختص کر کے شروع کر دیں تو طلبہ کی تربیت و اصلاح میں بہت مددگار ہوگا، پھر طلبہ جو گھر جاتے ہیں انہیں پابند کیا جائے کہ وہ آج کا سبق اپنے گھر جا کر سنائیں، اگلے دن بچے سے پوچھ بھی لیں کہ گھر میں سنایا یا نہیں۔ اقامتی طلبہ اپنے اپنے حجروں میں باری باری اس کا سلسلہ رکھیں اور ذمہ دار حضرات نگرانی رکھا کریں، بہت آسان نسخہ ہے کوئی عمل کر کے تو دیکھے پھر پتہ چلے گا انشاء اللہ۔

اس سلسلہ کو تھوڑا سا وسیع کر کے ان مقامات پر بھی شروع کر دیا جائے جہاں عوام جمع ہو جایا کرتے ہیں تو اور اچھی بات ہے نہ تو اس میں کچھ زیادہ وقت لگتا ہے نہ مشقت ہے۔

۱۰ نیکی کرنا کافی نہیں گناہ بھی چھوڑے

جس طرح جسمانی صحت کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، اچھی غذا اور مضر چیزوں سے پرہیز، کیوں کہ اگر کوئی آدمی غذا تو خوب عمدہ کھاتا ہو مگر مضر صحت چیزوں سے احتیاط نہیں کرتا تو صحت خراب ہوتی ہے، کوئی آدمی ہر خراب چیز سے بچتا ہے بہت احتیاط کرتا ہے مگر غذا اگلی سڑی کھاتا ہے وہ بھی صحت مند نہیں رہ سکتا۔ بالکل اسی طرح انسان کی دینی

صحت کا حال ہے وہ بھی دو چیزوں سے قائم رہتی ہے، ایک یہ کہ نیکی کے کام سنت کے مطابق کرنا، دوسرے گناہوں سے بچنا، چنانچہ ایک شخص خوب عبادت کرتا ہے کوئی نیکی ترک نہیں کرتا مگر ساتھ ساتھ گناہوں کا بھی عادی ہے تو وہ عند اللہ مقبول نہیں، اسی طرح کوئی شخص گناہ بالکل نہ کرے مگر طاعت و نیکی کے کام بھی نہ کرے وہ بھی مقبول نہیں، نیکی بھی کرنا چاہئے گناہوں سے بھی بچنا چاہئے تب جا کے عند اللہ قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

۱۱) ان کو دیکھ کے سبق حاصل کرو

دیکھو بھئی! یہ جگہ (حرمین شریفین) امتحان کی جگہ ہے، اچھے اچھے پابند لوگ جن کی کبھی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہوئی تھی، صفِ اول بھی چھوٹی نہیں تھی، یہاں مسجد حرام پہنچنے پر ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں اللہ کے بندے ان سے پہلے مسجد پہنچ چکے ہیں، ان پابند لوگوں میں سے کسی کو دسویں، کسی کو بیسویں، کسی کو پچاسویں صف میں جگہ مل رہی ہے، یہاں آکر پتہ چلتا ہے کہ ہم سے بڑے بڑے عاشق دنیا میں موجود ہیں جو ہم سے بہت پہلے پہنچ چکے ہیں، لہذا یہاں صفِ اول کو پانے کیلئے معمول کی فکر کافی نہیں، مزید فکر کرنی پڑے گی، خصوصی توجہ دینی ہوگی، ان عاشقوں کو دیکھ کر اپنے عشق کی کمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بہر حال ان کو دیکھ کے سبق حاصل کرو اور ان عاشقوں کے طفیل سے دعائیں مانگ لو، کون بندہ اللہ کا کس قدر مقرب ہے اور اس کا کیا مقام ہے کیا معلوم، اسلئے یوں کہا کرو کہ اے اللہ! تیرے ان عاشق بندوں کے طفیل ہمارے اور ہمارے متعلقین کے جملہ مقاصد حسنہ کی تکمیل فرما۔

۱۲) حصولِ علم کا آسان طریقہ

جس طرح اپنی دنیوی حاجات و ضروریات کیلئے آدمی ماہرین کے پاس جاتا ہے معلومات حاصل کرتا ہے، اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہے، اسی طرح دینی ضروریات میں بھی ہونا چاہئے، اہل علم کے پاس جایا کرے، ہر بات پوچھ پوچھ کر عمل کرے، یہ بہت ہی آسان طریقہ ہے علم و عمل کی درستگی کا، لیکن اس کی طرف دھیان نہیں، دین میں علم و عمل کے اعتبار سے کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا ہے، جس طرح دنیا کے کاموں میں ہر چھوٹا بڑے سے

استفادہ کرتا ہے، دیکھو بچے کو جب بھوک لگتی ہے رو کر ماں کو متوجہ کر لیتا ہے، چھوٹا بنے بغیر بڑا بننے کی ہوس، ہوس ہی ہے، کبھی ایسا شخص بڑا نہیں بن سکتا۔ مختصر یہ کہ چھوٹوں کی اصلاح بڑوں سے رجوع کرنے میں منحصر ہے، پس ہر طالب اصلاح کو چاہئے کہ کسی بڑے کا انتخاب کرے، پھر اس کے مشورہ اور رہبری میں کام کرتا رہے ایک دن مقصود حاصل کر لے گا۔

﴿۱۳﴾ درس قرآن کا اہتمام کیا جائے

درس تفسیر اور درس سیرت کا اہتمام مساجد و مدارس میں ہونا چاہئے، جب گجرات کے علاقہ میں طاعون کا واقعہ پیش آیا تھا تو ہمارے ہاں مدرسہ کی مسجد میں بھی یہ سلسلہ شروع کیا گیا، ماشاء اللہ اب تک سیرت طیبہ کی کئی کتابیں ختم ہو چکی ہیں، جو وقت مناسب ہو مقرر کر لیا جائے اور ایک دو آیات کی مختصر تفسیر ہو جائے، کسی وقت مختصر سیرت کی کوئی کتاب سنادی جائے، نشر الطیب ہے، اُسوۂ رسول اکرم ﷺ ہے، سیرت خاتم الانبیاء ﷺ ہے، کوئی سی کتاب ہوسنائی جائے اس کا بہت نفع ہوتا ہے۔

﴿۱۴﴾ طلبہ کو روزمرہ کی سنتیں سکھائی جائیں

چونکہ بہت سے اہل علم اور اہل مدارس موجود ہیں اسلئے عرض کرتا ہوں کہ مدارس میں طلبہ کرام کو ہر کام کی سنتیں بتلائی جاتی رہیں اور پھر ان کی عملی مشق کی پوری نگرانی بھی رکھی جائے، خصوصاً سنن صلوٰۃ کی عملی مشق پر نظر رکھی جائے کہ نمازیں سنت کے مطابق ہو رہی ہے یا نہیں، ورنہ علماء دین کی بڑی سبکی ہوتی ہے جب مساجد میں یہ نظر آتا ہے کہ ایک تاجر اور عامی آدمی تو سنت کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے اور ایک طالب علم دین خلاف سنت! تو بتلائیے کہ اب دین اور علماء دین کی کیا وقعت لوگوں کے دلوں میں باقی رہے گی؟ اسلئے مدارس میں اس پر توجہ کی ضرورت ہے، طلبہ مدارس ہی میں تو سیکھیں گے کیوں کہ جب فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں تو کام میں لگ جاتے ہیں، اب کون سکھائے گا؟ اور ادھر دھیان بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے، بہت افسوس کی بات ہے کہ آج صلوٰۃ پر تو عمل ہو رہا ہے لیکن اقیموں پر عمل نہیں ہو رہا ہے، یعنی کسی طرح نماز ادا ہو جاتی ہے مگر اس کو سنت کے مطابق ادا کرنے کی فکر کم ہو گئی ہے۔

۱۵) حج میں گناہوں کے کام اور لڑائی نہیں

حج مبرور وہ حج ہوتا ہے جس میں گناہوں سے حفاظت ہو، اسلئے حدیث میں فرمایا گیا ”من حج فلم یرفث ولم یفسق رجع کیومر ولدته امه“ اس میں گناہ اور جھگڑوں سے بچنے والے کیلئے حج مبرور کی بشارت ہے، اور جس کا حج مبرور ہوتا ہے وہ شخص اتنا ولی اور مقبول ہوتا ہے کہ اس کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی گویا مستجاب الدعوات بنا دیا جاتا ہے۔ حدیہ ہے کہ اس سے اپنے لئے دعا کرانے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اتنا بڑا مقام جو مل سکتا تھا گناہوں کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے، اسلئے حج کو اگر مقبول و مبرور بنانا چاہتے ہیں تو ہر قسم کے گناہوں سے بچتے رہنا چاہئے۔

۱۶) ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں

(تھانہ بھون میں ان دنوں کوئی اجلاس ہونے والا تھا، اس کے سلسلہ میں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فون آیا یہ معلوم کرنے کے لئے کہ حضرت والا کی اس سلسلہ میں رائے کیا ہے؟ جواب میں فرمایا)

اس قسم کے کام حضرت والا کے مسلک کے خلاف ہیں، اس لئے میں نے شرکت سے معذوری ظاہر کر دی تھی، یہ میری اپنی رائے ہے آپ حضرات مناسب سمجھیں تو شرکت فرمائیں، میں دعا کرتا ہوں کہ یہ نظام حضرت والا کے اہل سلسلہ کیلئے خیر ثابت ہو کسی شر کا سبب نہ بنے۔ (اس کے بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا) ہر کام کے دو پہلو ہوتے ہیں مفید اور مضر، کام ایک ہی ہے لیکن اصول کے موافق ہو تو مفید اور اگر اصول کے خلاف ہو تو مضر، اسلئے ہر کام اصول کے موافق ہونا چاہئے، جیسے روشنی کے بلب ہیں کہ کسی نے بلب تو خوب لگا رکھے ہیں لیکن ”میں سوچ“ نکال رکھا ہے تو کیسے فیض پہونچے گا؟ اور اگر سوچ کچ تو کھلا ہوا ہے مگر تار کٹا ہوا ہے تو مزید نقصان کی بات ہے، اسلئے سب پہلوؤں پر نگاہ ہونی چاہئے۔

۱۷) اولاد کو بچپن سے دین سکھاؤ

اپنی اولاد کو بچپن سے دین سکھاؤ، حدیث پاک میں ہے سات برس کی عمر سے بچہ کو نماز کا حکم کرو، اور دس برس کا ہو کر نماز نہ پڑھے تو پھر تھوڑی پٹائی بھی کرو، شریعت نے سب سے

پہلے نماز کا حکم دیا، ایک تو اس لئے کہ وہ سب سے اہم عبادت ہے، دوسرے یہ حکمت بھی ہے کہ جب نماز کا حکم دیں گے تو نماز بھی سکھانی ہوگی اور اسی سے دین سیکھنے اور اس پر چلنے کی مشق شروع ہو جائے گی، دیکھئے جب نماز پڑھوائیں گے تو وضو بھی سکھانا ہوگا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اللھم انی اسئدک تمام الوضو و تمام الصلوٰۃ فرما کر اشارہ فرما دیا کہ بڑھیا نماز کیلئے وضو بھی بڑھیا ہونا چاہئے، اعلیٰ درجہ کی نماز کیلئے اعلیٰ درجہ کا وضو ہونا چاہئے، جیسے پانی عمدہ ہوگا تو چائے عمدہ بنے گی، جب وضو سکھائیں گے تو وضو کی دعائیں بھی سکھانی ہوں گی، مثلاً درمیان میں اللھم اغفر لی ذنبی والی دعا پڑھنا مسنون ہے، جب یہ دعایاں کرائیں گے تو بچہ کو ذنب کی تعریف بھی سمجھانی ہوگی، گناہ کی حقیقت سمجھ میں آجائیگی تو اس سے نفرت پیدا ہوگی، پھر طہارت کے مسائل بھی سکھانے ہوں گے، طہارت جسم کے ساتھ ساتھ طہارت اخلاق کا سلسلہ بھی شروع ہو جائیگا، نبی کی تعلیمات سب رحمت ہیں، جیسے باپ اپنے بچوں کے حق میں شفیق ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ نبی امت کے حق میں مہربان ہوتے ہیں۔

❶ بار بار کی تاکید رائیگاں نہیں جاتی

اسی طرح بچوں کو با وضو رہنے کی عادت ڈلوائے، ہمارے ہاں طلبہ کو اس کی تاکید کی جاتی رہتی ہے، بچپن کی عادتیں پختہ ہوتی ہیں، اور بار بار کی تاکید رائیگاں نہیں ہوتی، ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک طالب علم جب ہمارے ہاں سے دوسرے ادارہ میں گئے وہاں سے خط لکھا کہ آپ لوگوں کے سکھانے اور تاکید کرنے کی برکت سے الحمد للہ پورے سال کے دوران کوئی حدیث سننے سے نہیں چھوٹی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ پورے سال کے دوران کوئی حدیث بغیر وضو نہیں سنی سوائے دو حدیثوں کے، کیوں کہ ہاتھ میں ایک دانہ نکل آیا تھا اور سبق کے آخر میں وہ ٹوٹ گیا تھا، اس حال میں دو حدیثیں بے وضو گذر گئیں۔ بس ان دو احادیث کے علاوہ کوئی حدیث بلا وضو سماعت نہیں کی۔ اسی طرح ایک پندرہ سالہ طالب علم نے بتلایا کہ چھ ماہ سے برابر با وضو سو رہا ہوں، یہ اسی زمانہ کی بات بتلا رہا ہوں، کوئی پرانے زمانہ کا واقعہ نہیں، اکابر کی کرسیاں خالی ہوتی جا رہی ہیں کوئی تو پیدا ہوگا اس کو پُر کرنے کے لئے، بہر حال بچپن کی عادتیں پختہ ہوتی ہیں، اسلئے گھروں میں بھی اور خصوصیت کے

ساتھ مدارس میں بھی طلبہ کو سنن کی عادت ڈالی جائے پھر اس کی نگرانی رکھی جائے۔

﴿۱۹﴾ نبی امت پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں

نبی کریم ﷺ کا ہم لوگوں پر بڑا احسان ہے، وہ ماں باپ سے زیادہ مشفق ہیں، انہوں نے صرف ہمارا دین ہی نہیں ہماری دنیا بھی درست فرمادی ہے، ماں باپ سے زیادہ مہربان اسلئے کہ ہمارے ماں باپ کتنے ہی شفیق ہوں حکیم نہیں ہیں، اللہ اور اس کے رسول مہربان بھی ہیں حکیم بھی ہیں، اسلئے ہماری مصلحتوں کو خوب جانتے اور اسکے موافق تعلیم دیتے ہیں۔ ایک مثال دیتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک یہ دعا سکھائی ہے، اللھم اجعل اوسع ذرقت عند کبرسنى وانقطاع عبدی یعنی اے اللہ! میرے بڑھاپے اور نا کارگی کی عمر میں میری روزی بڑھا دیجئے۔ اس دعا کی تعلیم میں نبی کریم ﷺ کی ہمارے ساتھ کیسی شفقت و محبت اور کس قدر احسان مخفی ہے، آپ غور کریں کہ جب تک آدمی صحت مند اور قوت والا ہوتا ہے اپنی ضرورتوں کیلئے خود ہی ہاتھ پیر مار لیتا ہے، لیکن جب بوڑھا اور نا کارہ ہو جاتا ہے اس وقت اگر اسکے پاس روزی اور ضروریات وافر مقدار میں موجود نہ ہوں یا اسکے وسائل بنے ہوئے نہ ہوں تب بھی چھوٹوں کا محتاج ہو جاتا ہے، ہوتا ہے یا نہیں؟ ایسے وقت اولاد اگر صالح ہوئی تو فہماور نہ کیسی زحمت و ذلت کا سامنا ہوتا ہے کہ ان کو اس کی تکالیف کی کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ اگر اس کے پاس مال ہو تو پھر اولاد اور رشتہ دار، اگر وہ صالح نہ ہوں تو بھی اس کی خدمت اور دیکھ بھال خوب اچھی طرح کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بڑھاپے کے رنج و مکن سے حفاظت رہتی ہے، اسلئے دعا سکھائی جا رہی ہے کہ عام حالات میں تو ہم روزی کے محتاج ہیں ہی بڑھاپے میں خصوصیت سے اس میں اضافے اور وسعت کی حاجت ہے۔

﴿۲۰﴾ دین پر نہ چلنے میں اپنا ہی نقصان ہے

اس مثال سے بھی سبق لیجئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس چھت پر جس کی مسند یر نہ ہو سونے سے منع فرمایا، اب بتائیے کہ اگر کوئی سوئے تو اس میں کس کا نقصان ہے؟ اسلام کا یا نبی کا کچھ نقصان ہے؟ پھر اس ممانعت کی وجہ اپنی امت سے محبت اور ان پر شفقت نہیں تو اور

کیا ہے؟ مگر ہمارا حال یہ ہے کہ ہم قدر نہیں کرتے، عمل نہیں کرتے۔ ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں ایک ایسی ہی چھت تھی وہاں پڑھنے کی اجازت تو تھی لیکن سونا منع تھا، اسلئے کہ منڈیر نہیں تھی، بعض طالب علم بیچ چھت پر سو جاتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ اس چھت پر سے ایک طالب علم لڑھک کر نیچے گر گئے، دین کی باتوں اور بڑوں کی ہدایت پر عمل نہ کر کے اپنا ہی نقصان کیا۔

❶ ہر کام میں اخلاص کی ضرورت ہے

ہر کام سے مقصود رضائے الہی کی تحصیل ہے پس اس غرض سے جو کام ہوگا وہ مخلصانہ ہوگا، باقی کوئی اغراض مخلصانہ نہیں، آج بڑے دکھ کی بات ہے کہ دینی خدمت میں بھی اخلاص کی کمی آنے لگی ہے، ہم لوگوں کو ہمیشہ اس کا احتساب کرتے رہنا چاہئے۔ امام عبدالوہابؒ شعرانی بڑے بزرگ ہیں، انہوں نے بہت سے بزرگوں سے استفادہ کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: دین کا کام کرنے والے اپنے اخلاص کو اس طرح پرکھیں کہ ان کے علاقہ میں اگر کوئی اور شخص وہی دینی کام یا کوئی اور دینی کام شروع کرتا ہے تو ان کو خوشی ہوتی ہے یا کلفت؟ اگر خوشی ہوتی ہے تو یہ اخلاص ہے اور اگر گرانی ہوتی ہے تو یہ اخلاص کے منافی ہے، انہوں نے ایک واضح مثال سے بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں کہ اگر سخت گرمی کا موسم ہو اور دو پہر کے وقت میت کو قبرستان لیجانے کی ضرورت پیش آجائے، آدمی کم ہوں تو میت کے امترباء کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کام میں ان کا ہاتھ بٹانے والے بڑھ جائیں، ایسے وقت کچھ لوگ جمع ہو کر اس کام میں شریک ہو جائیں تو خوشی ہوتی ہے یا غم؟ ظاہر ہے کہ خوشی ہوتی ہے، بلکہ تدفین کے بعد ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں، یہی حال خدام دین کا ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ دین کا کام کر رہے ہیں خواہ وہ کسی لائن سے ہو تبلیغ کا ہو یا تعلیم کا ہو یا تزکیہ کا ہو، انہیں دیکھ کر خوش ہونا چاہئے، اب یہ ہوتا ہے کہ غم کرنے لگتے ہیں کہ یہ بیچ میں آ گئے، اتنے دن سے ہم محنت کر رہے تھے، اب ان کا بھی نام ہوگا کچھ لوگ ان کی بھی سنیں گے، انہیں بھی چندہ ملے گا تو ہمارا چندہ گھٹ جائے گا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ کیسے خیالات ہیں؟ معلوم ہوا کہ اخلاص

نہیں تھا کام میں، اخلاص ہوتا تو یہ سب فضول خیالات اور غم میں مبتلا نہ ہوتا، پس معلوم ہوا کہ اخلاص فی الاعمال بہت ضروری ہے، خوب سمجھ لو یہ نہ ہو تو پھر پوری زندگی برباد ہے۔ حدیث ریا تو معلوم ہی ہوگی کہ کس طرح اخلاص کے فقدان نے عالم کو، قاری کو، غازی کو اور سخی کو جہنم رسید کر دیا، کام تو خوب کئے اور بہت اچھے کئے مگر بس وہی اخلاص کی کمی تھی۔

﴿۲۲﴾ ہر اخلاص بھی معتبر نہیں ہوتا

یہ بھی یاد رہے کہ ہر اخلاص معتبر نہیں ہوتا، اخلاص بھی احکام شرع کا پابند ہونا چاہئے، دیکھئے اگر کوئی شخص دو رکعت نفل مسجد میں عصر سے پہلے پڑھے تو ثواب ملے گا یا نہیں؟ ضرور ملے گا، تقرب بھی بڑھے گا۔ اور اگر یہی شخص عصر کے بعد کمرہ بند کر کے نہایت اخلاص کے ساتھ ۲۰ رکعت پڑھے تو ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ سے مزید دور ہو جائیگا، اسی طرح سال بھر روزے رکھے تو بے شک ثواب کا کام ہے مگر کیا عید الفطر یا ایام تشریق میں روزہ رکھے تو بھی ثواب ملے گا؟ ہرگز نہیں، روزہ رکھ کر گنہگار بنے گا، یا حج ہی کو لے لیجئے حاجی ۹ رذی الحجہ کو عرفات میں جا کر سوتا رہا تو بھی وقوف کا رکن ادا ہو جاتا ہے، اگر اسکے بجائے اس دن مکہ میں رہ کر پچاس طواف کرے تو ایک بھی قبول نہ ہوگا، پس معلوم ہوا کہ محض اخلاص بھی کافی نہیں اخلاص وہ معتبر ہے جو احکام شرع کا ماتحت ہو۔

﴿۲۳﴾ مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند

ایک ہے کسی چیز کا حاصل ہونا، اور ایک ہے اس کا باقی رہنا، حاصل ہو جانے کے بعد باقی رکھنے کی کوشش نہیں کرے گا تو وہ چیز ضائع ہو جائیگی، کھانا سالن پکا لیا، اب اسکی حفاظت کے اسباب بھی تو کرو، ورنہ وہ سڑ کر ضائع ہو جائے گا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حج کی نعمت دی، بہت بڑی نعمت و دولت حاصل ہوگئی لیکن اس کی حفاظت بھی ضروری ہے ورنہ اسکے اثرات و برکات دھیرے دھیرے ختم ہو جائیں گے، حاجی حج کے ذریعہ گناہوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، اس پاکی کو باقی رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ گناہ نہ کرنے کا پکا عہد کر لے اور نفس کو مجاہدہ کر کے اس عہد پر قائم رکھے، کتنا ہی جی چاہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے طاعات

میں کوتاہی نہ کرے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں ۷
 بہت گولو لے دل کے ہمیں محسوس کرتے ہیں
 تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

۲۴) رمی میں احتیاط سے کام لو

دیکھو بھئی! رمی کے وقت جلد بازی مت کرو ہر شخص جلد فارغ ہونے کی چکر میں رہتا ہے، اس میں بہت نقصان ہوتا ہے، خصوصاً مستورات ساتھ میں ہوں تو مزید احتیاط کی ضرورت ہے، سب ساتھی ملکر جائیں، راستہ میں بھیڑ زیادہ ہو تو توقف کر لیں، ریلا آ رہا ہو تو بازو ہو جائیں بہت وقت رہتا ہے، بھیڑ کی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے غروب کے بعد بھی کر سکتے ہیں اسلئے جلدی کے مارے اپنے کو خطرہ میں نہ ڈالیں، سوچ سمجھ کر احتیاط سے رمی کریں۔

۲۵) احرام میں خوشبو کا استعمال ممنوع ہے

بعض چیزوں میں خوشبو ہوتی ہے ان کا استعمال بھی احرام میں درست نہیں ہے، جس طرح خالص خوشبو عطر وغیرہ کا استعمال حرام ہے، وہ چیزیں خواہ برتنے کی ہوں یا کھانے پینے کی، خوشبو کا معیار یہ ہے کہ عقل سلیم اس کو خوشبو سمجھتی ہو، اس سے بچنا چاہئے ورنہ بہت خسارہ ہوگا، بہت سے لوگ کافور کو، زیتون کو خوشبو نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ بھی خوشبو ہے بعضے لوگ حبر اسود پر خوشبو مل دیتے ہیں جو لوگ احرام میں ہوتے ہیں اگر وہ خوشبو ان کو لگ جائے تو دم واجب ہو جاتا ہے، مسائل سیکھنے کی ضرورت ہے۔

۲۶) دم در اصل سزا ہے

دم در اصل سزا ہے اس بات کی کہ دین کا کام تو کرتے ہو مگر طریقہ نہیں سیکھتے؟ اتنا اہم عمل ہے اور سیکھے بغیر شروع کر دیا؟ اب خلاف حکم کیا تو ناواقفی کا جرمانہ ادا کرو، اور دم کا اصول یہ ہے کہ ترک واجب سے لازم ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے واجبات حج زبانی یاد کر لئے تھے اتفاق سے وہ اپنے گروپ سے چھوٹ گئے، پانچ دن کے بعد جب ملے تو معلوم ہوا کہ واجبات یاد رہنے کی وجہ سے کوئی ایسی غلطی نہیں کی جس سے دم واجب ہو، یہ فائدہ ہوتا ہے سیکھنے کا، آج لوگوں میں مسائل سیکھنے کی اہمیت نہیں رہی۔

﴿۲۷﴾ عورتوں کا احرام میں ایک ہی مجاہدہ ہے

احرام میں عورتوں کیلئے صرف ایک مجاہدہ ہے اور وہ یہ کہ نہ چہرہ ڈھانکیں نہ بے پردگی ہو، اس کے علاوہ لباس معمول کا پہن سکتی ہیں، مگر یہ مجاہدہ بہت اہم ہے اس کا اہتمام بہت ضروری ہے کہ بے پردگی نہ ہونے پائے، اپنے آپ کو حتی المقدور مردوں سے علاحدہ رکھیں عورتیں عام طور سے اس کی پروا نہیں کرتیں، یہ سمجھتی ہیں کہ احرام میں پردہ ہی نہیں ہے، یہ باتیں انہیں بتلاتے رہنا چاہئے۔

﴿۲۸﴾ اسلام واقعی سراپا تہذیب کا نام ہے

مسلم اور مومن کی ایک تعریف وہ ہے جو حدیث جبریل میں آئی ہے، ایک اور تعریف بھی ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے اور اکمل المومنین ایسا احسنہم خلقا یعنی کامل مومن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، معلوم ہوا کہ اخلاق کی تکمیل بہت ضروری ہے، اور ایمان کی تکمیل کا اس سے تعلق ہے۔ مسلمان ایسا ہونا چاہئے کہ اس سے کسی کو ضرر نہ پہونچے، حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب صفہ پر تشریف لاتے تو اس طرح سلام فرماتے تھے کہ سونے والا جاگنے نہ پائے اور جاگنے والا سن لے۔ دیکھا آپؐ نے؟ ہمارے نبی کس طرح دوسرے کی راحت کا خیال فرما رہے ہیں، یہ تو ایمان والوں کے ساتھ آپؐ کا سلوک تھا، مشرکین کو بھی آپؐ سے اذیت نہیں پہونچتی تھی، مکہ کے مشرکین نے آپؐ کو کس قدر تکلیفیں پہونچائیں، لیکن آپؐ کا حال یہ تھا کہ آپؐ ان سے انتقام تو کیا لیتے الٹا ان کی راحت و آرام کی فکر فرماتے تھے۔ ذکر کی کثرت اسلام میں کس قدر مطلوب ہے سب کو معلوم ہے اسکے باوجود حکم یہ ہے کہ اگر کوئی سو رہا ہو تو ذکر کو چاہئے کہ پست آواز سے ذکر کرے، تاکہ اس کی نیند نہ خراب ہو جائے، تہجد کی نماز کی کتنی مقبولیت ہے مگر اس میں بھی اس کا حکم ہے کہ اس طرح اٹھے اور اس طرح ادا کرے کہ کسی سونے والے کو حرج نہ ہو، اسلام واقعی سراپا تہذیب ہے، ہر کام کا سب سے مہذب و بہتر طریقہ اسلام ہی سکھاتا ہے، ذرا سوچئے کہ جو مذہب پیشاب پاخانہ کا طریقہ تک سکھلاتا ہے وہ دوسری اہم باتوں کو کیسے نظر انداز کرے گا۔

﴿۲۹﴾ صحابہ بس نبی کی مرضی کو دیکھتے تھے

دین دراصل اطاعت کا نام ہے، ہمیں چون و چرا کا کوئی حق ہے نہ ضرورت ہے، جب بندے ہیں تو حکم حاکم بجالانا ہمارا کام ہے، پھر اللہ تعالیٰ تو حاکم ہونے کے ساتھ حکیم بھی ہیں، رحیم بھی ہیں، اسلئے بندہ کو سراپا اطاعت ہو جانا چاہئے، جیسے شاعر نے کہا ہے ۔

وہ جو اذن دیں تو قیام ہے وہ جو روک دیں تو قعود ہے

بلا ان کی مرضی پاک کے نہ قیام ہے نہ قعود ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھئے کہ دین کی حقیقت پر وہ کس طرح عمل پیرا تھے، حدیث میں آتا ہے

کہ لم یکن شخص احب الیہم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رآوہ لم یقیم الخ۔ دنیا میں کوئی ہستی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محبوب نہ تھی مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتا دیکھ کر قیام نہیں کرتے تھے، اسلئے کہ آپؐ نے منع فرما دیا تھا، خواہش تو یہی ہوتی تھی کہ قیام کریں مگر حکم کی اہمیت زیادہ تھی، اطاعت اسی کو کہتے ہیں کہ حکم کو دیکھو خواہش کو نہ دیکھو، اس لئے حطیم میں داخل ہونے، ملتزم سے چمٹنے، حجر اسود کا بوسہ لینے، وغیرہ میں خواہش و جذبات پر حکم کو مقدم رکھو، حکم یہ ہے کہ یہ سب اعمال بے شک فضیلت ہیں مگر کسی کو ایذا پہنچانا حرام ہے، حرام سے بچنے کی فکر کریں خواہ اس کے لئے یہ فضیلتیں چھوٹ جائیں، مستحبات سے کسی کو ضرر پہنچ رہا ہو تو وہ ممنوعات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

﴿۳۰﴾ بچوں سے مانگنا سیکھئے

منیٰ میں عرفات میں مزدلفہ میں دعاؤں کا خوب اہتمام کرو، خوب دعائیں مانگو، رورو کر مانگو ورنہ آئے تو رونے کی صورت بنا لو، بچوں سے مانگنا سیکھو کس طرح بار بار مانگتے ہیں آخر کار پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، سالکین اور بھکاریوں سے سیکھو کس طرح گڑ گڑاتے ہیں اور کیسی حالت بنا کے مانگتے ہیں، ان کو مانگنا آ گیا ہے اسی پر مطمئن ہیں۔ ایک صاحب نے ایک سائل سے کہا کہ کیوں اتنی محنت کرتے ہو اس کے بجائے ہماری دکان میں کام کر لو، یومیہ بیس روپیہ دے دیں گے، اس نے کہا تم ہمارے ہاں کام کر لو یومیہ بیس روپیہ دیدیں گے۔

انہیں مانگنے کا ڈھنگ آ گیا ہے اسی پر اطمینان اور ناز ہے، بلا ضرورت بندوں سے مانگنا تو عیب ہے مگر اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبدیت و بندگی ہے بلکہ اس سے نہ مانگنا عیب ہے، اسلئے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو، عاجز مت ہو جاؤ بس اپنا کام کرتے رہو ۔

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے حبائے
بیٹھے گا حسین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا

بعض اکابر کے حالات میں ہے کہ عرفات میں زوال سے غروب تک مسلسل دعائیں کرتے رہے، قیمتی وقت ہوتا ہے اسے ضائع نہ کرو۔

۳۱) اصل مقصود رضائے الہی ہے

ایک دفعہ دیوبند کی مجلس شوریٰ میں ایک ذی اثر رئیس کو شامل کرنے کا مسئلہ تھا، اس وقت حضرت گنگوہیؒ سر پرست تھے، حضرت کے سامنے تجویز آئی تو سختی سے ممانعت فرمائی، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے عرض کیا کہ حضرت مصلحتاً اجازت دے دیجئے، کہیں فتنہ کی صورت نہ ہو جائے۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا مولانا! آپ ایسا مشورہ دیتے ہیں؟ دیکھئے اصل مقصود رضائے الہی ہے مدرسہ نہیں ہے، مدرسہ چلے نہ چلے احکام کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی خواہ کسی کو اچھا لگے یا بُرا لگے۔ شوریٰ دراصل اس کام کی امیر ہے کسی کو امیر بنانے کیلئے اس کے اندر اس کی اہلیت بھی تو ہونی چاہئے، ان رئیس صاحب میں اس دینی کام کے امیر ہونے کی اہلیت نہیں ہے تو میں کیسے اجازت دے سکتا ہوں؟ دیکھا آپ نے یہ تھے ہمارے اسلاف!

سارا جہاں خلاف پروا نہ چاہئے
مد نظر تو مرضی جانا ناں چاہئے

اسی طرح ۔

تو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں یہ بھی نہ دیکھ
قدرت حق پر نظر رکھ اپنی کمزوری نہ دیکھ

﴿۳۲﴾ اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہیے

دیکھئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طرف تھے اور پورا ملک ایک طرف تھا، کچھ پروانہ کی اور فرمایا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھا اور اسی سے مانگا اللہ تعالیٰ کی نصرت کی شان یہ ہے کہ وہ آجائے تو پھر کسی کی نصرت کی ضرورت نہیں اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ آج مصائب آتے ہیں تو ہم غیر اللہ کی طرف دھیان کرتے ہیں۔

کیسا یہ انقلاب ہے دیکھ کے دل کباب ہے
کہتے ہیں اب ثواب ہے سود اور قمار میں

سلطان عبدالحمید خان اسلام پسند آدمی تھے، اور اسلام کیلئے کوششیں کرتے رہتے تھے ان سے لوگوں نے کہا اس وقت دنیا کے حکمرانوں میں آپ کی مثال بتیس دانتوں کی بیچ میں ایک زبان کی سی ہے، آپ اکیلے کہاں تک مقابلہ کرتے رہیں گے تو مسکرایا اور جواب دیا کہ تجربہ یہی ہے کہ دانت تو ایک ایک کر کے گر جاتے ہیں مگر زبان نہیں ختم ہوتی۔ یہ ہے مومن کی حوصلہ مندی! بس اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے، اسی سے ہمت پیدا ہوتی ہے۔

﴿۳۳﴾ تہجد کی عادت ڈالنا چاہیے

حرم شریف کے قیام کو غنیمت سمجھنا چاہئے، اور اس سے خوب استفادہ کی کوشش کرنی چاہئے، ایک اہم عمل تہجد کا ہے، اس کی پابندی کا اہتمام کریں، حدیث پاک میں اسکے بہت فضائل آئے ہیں۔ ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ”اپنے اوپر تم لوگ تہجد کو لازم کرلو“ پھر آپؐ نے اس کے چار بڑے بڑے فائدے بیان فرمائے۔

- ① انه داب الصالحين قبلکم وہ تمام صالحین کی عادت ہے۔
- ② وهو قربه لکم الی ربکم وہ تم کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہے۔
- ③ مکفرة للسيئات گناہوں کا کفارہ ہے
- ④ منهاة عن الاثم نافرمانیوں اور گناہوں سے روکنے والی ہے

اس لئے اس کی عادت ڈالنا چاہئے، کوشش کرنے سے ہر کام آسان ہو جاتا ہے تھوڑی توجہ اور اہتمام سے کام لیں، انشاء اللہ یہ نعمت بھی مل جائیگی۔

خطاب بہ اہل علم

۴۳) اہل علم کا مرتبہ بہت اونچا ہے

دین کے کام کرنے کے منافع کیا ہیں اور اہل علم حضرات کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بنگلہ دیش میں ابھی حال ہی میں ایسا ہوا کہ جو علماء سیاست میں حصہ لیتے ہیں انہوں نے سوچا کہ ہم لوگوں میں جو مختلف امور میں اختلاف ہو جاتا ہے وہ کیسے دور ہو؟ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اس کیلئے علماء کرام کی ایک جماعت ہو جن کے فیصلوں کو ہم سیاسی جماعت کے اہل علم مان لیا کریں۔ چنانچہ ان کی خواہش پر تیس پینتیس علماء پر مشتمل ایک جماعت تشکیل دی گئی جسے انہوں نے اپنے اختلافات میں حکم تسلیم کر لیا، دیکھا آپ نے؟ یہ ہے بوریا نشین علماء کا مقام کہ بڑے بڑے سیاسی لوگ کہتے ہیں کہ یہ علماء جو بھی فیصلہ دیں گے ہم مان لیں گے۔ اسی وجہ سے اہل علم کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر میں رہیں چونکہ ان پر بڑی ذمہ داریاں ہیں اور ان کا بہت اونچا مقام ہے۔ اب دیکھئے جو علماء سیاست میں مشغول تھے انہیں علمی خدمات میں مشغول علماء سے رجوع کرنا پڑا۔ ان کی نظر ایسے علماء ہی پر پڑی جو یکسوئی سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۔ حضرت والا مدظلہ مدرسہ فیض العلوم حیدرآباد میں تشریف فرما تھے، شہر کے چند علماء کرام ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوئے تو حضرت والا نے ملاقات کے بعد حسب معمول کچھ ارشادات فرمائے، اس عابض نے اسی وقت ان باتوں کو نوٹ کر لیا تھا ذیل میں پیش ہیں۔ ان ملفوظات پر حضرت کی نظر ثانی بھی ہو گئی تھی۔

۳۵) حضرت حکیم الامتؒ کی دقت نظر

اس صورت حال کو حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ ایک دفعہ مولانا شبیر علی صاحب سے فرمایا: میاں شبیر علی! اب جو انقلاب آنے والا ہے آثار ایسے ہیں کہ اقتدار اور حکومت اہل دنیا کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ اب زعماء اور علماء دونوں کے مستقل اور علیحدہ علیحدہ کام ہیں، زعماء کا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو من حیث القوم مٹنے نہ دیں اور علماء کا کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا من حیث المذہب تحفظ کریں۔ معلوم ہوا کہ علماء کی بہت بڑی ذمہ داری اور بہت بڑا منصب ہے، انہیں اپنے اور قوم کے حالات پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ ان کی اصلاح حال کر سکیں اور مذہبی زندگی استوار اور درست رکھ سکیں۔

۳۶) امت کے مصائب ٹلنے کیوں نہیں؟

آج ہر طرف منکرات پھیلنے جا رہے ہیں، آپ حضرات اخبارات دیکھتے رہتے ہیں، کیسے کیسے حادثات پیش آرہے ہیں اور آئے دن نئی برائیاں معاشرہ میں بڑھتی جا رہی ہیں، لیکن آپ ہی بتائیے ان کے انسداد اور روک تھام کی کما حقہ کوششیں ہو رہی ہیں؟، انفراداً تو ماشاء اللہ ہو رہی ہیں لیکن کیا جماعتاً بھی ہو رہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اکثر مقامات پر نہیں ہو رہی ہیں۔ سارے ہندوستان میں چلے جائیے ہر جگہ مسجد کا نظام چلانے کیلئے بھی جماعت ہے، مدرسوں کے چلانے کے لیے بھی جماعت ہے، رفاہی کاموں کیلئے بھی جماعت ہے، سیاسی کاموں کے لئے بھی جماعت ہے۔ پوچھ لیجئے اس مسجد کا نظام کون چلا رہا ہے؟ معلوم ہوگا فلاں فلاں حضرات کی جماعت ہے۔ اس مدرسہ کا انتظام کون کر رہا ہے؟ فلاں فلاں صاحب کی جماعت بنی ہوئی ہے، کیا یہاں دین کا کام ہوتا ہے؟ جواب ملے گا ہاں صاحب فلاں جگہ مرکز ہے، جماعتیں آتی ہیں، بھلائیوں کو پھیلانے کا کام ہو رہا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سوال کریں کہ یہاں کوئی ایسی جماعت بھی ہے جو برائیوں پر روک ٹوک اور اس کے خاتمہ کے لیے جدوجہد کرتی ہو تو اس کا جواب اکثر مقامات پر نفی میں ملے گا۔ میں نے کئی مقامات پر یہ سوال کیا، حضرات اہل علم بھی تھے اور وہ لوگ ماشاء اللہ اہل دیانت و تقویٰ تھے، وہاں کئی

مدارس بھی تھے اور دین کے دوسرے کام ماشاء اللہ ہوتے ہیں، میں نے پوچھا کہ نبی عن المنکر کا کام بھی ہو رہا ہے؟ جواب ملا کہ علماء کرام منکرات کے سلسلہ میں وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو ٹھیک ہے مگر جماعتی سطح پر بھی یہ کام ہو رہا ہے؟ اس کام کیلئے بھی یہاں کوئی جماعت ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔ کیوں صاحب! جب اس کام کے لیے جماعت کا ہونا شریعت میں مامور بہا ہے تو پھر اس کا اہتمام کیوں نہیں کیا جاتا؟ کہیں کہیں کسی فرد کے کرنے سے یہ حکم کیسے پورا ہو جائے گا؟

۳۷ ایک عام غلط فہمی

یہ ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے وہ یہ کہ عام طور سے لوگ جو کام ہو رہے ہیں انہیں کو کافی سمجھتے ہیں، اس لیے جو دین کے بقیہ کام ضروری ہیں مگر نہیں ہو رہے ہیں ان کی طرف دھیان نہیں جاتا، توجہ نہیں ہوتی۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ جو کام ہو رہے ہیں وہ نافع تو ہیں مگر کافی نہیں۔ مدارس نافع تو ہیں کافی نہیں ہیں، کیوں بھائی! دیوبند میں اتنا بڑا مدرسہ ہے، سہارنپور میں اتنا بڑا مدرسہ ہے، یہاں حیدر آباد میں بڑے بڑے مدارس ہیں، پھر اور مدرسے قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی لیے ناکہ کافی نہیں ہیں۔ اسی طرح انفراد علماء کا کام نافع تو ہے مگر کافی نہیں۔ تبلیغ کی محنت ماشاء اللہ پورے عالم میں پھیل رہی ہے، اثرات و برکات بھی ظاہر ہو رہے ہیں بہت نافع ہے، مگر کافی یہ بھی نہیں ہے۔ ایک ہی جماعت کیا ضروری ہے کہ سب کام کرے؟ اور یہ دشوار بھی ہوتا ہے، تو پھر نبی عن المنکر کے لئے کوئی جماعت کیوں نہیں بنائی جاتی؟ اس کام کا نام تبلیغ عوام نے رکھ دیا ہے، یہ نام بڑوں کا رکھا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی تبلیغ شرعی کا اس کام پر مکمل اطلاق ہوتا ہے۔ سب ہی جانتے ہیں کہ تبلیغ شرعی تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مجموعہ کا نام ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرتدہ فرماتے ہیں کہ یہ نام میں نے نہیں رکھا، اگر میں اس جماعت کا نام رکھتا تو نماز کی تحریک رکھتا، تبلیغی جماعت نہ رکھتا۔ اور اب اگر پڑ گیا ہے یہ نام تو اس میں کیا حرج ہے؟ رہنے دیا جائے مگر تبلیغ کا جو حصہ عملاً و جماعتاً متروک ہے، اس سے غفلت تو نہیں برتی جاسکتی، یہ بھی ایک اصلاحی کام ہے ہونا چاہیے، اور وہ بھی ایک اصلاحی کام ہے اسے بھی ہونا چاہیے۔

۳۸) آج مجھے سمجھ میں آیا

اس غلط فہمی پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ میں جب امریکہ گیا تھا تو وہاں مسجد میں عرب امام تھے، اچھے عالم ماشاء اللہ، ان سے میری ملاقات ہوئی اور کچھ گفتگو ہوئی تو بہت مسرور ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان سے کچھ لوگ آتے ہیں اور اس کو تبلیغی جماعت کہتے ہیں یہ کون لوگ ہیں اور ان کے خیالات کیا ہیں؟ میں نے ان سے کہا: یہ لوگ اہل حق ہیں اور ہمارے اکابر ہی سے ان کا تعلق ہے۔ جب انہوں نے سنا کہ اہل حق ہیں تو تعجب سے دیکھنے لگے، ان کا منشا یہ تھا کہ دین تو صرف چھ باتوں کا نام نہیں ہے، اور وہ لوگ صرف اسی کی بات کرتے ہیں، پھر بھی آپ انہیں صحیح کہتے ہیں؟۔ ایسے موقع پر میرا معمول ہے کہ میں دل ہی دل میں مشائخ سلسلہ کے توسل سے دعا مانگ لیتا ہوں اور اللہ پاک مناسب جواب سے امداد فرماتے ہیں۔ میں نے فوراً دعا کی تو دل میں ایک بات آئی، میں نے ان سے کہا: یہ تبلیغی نہیں اصلاحی جماعت ہے، ان کا منشا امت مسلمہ کی اصلاح و درستی ہے، اور اس کے لیے ایک سیدھا سادہ طریق تجویز ہے، اس لیے ان امور پر زور دیتے ہیں، بس اس تقریر سے ان کی غلط فہمی دور ہو گئی اور اس قدر مطمئن ہوئے کہ اٹھ کر میری پیشانی کو بوسہ دیا پھر انہوں نے فرمایا کہ آج سمجھ میں آئی بات، مجھے عرصے سے اس کام پر اشکال تھا۔

۳۹) علماء کرام وجد میں آگئے

اسی طرح لندن میں ایک جگہ وہاں کے معروف اور مقتدر علماء جمع تھے، وہاں بھی ماشاء اللہ کافی کام ہو رہا ہے، مساجد کے ذریعے، جماعتوں کے ذریعے اور دوسرے طریقوں سے بھی، میں نے انہیں یہی بات نہی منکرات کی ضرورت کی سمجھائی کہ یہ کام بھی ضروری ہے، من حیث الجماعت ہونا چاہیے۔ پھر حضرت والا تھانویؒ کے رسالہ ”دعوة الداعی“ میں سے ایک مضمون سنایا جو دعوة الحق کے کام سے متعلق ہی ہے۔ اس مضمون کو سن کر وہ علماء کرام وجد میں آگئے اور بہت متاثر ہوئے، انہوں نے حضرت والاؒ کی دقت نظر اور اس کام کی اہمیت کا اعتراف کیا۔

﴿۵۰﴾ پھر آپ کو بھی اسی دروازہ سے داخل ہونا چاہئے

ہمارے یہاں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ تبلیغ کا کام جب ہو رہا ہے تو پھر آپ یہ دوسرا کام کیوں کر رہے ہیں، آپ اسی میں کیوں نہیں لگ جاتے۔ میں نے کہا آپ حضرت تھانویؒ کو کیسا سمجھتے ہیں؟ کہنے لگے انہیں میں اہل حق اور بڑا عالم سمجھتا ہوں، میں نے کہا پھر انہوں نے ہی تو یہ کام شروع کیا ہے، انہوں نے دوسرے کاموں کو کافی نہیں سمجھا؟ جب آپ ان کو بڑا عالم مانتے ہیں تو ان کی بات کیوں نہیں مانتے؟ پھر میں نے عرض کیا کہ سب دین کے کام ہیں، سب کاموں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے، اور دین کی حفاظت و اشاعت ہے۔ پھر میں نے ایک حسی مثال سے بات سمجھانے کے لیے ان سے کہا کہ کسی مسجد میں داخل ہونے کے اگر تین دروازے ہوں، تو ظاہر ہے کہ ہر دروازہ سے داخل ہونے والا مسجد ہی میں آئے گا، کہیں اور تو نہیں پہنچے گا؟ کہا ہاں! میں نے پوچھا: تو پھر آپ اس مسجد میں داخلہ کے لئے لوگوں کو کسی ایک دروازے کا پابند کریں گے؟ کہا ہاں! میں تو ایک ہی دروازے کا پابند کروں گا، میں نے کہا: میرے نزدیک آپ کا یہ جواب صحیح نہیں ہے لیکن آپ کے اصول ہی سے کہتا ہوں کہ ایسا ہے تو آپ بھی اسی دروازے سے دین میں داخل ہو جائیں، یعنی دعوت الحق کے کام میں میرے ساتھ لگ جائیں، بس چپ ہو گئے۔

﴿۵۱﴾ دعائیں کیوں قبول نہیں ہو رہی ہیں؟

میرے عزیز دوستو! دین کے اس کام کی طرف یعنی نبی عن المنکر اور برائیوں کے مٹانے کے کام کی طرف آج کل جماعتی حیثیت سے توجہ نہیں ہو رہی ہے، جو بہت فکر کی بات ہے۔ آج پوری امت مصائب و مظالم میں گھری ہوئی ہے۔ بعض ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے سب کو معلوم ہے، کیا ہمارے اعمال ان سے اچھے ہیں؟ ہمارا حال بھی ایسا ہی ہو رہا ہے، ان مصائب کے ازالہ کے لئے سارے عالم میں دعائیں ہو رہی ہیں، حرمسین شریفین میں ہو رہی ہیں، مگر ان مصائب میں کوئی تقلیل و کمی نظر نہیں آرہی ہے۔ امت مسلمہ پر ایک نظر ڈال کر دیکھ لو، آخر کیوں ایسا ہو رہا ہے؟ وہی بات کہ دعائیں تو ہو رہی ہیں مگر برائیوں کو مٹانے کی فکریں نہیں ہو رہی ہیں، مصیبتوں کے اسباب دور نہیں کئے جا رہے ہیں۔

﴿۴۲﴾ جب نافرمانیاں کھلے طور پر ہونے لگیں

اور حدیث پاک میں کیا آیا ہے؟، دیکھ لو ”فضائل تبلیغ“ حدیث نمبر تین سے سات تک، اس کے تحت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی شرح بھی دیکھ لو کہ وہ ان احادیث کی کیا تشریح فرما رہے ہیں۔ مثلاً حدیث نمبر پانچ ہے۔^۱

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے کو نفع دیتا ہے، اور اس سے عذاب کو دفع کرتا ہے، جب تک کہ اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف نہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اس کے حقوق سے بے پرواہی اور استخفاف کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی نافرمانیاں کھلے طور پر کی جارہی ہوں اور انہیں بند کرنے کی کوشش نہ کی جارہی ہو۔“ اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: اب آپ ہی ذرا انصاف سے فرمائیں کہ اس زمانہ میں اللہ کی نافرمانیوں کی کوئی انتہا اور کوئی حد ہے؟ (یہ کب فرما رہے ہیں؟ آج سے ترسٹھ سال قبل فرما رہے ہیں۔ فضائل تبلیغ لکھ کر ۶۳ رسال ہو گئے، اس وقت فرما رہے ہیں، اور اب تو حال اس سے بہت زیادہ بگڑا ہوا ہے۔) پھر حضرت خود ہی سوال فرما رہے ہیں کہ ان برائیوں کے روکنے یا بند کرنے یا کم از کم تقلیل کی کوئی سعی یا کوئی کوشش ہے؟ پھر خود ہی جواب دے رہے ہیں اور بہت سخت جواب دے رہے ہیں کہ ”ہرگز نہیں“۔ مجھے شیخ کے اس جملے کی توجیہ و تاویل کرنی پڑتی ہے کہ باعتبار عموم کے نفی فرما رہے ہیں، یعنی اکثر جگہ نہیں ہے، یا جماعتی حیثیت سے نہیں ہے، ورنہ بعض بعض اللہ کے بندے تو کر رہے ہیں۔ میں نے ایک جگہ یہ مضمون سنایا تو ایک صاحب پوچھنے لگے: کیا یہ بات تبلیغی نصاب میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں! آپ لوگ غور سے پڑھتے ہی نہیں تو کیسے معلوم ہو؟۔

﴿۴۳﴾ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب تم پر نازل کر دے گا

حدیث پاک میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ ضرور اچھی باتوں کا حکم کرتے رہو۔ ولتنھون عن المنکر اور بری باتوں سے روکتے رہو۔“ دیکھئے مستقل حکم دیا جا رہا ہے برائیوں سے روکنے کا، لام اور نون کی دو دو تاکیدیں ہیں۔ آگے کیا ارشاد فرما رہے ہیں غور سے سنو: ”اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عذابا من عندہ یا تو یہ کام کرو یا اللہ تعالیٰ بہت جلد تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے گا۔“ من عندہ فرما رہے ہیں، اپنے پاس سے عذاب کا کیا مطلب؟ پوری زندگی کا تلخ ہو جانا ”ثم لتدعون ولا یستجاب لکم پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے مگر قبول نہ کی جائیگی۔“ اب سمجھ میں آیا کہ سارے عالم میں مسلمانوں کے لیے دعائیں ہو رہی ہیں اس کے باوجود مصائب کیوں گھٹتے نظر نہیں آرہے ہیں۔

﴿۴۴﴾ علماء کرام اور ائمہ عظام اپنی ایک تنظیم بنائیں

میرے عزیز دوستو! میں اسی لیے عرض کیا کرتا ہوں اہل علم حضرات سے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ دیں، اپنی ایک جماعت بناویں، غیر علماء بھی شریک ہونا چاہیں تو ممانعت تو نہیں ہے، لیکن کام خاص طور سے اہل علم اور ائمہ کرام کی توجہ چاہتا ہے، کیونکہ ان کی وجہ سے اور ان کے ذریعہ سے کام سہل ہوگا چاعدے کے مطابق ہوگا۔ ہر شہر میں ائمہ کرام کی تنظیم بنائیں تاکہ کبھی کبھی مہینہ میں ایک آدھ بار جڑ کے بیٹھ سکیں، پھر سوچیں اور مشورہ کریں کہ اس وقت کس منکر کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، پھر سب مل کر اس کا نظام بنائیں۔ اس وقت بنگلہ دیش میں کام بہت اچھی طرح ہو رہا ہے، شروع میں تو ایک آدھ صاحب لگے تھے اب ماشاء اللہ پورے ملک میں پھیل گیا ہے۔ اور ہر کام اسی طرح شروع ہوتا ہے پھر صحیح محنت سے بڑھتا ہے، ماشاء اللہ تین سو علماء کی جماعت بن گئی ہے، وہ حضرات اسی طرح جمع ہو کر

مشورہ کر کے ایک عنوان طے کر لیتے ہیں پھر سب اسی عنوان پر بیان کرتے ہیں۔ تین سو علماء کا حلقہ کوئی معمولی ہوتا ہے؟

﴿۴۵﴾ اجتماعی کام کا فائدہ یہ ہے

مثال کے طور پر معلوم ہوا کہ وہاں ایک بدعت یہ رائج تھی کہ میت کو قبر میں چت لٹا کر منہ قبلہ کی طرف موڑ دیتے تھے حالانکہ بالاتفاق حکم یہ ہے کہ میت کو قبلہ رو کروٹ پر لیا جائے^۱ اب ان حضرات نے مشورہ میں طے کیا کہ یہ حکم عام کرنا چاہیے، چنانچہ ایک جمعہ کو سب علماء نے اپنی اپنی مسجدوں میں یہ مسئلہ بتایا، نتیجہ یہ ہوا کہ جب لوگ آپس میں تعجب سے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہمارے امام صاحب نے آج یہ مسئلہ بتایا ہے تو فوراً دوسرا شخص کہتا کہ ہمارے امام صاحب نے بھی یہی کہا ہے، تیسرے نے کہا ہمارے امام صاحب نے بھی یہی کہا اس طرح خوب چرچا ہوا، لوگ علماء سے رجوع ہونے لگے تو صحیح بات سامنے آنے لگی۔ یہ فائدہ ہو گا اس تنظیم کا اور اس طرح کام سہل ہوتا چلا جائے گا، ایک عالم اگر کہتا ہے تو لوگ آسانی سے تھوڑا ہی مانتے ہیں؟ ایک پوری جماعت کہتی ہے تو اثر ہوتا ہے۔

﴿۴۶﴾ مسجدیں اہل حق کے ہاتھوں سے نکلتی جا رہی ہیں

آج نہی عن المنکر کی فکر نہ کرنے اور حق بات نہ بتلانے کا نتیجہ کیا ہو گیا ہے؟، لوگ باطل کو حق سمجھنے لگے ہیں اور حق کو باطل۔ عجیب معاملہ ہے اہل باطل تو سنتوں پر تکبر کر رہے ہیں اور اہل حق کو بدنام کر رہے ہیں، اور لوگ ان کے کہنے میں آکر گمراہ ہوتے جا رہے ہیں لیکن اہل حق باطل کو باطل کہنے کا کام اکثر جگہوں پر چھوڑے ہوئے ہیں۔ بعض جگہوں پر ایسا ہوا کہ وہاں اسی فیصد مسجدیں اہل حق کی تھیں اب اہل بدعت کی ہو گئیں ہیں، ان کے قبضہ میں چلی گئیں ہیں۔ کیوں؟ ان بیچاروں کو بتایا ہی نہیں گیا کہ سنت کیا ہے؟ دین کیا ہے؟ نبی کریم ﷺ کا طریقہ کیا ہے؟ اہل باطل نے انہیں خوب بتایا کہ یہ لوگ غلط ہیں، اسلئے باطل کو باطل بتلانے کی ضرورت ہے۔ ہاں! بتانے کا طریق عمدہ ہونا چاہیے، عنوان دل کش ہونا چاہیے۔

﴿۴۷﴾ عنوان کا بڑا اثر ہوتا ہے

مجھے اپنا واقعہ یاد آیا: میں نے ایک مرتبہ تھانہ بھون میں عید کی نماز میں دیکھا کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے اعلان فرمایا تھا عید کی نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے اور مجھے اس کا تحمل بھی نہیں ہے تو سب لوگ نکل کر چلے گئے۔ پھر میں جب فارغ ہو کر ہردوئی آیا اور مجھے عید گاہ میں نماز پڑھانے کے لئے طے کیا گیا تو میں نے حضرت والا کو لکھ کر پوچھا کہ کیا میں بھی یہاں اسی طرح اعلان کروں؟ حضرت والا نے جواب لکھا کہ اس طرح نہیں کرو بلکہ اس عنوان سے کہو کہ نماز کے بعد مصافحہ اور معانقہ سنت سے ثابت نہیں۔ دیکھئے! بات تو ایک ہی ہے لیکن عنوان کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے، چنانچہ دھیرے دھیرے ہمارے ہاں بھی اب کوئی گلے نہیں ملتا، حالانکہ بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، اطراف سے لوگ عید پڑھنے آ جاتے ہیں، اسی لئے کہتا ہوں کہ نکیر تو ہونی چاہئے مگر عنوان نرم ہونا چاہیے۔

﴿۴۸﴾ مخالف حمایتی بن گئے

مجھ سے خود ایک صاحب نے اپنا واقعہ بتلایا کہ بمبئی کے لوگوں نے مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کو بلایا تھا تو وہاں کے لوگوں نے ان کے خلاف بہت پروپگنڈہ کیا کہ وہاں بڑا آرہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شب کو جلسہ ہو رہا تھا تو میں خود ایک بڑا ڈانڈا لے کر گیا کہ اگر وہ کچھ غلط بات کہیں تو پھر میں سر توڑ دوں گا اس ڈنڈے سے لیکن خیر جب مولانا کا بیان سنا تو وہ صاحب خود کہتے ہیں کہ میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے اعلان کیا: اگر اسی کا نام وہابی ہونا ہے تو میں بھی آج سے وہابی ہوں۔ اور پھر انہی صاحب نے ان اشرا کو جنہیں لے کر مولانا کے خلاف پروپگنڈہ کیا تھا خبردار کیا کہ آئندہ سے وہ ان علماء کے نام پر نہ آئیں۔

﴿۴۹﴾ آج سے ہم سب وہابی ہیں

حضرت مفتی محمود صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آئے، ایک دفعہ جب مفتی صاحب کانپور میں تھے تو ایک گاؤں میں جہاں حشمت علی صاحب کے بہت مرید تھے، گاؤں کا بڑا بھی ان کا مرید تھا حضرت مفتی صاحب کا بیان طے ہوا، جو مجمع

آیا تھا اس میں اکثریت مخالفین کی تھی، مفتی صاحب نے بہت طویل بیان کیا، کافی دیر تک آپ کا بیان ہوتا رہا بلکہ شام صبح تک چلا، جب بیان ختم ہوا تو مخالفین نے وہاں علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر اسی کا نام وہابیت ہے تو آج سے ہم سب وہابی ہیں۔ پھر حشمت علی صاحب کا دورہ ہوا تو مریدوں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ آپ ہمارے بڑے پیر ہیں، ہم آپ کی خدمت ضرور کریں گے مگر تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ دیکھو یہ اثر ہوتا ہے بشرطیکہ حکمت سے سنتوں کی طرف دعوت دی جائے، ان بے چاروں کو تو یہ باور کرایا گیا تھا کہ یہ لوگ گستاخ رسول ہیں۔

۵۰) ایک دن میں بیس سنتیں سیکھ لیں

ایک دفعہ خود ہمارے ہاں مسجد میں ایک صاحب آئے جو اختلاف کی وجہ سے دوسری مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ اس دن مجھ سے کہنے لگے کہ میں یہاں کے بارے میں بہت کچھ سنتا تھا اور اسی وجہ سے کبھی آتا بھی نہیں تھا، آج اتفاق سے آ گیا مجھے ایک ہی نماز میں بیس سنتوں کا علم ہوا۔ عصر کی نماز تھی اور ہمارے ہاں عصر کے بعد سنتیں بتلانے کا ایک نظام ہے، کہنے لگے کہ ایک ہی دن میں بیس سنتیں سیکھ لیں، اور جہاں پہلے جایا کرتا تھا اب تک وہاں کچھ نہیں سیکھا۔

۵۱) ایک عالم کا حسن فہم و تدبیر

ایک مولوی صاحب جب فارغ ہو کر اپنے وطن آئے تو انہوں نے ایک اچھی ترکیب نکالی کہ بریلی خط لکھا اور اس میں اپنا نام ظاہر کئے بغیر پوچھا کہ شامی عالمگیر وغیرہ کتابیں کیسی ہیں؟ مستند ہیں یا غیر مستند؟ انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ سب کتابیں مستند ہیں۔ بس اب وہ جہاں جاتے وہ کتابیں اور یہ فتویٰ ساتھ رکھتے اور ساری باتیں سنت کے مطابق لوگوں کو بتلاتے رہتے۔ اگر کوئی اعتراض کرتا تو کتاب کھول کر دکھا دیتے، ساتھ ہی فتویٰ بھی بتا دیتے کہ یہ کتابیں بریلی کے علماء کے ہاں معتبر ہیں، اب لوگوں کو مانے بغیر چارہ نہ ہوتا تھا، یوں انہوں نے حکمت عملی سے کام آسان کر لیا۔

۵۲) آپ کے لیے تو پانچ گھنٹے کی اجازت ہے

بنگلہ دیش میں ایک مسجد بہت غالی قسم کے اہل بدعت کی تھی، اس قدر شدت کہ تسبیحی

جماعت کا داخلہ تک ممنوع تھا۔ دعوت الحق سے وابستہ چند عالم وہاں پہونچے اور متولی سے خواہش کی کہ ہمیں تھوڑا وقت دیا جائے کچھ کہنے کے لیے، ان لوگوں نے بات سلیقہ اور عمدگی سے رکھی تھی، متولی نے کہا: اچھا پندرہ منٹ کی اجازت دی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے کہا پندرہ منٹ بہت ہیں ہمیں تو پانچ منٹ کافی ہیں۔ چنانچہ نماز کے بعد پانچ منٹ کا اعلان کیا اور آیت اقیسوا الصلوٰۃ پڑھ کر مختصر تشریح کی اور کہا کہ ہم لوگ حنفی ہیں اور احناف کے طریقہ پر نماز میں اکاون سنتیں ہیں، ہم دیکھ لیں کہ ہماری نماز سنت کے مطابق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو فکر کرنی چاہیے، بس بات ختم کر دی۔ متولی بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں۔ جب ان کی بات سنی تو کہنے لگے مولانا! آپ کے لیے تو پانچ گھنٹے کی اجازت ہے۔ مولانا نے کہا اب تو موقعہ نہیں ہے، پھر ان کی خواہش اور اصرار پر عشاء کے بعد دیر گھنٹہ بیان کیا اور سامعین سب مخالف ذہن کے ہونے کے باوجود بہت متاثر ہوئے۔

۵۳) اصلی ہیرے الماریوں میں بند کئے ہوئے ہیں

میرے عزیزو! یہ برکت ہے سنتوں کی! آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے پاس اصلی ہیرے جواہر ہیں مگر ہم نے اسے الماری میں بند کر کے رکھا ہوا ہے، اور دوسرے لوگ نقلی جواہر مارکٹ میں لا کر ان کو پھیلارہے ہیں، اتباع سنت میں بڑا اثر ہے، ظاہراً بھی باطناً بھی۔ حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ مراد آباد تشریف لے گئے، تو وہاں کے مخالفین صرف ان کی زیارت ہی سے ان کی طرف مائل ہو گئے، ہاں! چہرے بشرے سے متاثر ہو گئے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر یہ دیندار نہیں تو پھر دنیا میں کون دیندار ہوگا، اگر یہ مسلمان نہیں ہیں تو پھر کون مسلمان ہوگا؟ سچ ہے۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

۵۴) ہماری کمزوری کی وجہ کیا ہے

ہم نے خمیرہ کھانا چھوڑ دیا ہے۔ یعنی اتباع سنت میں کمی کر دی ہے، ورنہ ہم اتنے

کمزور نہ ہو جاتے، آج مسجدوں میں ہماری اذان و اقامت تک صحیح نہیں ہے، نمازیں سنتوں کے موافق عام طور سے نہیں پڑھی جا رہی ہیں، اہل علم تک اس میں کوتاہی کرتے ہیں، مثلاً: رکوع میں پیر پیچھے کی طرف، جھکا دینے کی عام عادت ہے، حالانکہ ٹانگوں کو سیدھا کھڑا رکھنا سنت ہے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے فرمایا رکوع نصف قیام ہے، یعنی کمر سے اوپر کا حصہ جھکایا جاتا ہے اور نیچے کا حصہ بالکل اسی طرح رہتا ہے جس طرح قیام میں ہے۔ سیکھتے نہیں سیکھنے کی فکر نہیں، اسی طرح مسجد میں داخل ہونے نکلنے کی سنتیں ہیں، ہم غور کریں کہ ہم میں سے کتنے لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں، بعض لوگ باتیں کرتے کرتے داخل ہو جاتے ہیں، بعض ویسے ہی بغیر دعا کے چلے جاتے ہیں، حرم شریف میں لوگ ساٹھ ستر ہزار خرچ کر کے جاتے ہیں وہاں بھی خلاف سنت مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں مشق کئے ہوئے نہیں ہیں۔

۵۵) اپنی اصلاح کی فکر بہت ضروری ہے

بہر حال اہل علم حضرات کو خواہ اپنی اصلاح کی فکر کرنا بھی ضروری ہے، جاننا اور ہے عمل کرنا اور ہے۔ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اصلاح نفس فرض ہے، اسلئے میں فتویٰ دیتا ہوں کہ آج کل صحبت علماء اہل حق بھی فرض ہے، چونکہ بغیر اس کے ایمان پر قیام دشوار ہو گیا ہے۔ اور جب ایمان کا تحفظ فرض ہے تو اس کے اسباب کا اختیار کرنا بھی فرض ہے، جیسے اصل میں تو نماز فرض ہے مگر اس کے صحیح ہونے کیلئے وضو بھی فرض ہے۔

۵۶) بیعت ضروری ہے یا اصلاح نفس؟

اصل چیز اصلاح نفس و تزکیہ قلب ہے، بیعت اصل نہیں ہے۔ کتابوں میں کہیں بیعت کو، ہم کہا ہے اور کہیں اصلاح کو، ہم بتلایا ہے تو اس سے اشتباہ ہو گیا۔ حضرت والا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اس کی تشریح اس طرح فرمائی کہ بیعت کی دو قسمیں ہیں۔ بیعت صوری دوسری بیعت حقیقی، بیعت صوری یہ ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر توبہ کر لی جائے، اور حقیقی واصلی بیعت اطلاع حالات و اتباع ہدایات ہے، یہی دوسری قسم ضروری ہے، پہلی ضروری نہیں۔ مگر اب لوگ الٹا سمجھتے ہیں کہ مثلاً کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، ان کا

انتقال ہو گیا تو دوسرے بزرگ سے تجدید بیعت ضروری سمجھتے ہیں، تعجب ہوتا ہے کہ اکابر سے بیعت ہیں پھر اصغر سے بیعت کی درخواست کرتے ہیں، حالانکہ تجدید بیعت ضروری نہیں، علاج کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، یہ ضروری ہے۔ اور اس غلط فہمی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ لوگ بیعت تو بہت شوق و اہتمام سے ہوتے ہیں مگر اس کے بعد نہ اطلاع نہ اتباع، برس دو برس کے بعد ملتے ہیں تو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ کون؟ بتلاتے ہیں کہ میں آپ کا مرید ہوں، فلاں وقت بیعت ہوا تھا۔ یہ کیا طریقہ ہے اس سے کیا فائدہ ہے؟ اصل طریقہ یہ ہے کہ مکاتبت اصلاحی کا آغاز کر دیں، اصلاح حال ہوتی رہے، پھر کبھی موقع ہو تو بیعت کی درخواست کر لیں، کیوں کہ بیعت نفع کا موقوف علیہ نہیں ہے۔ بعض لوگ حضرت والا تھانویؒ سے مکاتبت کے ذریعہ رجوع ہوئے اور اصلاح کی تکمیل کی، حتیٰ کہ حضرت والا نے انہیں اجازت و خلافت بھی عطا فرمادی، تب کہنے لگے کہ میں تو بیعت بھی نہیں ہوں، فرمایا: اس میں کیا حرج ہے؟ لاؤ اب کئے دیتے ہیں، چنانچہ تکمیل و اجازت کے بعد بیعت کی نوبت آئی، اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ بیعت اصل اور ضروری چیز ہے، ضروری تو بس اصلاح اخلاق ہے۔

۵۷ اصلاح کا صحیح طریقہ کار مکاتبت اصلاحی ہے

حیدرآباد میں ایک صاحب غیر متعارف میرے پاس آئے اور بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کا نکاح ہوا ہے؟ کہنے لگے ہاں شادی شدہ ہوں، میں نے پوچھا کہ نکاح کرنے کے لیے آپ اسی طرح لڑکی کے گھر چلے گئے تھے کہ میرا نکاح کر دیجئے؟ کہا نہیں، پہلے روابط قائم کئے گئے تھے اور اس کے بعد نکاح ہوا۔ میں نے کہا اسی طرح پہلے خط و کتابت کیجئے، اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ چلتا رہے، پھر جب طرفین کو مناسبت ہوگی اور ایک دوسرے پر اطمینان ہو جائے گا تو بیعت بھی ہو جائے گی۔

۵۸ ہم خیال پیر تلاش کرو

اسی طرح ایک اور صاحب سے میں نے ایسی ہی درخواست کے جواب میں پوچھا کہ بیعت ضروری ہے یا اصلاح؟ انہوں نے جواب لکھا بیعت۔ میں نے کہا آپ کے پاس ہو گی، میرے اکابر کے نزدیک تو اصلاح ضروری ہے، بیعت نہیں۔ پھر جب دونوں کے تحقیق

میں تضاد ہے تو معلوم ہوا کہ ایک دوسرے میں مناسبت نہیں اور مناسبت نہیں تو نہ آپ کو مجھ سے بیعت ہونا چاہیے نہ مجھے کرنا چاہیے، آپ اپنا ہم خیال مرشد تلاش کر لیں۔

﴿۵۹﴾ مجھے یہ مال پسند نہیں

بعض لوگ بہت ذہین ہوتے ہیں۔ ایک صاحب میرے ہاں ہر دوئی آئے کہنے لگے: بیعت کر لیجئے، میں نے انکار کیا، کہنے لگے: بیعت کے معنی بیچنے کے ہیں، میں اپنے آپ کو بیچ رہا ہوں، میں نے عرض کیا: جب کوئی چیز بیچنی ہوتی ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ خریدنے والے کو وہ چیز پسند ہو، مجھے یہ مال پسند نہیں، میں نہیں خریدنا چاہتا ہوں، تو ایسے ہوتے ہیں لوگ، سمجھتے ہیں کہ بس ذہانت سے کام نکل جائے گا۔ اور یہ بات جو انہوں نے کہی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، بیعت کے معنی اگر بیچنے کے ہی لئے جاویں تب بھی کیا جسم و جان بیچنا مراد ہے؟ (یہ تو حرام ہے) نہیں، بلکہ اپنی مرضی اور اپنی رائے کو بیچنا مراد ہے، کیونکہ حدیث میں ہے لایؤمن احدکم حتی یکون هواہ تبعالہا جئت بہ لستم میں کوئی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی خواہش کو میری شریعت کے تابع نہ کر دے۔ اہل اللہ نبی کے نائب اور ان کی طرف سے گویا وکیل ہوتے ہیں اور وکیل اپنے موکل کی طرف سے معاملت کرتا ہے، لہذا یہ خواہشات کو شیخ کے تابع کر دینا ما جئت بہ کے تابع کرنا ہی ہوا، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اپنی رائے اور خواہش کو شیخ کے تابع کر دے، اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ پھر وکیل بھی صحیح معنوں میں وکیل ہونا چاہیے، اس کی ظاہری علامت کمال اتباع سنت ہے۔ اگر شیخ متبع سنت نہ ہو تو پھر ایسے شیخ کو چھوڑ کر الگ ہو جانا ضروری ہے۔

﴿۶۰﴾ طریق میں نفع کے چار اصول

جب اپنی اصلاح کے لیے یہ کام ضروری ٹھہرا اور اس تقریر سے اس کا اچھی طرح ثبوت ہو گیا تو اب اصلاح حال کی تکمیل کے لئے کچھ شرائط ہیں، ان کا جاننا بھی ضروری ہے حضرت والا تھانویؒ نے بہت جامع انداز میں بیان فرما دیا ہے اور اس کو خواجہ صاحبؒ نے ایک شعر میں سمودیا ہے -

چار شرطیں لازمی ہیں استفادہ کے لیے

اتباع و اطلاع و اعتقاد و انقیاد

دیکھئے! جب کسی کو ڈاکٹر سے علاج کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اسی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے جس سے اس کو اعتقاد ہوتا ہے، وہ کہے کہ جانچ کر او فلاں فلاں چیز کی تو مانتا ہے اور کراتا ہے، یہ انقیاد ہے، جب رپوٹ آگئی ڈاکٹر نے دوا تجویز کر دی تو کھانے لگتا ہے، یہ اتباع ہے۔ پھر دوا کھاتا رہتا ہے اور صورت حال کی اطلاع بھی کرتا رہتا ہے۔ بس جس طرح یہ چار چیزیں علاج جسمانی کے لیے ناگزیر ہیں اور آدمی اس پر عمل بھی کرتا ہے، اسی طرح روحانی اصلاح کیلئے بھی انہیں چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح ان میں سے ایک پر بھی عمل نہ کرے تو صحت جسمانی مشکل ہے اسی طرح روحانی صحت بھی ان کے بغیر عاۃً محال ہے۔

اندریں رہ می تراش وی خراش تادم آخردے فارغ مباش

اسی طرح خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھ جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

﴿۶۱﴾ اس سے آدمی محروم ہو جاتا ہے

جو لوگ اصلاحی مکاتبت رکھنا چاہتے ہیں انہیں اجازت دی جاتی ہے لیکن کبھی کام زیادہ ہوتا ہے یا معالج کام سے منع کرتا ہے تو پھر مجازین کی فہرست دیدی جاتی ہے کہ ان میں سے جس سے مناسبت ہو ان سے رجوع ہوں، کیوں کہ علاج مقصود ہوتا ہے۔ سرجن تک عام طور سے سب کی رسائی نہیں ہوتی، فزیشنین سے کام چلا لیا جاتا ہے، اس لیے اس میں عار نہیں محسوس کرنا چاہیے کہ یہ تو ہمارے پیر بھائی ہی ہیں ان سے کیسے رجوع ہوں۔ بعض بزرگوں کے ہاں ایسا ہوا کہ انہوں نے اپنے بعض مریدوں کو اجازت دے رکھی تھی پھر جب ان کی رحلت ہوئی تو ان کے بعض مریدوں نے کہا کہ شیخ سے غلطی ہو گئی جو ان کو شیخ بنا دیا۔ شیخ ہی پر معترض ہوئے کہ ہم ان سے رجوع کریں جو ہمارے ساتھی ہیں۔ یہ بات بہت غلط ہے اور نقصان دہ ہے اس سے آدمی محروم ہو جاتا ہے۔

۶۲) ایک واقعہ طالب علمی کے زمانے کا

مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آیا کہ جب میں سہارنپور میں پڑھتا تھا ہمارے قرأت کے استاذ تھے قاری عبدالحق صاحبؒ، وہ بیمار ہو گئے ان کی جگہ پر ”دارالتجويد“ میں ان کے صاحبزادہ بیٹھ گئے تھے، وہ ہمارے ساتھی تھے بلکہ کنز تک پڑھ کے انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا تھا، جب ہم وہاں پہونچے تو ہمارے ساتھی لوٹ آئے کہ ان سے ہم کیا پڑھیں؟۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں جاتا رہا اور انہی سے مشق کرتا رہا، دس پندرہ دن کے بعد قاری صاحب کی صحت ٹھیک ہو گئی، اب جو ساتھی ان کے غیاب میں نہیں آیا کرتے تھے وہ مستقل طور پر رہ گئے۔ غرض اس میں شرم کی کیا بات ہے کہ آدمی ضرورت پر معاصریا اصاغر سے استفادہ کر لے۔

۶۳) غور کرنے کا مقام

ذرا سوچئے کہ ہم راستہ چل رہے ہیں، مئی جون کی گرمی ہے، جوتا ٹوٹ گیا موچی کو تلاش کیا تو وہ مل گیا، کسی نالے کے کنارے، گندی جگہ، زمین پر سامنے کچھ ٹوٹے جوتوں کا ڈھیر اور خود پسینہ میں شرابور بیٹھا ہوا ہے، ہم نے کہا ذرا ہمارا جوتا صحیح کر دینا، وہ کہتا ہے دو آدمی پہلے سے ہیں ان کے بعد آپ کا نمبر آئے گا، ہم انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں، ذرا شرم محسوس نہیں کرتے نہ اسے شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم سے کہا جائے کہ صاف ستھری جگہ پر بنی درس گاہ میں، پنکھوں کی ہوا اور ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر کسی معلم سے قرآن مجید درست کر لو تو ہم اس کو شان کے خلاف سمجھتے ہیں، ہم شرم محسوس کرتے ہیں۔ کیا حال ہو رہا ہے؟ غور کرنے کا مقام ہے۔

۶۴) وہ اصلاح کا نہیں شہرت کا طالب ہے

غور کیجئے کہ اگر کوئی بیمار علاج کے لیے مشہور ڈاکٹر کی شرط لگائے تو کیا وہ عقلمند ہے؟ ہرگز نہیں! اس سے یہی پوچھا جائے گا کہ شہرت چاہئے یا ازالہ مرض؟ اسی طرح بعض لوگ آج کل دین سیکھنے کیلئے جو مشہور کی شرط لگاتے ہیں وہ دین کے طالب نہیں بلکہ شہرت کے طالب ہیں۔ اسی لیے حضرت والاؒ تھانوی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے اہل تعلق یوں تو بہت ہوتے ہیں مگر

ان میں مخلص بہت کم ہوتے ہیں، مخلص وہ ہوتا ہے کہ اس کو جس طرح کہا جائے عمل کرے، چون و چرا نہ کرے، بس اپنی اصلاح مقصود ہو نہ منصب مقصود ہو نہ شہرت نہ دولت۔

﴿۶۵﴾ ائمہ کرام سنتوں پر عمل نہیں کریں گے تو مقتدی کیا کریں گے؟

اہل علم کو بھی اپنے اندر جو خامیاں ہیں ان کے ازالہ کی سعی کرنی چاہیے، اسی طرح ائمہ کرام بھی اپنی تربیت اور ظاہری و باطنی ترقی و اصلاح کا خیال فرمائیں، اذائیں، نماز، اور وضع قطع مسنون رکھنے کا اہتمام ہو، امام ہی اگر صحیح نہ ہوگا تو مقتدی کیسے صحیح ہوگا، امام اگر سنتوں پر عمل نہ کرے گا تو پھر مقتدیوں کو کون عمل کرائے گا۔

﴿۶۶﴾ خواجہ صاحبؒ کے ایک شعر پر اشکال کا جواب

مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ میں حضرت مولانا منظور نعمانی کی عیادت کے لیے لکھنؤ گیا ہوا تھا، فجر کی نماز ایک مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے امام صاحبؒ نے..... جو مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ تھے..... مجھ سے کہا کہ خواجہ صاحبؒ کے ایک شعر سے اہل علم کی تنقیص ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ کونسا شعر؟ کہنے لگے.....

دل میں لگا کے ان کی لو کردے جہاں میں نشر ضو
شمعیں تو جہل رہی ہیں سو بزم میں روشنی نہیں

اس میں علماء کی تنقیص ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اچھا آپ پہلے مجھے نماز کی سنتیں بتائیں کہ کون کونسی ہیں؟ کسی طرح بارہ تک سنائے پھر خاموش رہے، میں نے کہا دیکھو بھائی! کسی بھی قاعدہ سے آپ پاس نہیں ہو سکتے اس لیے کہ نماز کی سنتیں اگاون ہیں، آپ کم از کم دو تہائی تو بتلاتے مگر بارہ بتلا سکے ہو، یہی بات خواجہ صاحب فرمانا چاہ رہے ہیں کہ اوروں کو تو دین کا راستہ دکھا رہے ہیں، مسائل بتا رہے ہیں مگر خود اس پر عمل سے محروم ہیں اس میں تنقیص کی کیا بات ہے۔

اس وقت یہاں اتنے لوگ بیٹھے ہیں ان میں سے کتنے لوگ نماز کی سنتوں سے واقف ہیں؟ جب واقفیت ہی نہیں تو عمل کہاں ہوگا۔ پانچ دفعہ روزانہ نماز کے لیے جاتے ہیں، ان میں کتنی دفعہ مسجد میں داخل ہونے کی سنتیں یاد رہتی ہیں؟ خود ہی فیصلہ کر لو۔

نصیحة الابرار^۱

اس وقت ذہن میں تین باتیں ہیں جن کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات منکرات کو مٹانے کے لیے فکر و اہتمام کی ضرورت، دوسری بات اخلاص کی اہمیت اور اس کی نگرانی کا طریق۔ تیسری بات نمازوں کو سنت کے مطابق سیکھنے کا اہتمام۔

۶۷ حالات بدلتے نظر نہیں آتے

میرے عزیز دوستو! اکثر لوگوں کو اس کا علم ہے خصوصاً اخبار دیکھنے والوں کو کہ امت مسلمہ آج کل طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہے، اور قسم قسم کی پریشانیوں کا شکار ہے، اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ہر علاقہ میں علیحدہ قسم کی پریشانی ہے۔ مگر بحیثیت مجموعی پوری امت مصائب اور آلام میں پھنسی ہوئی ہے۔

ایک طرف یہ حال ہے، دوسری طرف ان حالات کی درستگی کیلئے پورے عالم میں دعائیں ہو رہی ہیں، کروڑوں لوگ دعائیں کر رہے ہیں، صالحین اور اہل اللہ دعا فرما رہے ہیں، مدارس میں طلباء اور علماء دعا کر رہے ہیں، عمرہ اور حج کرنے والے لاکھوں مسلمان مقامات مقدسہ پر دعا کر رہے ہیں۔ لیکن حالت بدلتی ہوئی نظر نہیں آتی بلکہ آئے دن مزید ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ مصائب کی وجہ کیا ہے اور ازالہ کی صورت کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہم اس کو کسی زعم و لیڈر سے تو نہیں پوچھیں گے، کتاب و سنت ہی سے دریافت کریں گے۔ چنانچہ غور سے سنئے اللہ تعالیٰ مصائب کی وجہ قرآن مجید میں کیا بیان فرما رہے ہیں۔

۱۔ تمل ناڈو کے قصبہ وانمباڑی میں ذمہ داران مدارس کے ایک جوڑ میں اختتامی خطاب کرتے ہوئے حضرت والا نے جو باتیں ارشاد فرمائی تھیں راقم نے انہیں اسی وقت نوٹ کر لیا تھا۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتُكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ
اور تم کو (اے گناہ گارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو تمہارے ہی ہاتھوں کے لیے ہوئے
کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگزر ہی کر دیتا ہے۔

۶۸) اس امت کی بیماری اور اس کا علاج

اور حدیث پاک میں سرور عالم ﷺ نے اس کی مزید وضاحت فرمادی ہے کہ اس
امت کی بیماری گناہ ہے اور اس کا علاج توبہ و استغفار، اور سب ہی جانتے ہیں کہ توبہ کی کچھ
شرائط ہیں ان کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس مصیبت سے توبہ
کر رہا ہے اسے ترک کر دے اور اس سے علحدہ ہو جائے، یہ نہیں جیسے کسی نے کہا ہے۔
توبہ بربل سجدہ برکف دل پر از ذوقِ گناہ

معصیت را خندہ می آید ز استغفارِ ما

یعنی زبان پر توبہ توبہ ہے، ہاتھ میں تسبیح ہے، ساتھ ہی دل گناہوں کے عزائم سے بھرا
پڑا ہے، یہ تو ایسی توبہ ہے کہ خود گناہ کو ہماری توبہ پر ہنسی آتی ہوگی۔ سچی توبہ ہونی چاہیے، اور
سچی توبہ کا معیار ہے کہ اس گناہ سے کم از کم اس وقت تو علحدہ ہو جائے، یہ کیسی توبہ ہے کہ
معصیت اور منکر کو ترک کرنے تیار نہیں اور معافی مانگتے رہیں۔

غرض میرے عزیزو! مصائب کی اصل وجہ ہماری بد عملی اور منکرات کا پھیلاؤ ہے، اس
پر مزید یہ کہ ان پر نکیر کی بھی کما حقہ سعی و کوشش نہیں، اب آپ ہی فرمائیے کہ محض دعاؤں سے
کیسے امت کی اصلاح حال ہو جائے گی۔

۶۹) ایک اشکال اور اس کا جواب

مجھ سے بعض علماء نے بھی یہ سوال کیا اور کچھ تاجروں نے بھی کہ امت کے حق میں اہل
اللہ کی دعاؤں کے اثرات کیوں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں؟ میں نے ان سے پوچھا: آپ کیا
کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ میں نے کہا: آپ کے بچے کیا
کرتے ہیں، کہنے لگے: وہ بڑے ہو گئے ہیں، کاروبار وہی سنبھالے ہوئے ہیں، میں تو بس

یوں ہی دیکھ بھال کر لیا کرتا ہوں۔ میں نے کہا: یہ بتائے کہ اگر آپ کو باوثوق ذرائع سے معلوم ہو جائے کہ آپ کے بچے کپڑے کے تھان لے جا کر چوری سے بیچ رہے ہیں اور پیسے اپنے جیب میں ڈال رہے ہیں تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے سمجھاؤں گا، نصیحت کروں گا، میں نے کہا: اگر وہ نہ مانیں تو؟ کہنے لگے تنبیہ کروں گا۔ میں نے کہا: اس سے بھی نہ مانیں، اور باز نہ آئیں تب؟ کہنے لگے نکال باہر کروں گا اور میں خود کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لوں گا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اچھا اب یہ بتلائے کہ ان بچوں کو دوبارہ دوکان میں بٹھانے کے لیے ان کی والدہ سفارش کریں، نانا دادا کریں یا اہل محلہ کریں، بلکہ مسجد کے امام صاحب بھی کریں، مگر بچے خود معافی نہ مانگیں تو آپ کیا کریں گے؟ کہنے لگے میں محض ان کی سفارش کی وجہ سے ان لوگوں کو دوکان میں آنے ہرگز نہ دوں گا؟ میں نے کہا: اب سمجھ گئے جواب اپنے سوال کا؟ سارے بزرگان دین دعا کر رہے ہیں۔ حرم شریف میں دعائیں ہو رہی ہیں، لیکن امت خود بد عملی اور منکرات چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تو کیسے مصائب دور ہونگے؟ حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی اس کی طرف بہت اہتمام سے توجہ دلائی ہے۔ فضائل تبلیغ کا مطالعہ کیجئے۔ خصوصاً حدیث نمبر ۳۳ تائے، بہت اہتمام سے پڑھئے۔ اندازہ ہو جائے گا کہ رد منکرات کی من حیث الجماعت فکر نہ کرنے کے کس قدر نقصانات ہیں۔ حدیث پاک میں تو صاف ارشاد فرمایا گیا ہے: **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَأْمُرَنَ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْتَهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ** اولیو شکن اللہ عذاباً من عندہ لثم لتدعنه ولا یستجاب لکم اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ ضرور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ پھر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط فرما دے گا، پھر تم اس سے دعائیں مانگو گے تو وہ قبول نہ فرمائے گا۔

﴿۱﴾ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی ہو

میرے عزیز دوستو! منکرات کی روک تھام کے لیے بھی ایک جماعت کی ضرورت ہے، اگر حکیم کسی مریض کے لیے ایک نسخہ تجویز کرے اور وہ شخص اس نسخہ کی بعض دوائیں تو

کھائے اور بعض نہ کھائے تو اس مریض کو فائدہ ہوگا؟ نہیں۔ کیونکہ علاج میں کسر رہ گئی اسی طرح امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے مگر اس وقت امت میں اچھائیوں کے پھیلانے پر تو محنت ہو رہی ہے لیکن برائیوں اور گناہوں کے ازالہ کی کوشش جتنی ہونی چاہیے نہیں ہو رہی ہے۔ بس یہ وجہ ہے مصائب کے نہ ٹلنے کی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح قرآن مجید کی تعلیم بہتر بنانے اور عمدہ تعلیم کا نظام سوچنے کے لیے یہ کام ہوا ہے اسی طرح برائیوں کو مٹانے اور منکرات کے خاتمہ کے لیے بھی یہاں مجلس دعوة الحق کا قیام عمل میں آنا چاہیے۔ یہ مجلس حضرت حکیم الامت مجدد المملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کی قائم کی ہوئی ہے اور ماشاء اللہ یہ کام مختلف جگہوں پر ہو رہا ہے، اس کے منافع بھی سامنے آرہے ہیں۔ اور جب کام شروع ہوا تھا تو اس کے آداب و احکام اور طریقہ کار کے لیے اشرف الہدایات، اشرف الخطاب وغیرہ کتابیں لکھی گئی جو چھپ چکی ہیں، ان کی روشنی میں مجلس کا قیام عمل میں آنا چاہیے۔ اس کے لیے تو بھائی تین آدمی بھی کافی ہیں۔ مستقل مجلس نہیں قائم ہو سکتی تو پھر یہ کام یہاں موجود مجلس خدام القرآن کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے، بس ہمت اور ارادہ کی ضرورت ہے۔

﴿۴﴾ شروع کرنے والوں کو تمام کام کرنے والوں کا اجر ملے گا

اسی طرح حدیث میں ہے۔ من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده جو شخص کسی اچھے طریقے کی بنا ڈالے گا اس کو اپنا اور جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے سب کا ثواب ملے گا۔ ان وعدوں کے مطابق اس کام کے شروع کرنے والے انشاء اللہ آئندہ کام کرنے والوں کا اجر بھی پائیں گے۔ بس ذرا حوصلہ اور ہمت کی ضرورت ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

رستم خفته ہے تو کس بل نہیں کم ترا جاگنے کی دیر ہے، پھر ہے وہی دم خم ترا
یہ اگر ہو جائے زائل نیست کا عالم ترا چار سو دنیا پہ لہرانے لگے پرچم ترا
اور فرماتے ہیں:

ہر کس ونا کس کو فکر عزت و توقیر ہے بہر تسخیر جہاں کوشش و تدبیر ہے
ان دنوں سودا جہاں گیری کا عالمگیر ہے ترے سرگرم عمل ہونے میں تاخیر ہے
کام تو شروع کر کے دیکھو پھر اللہ تعالیٰ کی کیسی نصرت آتی ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ
يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ④ اگر تم اللہ کی دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد
فرمائے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

④ یہ کس قدر بری بات ہے

آج کل دینی کام کرنے والوں میں باہمی رنجشیں اور تغافل و تقابل بہت ہونے لگا ہے،
ہم جس کام میں لگے ہوئے ہیں اسی میں لگا ہوا کوئی آدمی ملتا ہے تو اس سے حقیقی بھائی کی طرح
ملتے ہیں اور کسی اور کام میں لگا ہوا ملتا ہے تو ہم اس کے ساتھ سوتیلے بھائی کی طرح سلوک کر
تے ہیں۔ یہ کس قدر بری بات ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو ارشاد یہ ہے کہ: کونو عباد اللہ
اخوانا اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کے رہو، کہیں بھائیوں میں اپنا اور پرایا اور ہمارا اور شما کی
تقسیم ہوتی ہے؟ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم ہمارا اور تمہارا کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہم
کون ہوتے ہیں؟ یہ سب اخلاص و للہیت نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

ایک جگہ تو سننے میں آیا کہ ایک صاحب کہہ رہے تھے اس علاقہ میں چندہ کے لیے ہم
نے کوشش کی اور میدان بنایا تھا مگر دوسرے مدرسہ کو زیادہ مل گیا اور ہم کو کم، ایک جگہ اشتہار
دیکھا کہ ہمارے مدرسہ کو چندہ دیں گے تو سات قسم کا ثواب ملے گا، اسی شہر میں دوسرا اشتہار
دیکھا کہ ہمارے مدرسے میں چندہ دیں گے تو آٹھ قسم کا ثواب ملے گا۔ انا للہ! کیا ہو رہا ہے؟
یہ دین کا کام ہے؟ اس طرح اللہ کی رضا حاصل کی جاتی ہے؟

④ صرف اعلاء کلمۃ اللہ کو مقصود بناؤ

میرے عزیزو! صرف فروغ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کو مقصود بناؤ، اپنے طریقہ کو مقصود
نہ بناؤ۔ میں کہا کرتا ہوں جنس کو دیکھو، نوع کو نہ دیکھو۔ ہر اس شخص کا تعاون کرو اور اس سے

حسن سلوک کرو جو دین کے کسی بھی شعبہ میں کام کر رہا ہو۔ کیونکہ دین کے تین شعبے ہیں۔ تعلیم، تبلیغ، تزکیہ، اور تینوں سے مقصود رضائے الہی کا حصول ہے۔

ریلوے والوں سے سبق حاصل کرو، ریلوے کے کسی آدمی کو کوئی ضرورت پیش آ جائے تو پورے ملک میں کہیں بھی اس کو بروقت مدد اور تعاون مل جائے گا، خواہ وہ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو، بس یہ دیکھا جائے گا کہ آیا ریلوے کا ملازم ہے یا نہیں، اگر ہے تو پھر یہ نہیں دیکھا جاتا کہ SR کا ہے یا NR کا ہے، کیونکہ یہ تو اسی محکمہ کی انتظامی تقسیم ہے، یعنی جنس واحد کی انواع مختلفہ ہیں۔ اسی طرح دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کا باہمی تعلق تناصرو تعاون کا ہونا چاہیے۔ ہاں! اپنے کام کا تعارف کر سکتے ہیں مگر تقابل نہیں کرنا چاہیے، تقابل سے تصادم پیدا ہوتا ہے۔ اور تصادم تو کسی بھی قوم کیلئے ہلاکت کا باعث ہے، اسی قسم کی سوچ اور فکر نے قوموں کو برباد کیا ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔

﴿۷۴﴾ تعلیم زیادہ ضروری ہے یا تبلیغ؟

ایک جگہ میں نے دیکھا اس پر بحث چل رہی تھی کہ تعلیم زیادہ ضروری ہے یا تبلیغ؟ میں نے کہا: اللہ کے بندو! کس چیز میں پڑے ہوئے ہو؟ یہ تو ایسا ہی ہوا جیسے کوئی پوچھے کہ آنکھ کی زیادہ ضرورت ہے یا کان کی؟ ہنسے گا کوئی بھی شخص سن کر، کیونکہ کان کا الگ کام اور آنکھ کا الگ۔ دیکھنے کا کام کان نہیں کر سکتا اور سننے کا کام آنکھ نہیں کر سکتی، لہذا دونوں ضروری ہیں دونوں کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، پھر میں نے کہا تیسری چیز اور ہے، وہ ہے تزکیہ، وہ البتہ دونوں سے اہم ہے۔ اسلئے کہ اس کے بغیر نہ تبلیغ کا عمل قبول ہوگا اور نہ تعلیم کا۔ معلوم ہوا کہ علم و عمل کی اہمیت اپنی جگہ پر ہے لیکن محض عمل کا وجود کافی نہیں، بلکہ اس میں قبولیت کی شان بھی ہونی چاہیے، تبلیغ کی جدوجہد اور مدارس کے ماحول سے اعمال تو وجود میں تو آ جاتے ہیں مگر قبولیت کے لائق تزکیہ کے بعد ہوتے ہیں۔ تزکیہ کا حاصل یہی ہے کہ گندے اخلاق ختم ہو جائیں۔

﴿۷۵﴾ اخلاص نہ ہو تو جہاد بھی کام نہیں آئے گا

سب سے پہلے قیامت میں جس شخص کا فیصلہ ہوگا وہ ایک شہید ہوگا، جب وہ حاضر کیا

جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا تو نے اپنی مغفرت کے لیے کیا کیا؟ وہ کہے گا آپ کے راستہ میں قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرمائے گا کہ جھوٹ کہتا ہے، تیرا مقصد تو یہ تھا کہ تو بڑا پہلوان کہلا یا جائے، چنانچہ تجھے یہ لقب مل چکا اور تیرا مطلوب حاصل ہو گیا اب یہاں کیا رکھا ہے، چنانچہ فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے، بس وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر ایک عابد لایا جائے گا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا، پھر ایک قاری لایا جائے گا اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا، پھر یہی معاملہ ایک سخی کے ساتھ ہوگا۔ یہ سب اخلاص نہ ہونے کا نتیجہ ہوگا کہ اتنے بڑے بڑے عمل کئے مگر سب اکارت گئے۔ کیسی سخت وعید ہے اس حدیث میں اور ساتھ ہی اخلاص کا درجہ اور مرتبہ بھی اس حدیث سے خوب واضح ہو جاتا ہے۔

④ صرف رضائے الہی مقصود ہونا چاہیے

اس لئے عزیز و! نہ تو پیسے کیلئے کام ہونا چاہیے، نہ نام کیلئے کام ہونا چاہیے، نہ کام کے لیے کام ہونا چاہیے، بلکہ صرف رضائے ربّ انا کیلئے کام ہونا چاہیے۔ خواجہ صاحبؒ نے اسی کو اپنے پیرایہ میں کس عہدگی سے کہا ہے۔ خواجہ صاحبؒ ڈپٹی کلکٹر تھے، کوئی عالم نہ تھے لیکن ایک اللہ والے (حضرت والا تھانویؒ) کی صحبت اختیار کی تو یہ مقام ملا کہ بڑے بڑے علماء ان سے بیعت ہوئے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ دیکھئے کیا فرماتے ہیں۔

نفع دینی دیکھ تو دُنیا کی بہبودی نہ دیکھ مرضی حق پر نظر رکھ اپنی خوشنودی نہ دیکھ تو اکیلا تیرے دشمن سینکڑوں، یہ بھی نہ دیکھ قدرت حق پر نظر رکھ، اپنی کمزوری نہ دیکھ بہر حال اخلاص سب سے بڑی دولت ہے جس کی آج کل سب زیادہ کمی ہوتی جا رہی ہے، اس کی طرف خصوصی توجہ کرنے اور اخلاص سیکھنے کی ضرورت ہے۔

④ میری طرح نماز پڑھو

ایک اور بات جو اس وقت آپ حضرات کے سامنے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ سنت کے

مطابق نمازوں کا اہتمام ہے۔ میرے دوستو! آج اس کی طرف سے بھی بڑی غفلت پائی جا رہی ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے صلوٰۃ کما رایتہا فی اصل نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھ کو پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو۔ احادیث پاک میں آپ ﷺ کی نماز کا جو طریقہ منقول ہے اسے فقہائے کرام نے کتابوں میں جمع کر دیا ہے، میں اس وقت ایک دوستوں کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

حکم ہے کہ جب قیام سے سجدہ میں جانے لگیں تو سجدہ میں جانے تک بسط تکبیر ہونا چاہیے۔ کیا مطلب؟ لفظ اللہ اکبر قیام سے شروع ہو کر سجدہ تک چلا جائے، اسی طرح جب سجدہ سے سر اٹھاؤ تو سیدھے کھڑے ہونے تک اللہ اکبر کہتے جاؤ، اب لوگ اس کا طریقہ دیکھتے نہیں تو بعض لوگ جب آدھے کھڑے ہو جاتے ہیں تب اللہ اکبر کہتے ہیں پھر جب آدھے جھک جاتے ہیں تب اللہ اکبر کہتے ہیں۔ اور بعضوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو بس لفظ اللہ ہی رہ گیا بگاڑنے کے لیے، نعوذ باللہ..... اللہ اکبر مد کے ساتھ کہہ دیتے ہیں اکثر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں بعض اہل علم بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

۸) ایک غلط فہمی کی اصلاح

ایک جگہ ایک صاحب نے جوائی اہل علم تھے مجھ سے کہا کہ امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ اللہ کو کھینچ سکتے ہیں، میں نے معلوم کیا یہاں صحیح مسلم شریف مل جائیگی؟ وہ جگہ ایسی تھی کہ فوراً مل گئی، میں نے ان سے کہا ذرا وہ جگہ دکھا دیجئے، دکھایا تو اس میں لکھا تھا بسط تکبیر، میں نے کہا: آپ نے بسط تکبیر کو بسط اللہ سمجھ لیا ہے، بسط اللہ کی کہاں اجازت ہے؟ بہر حال تکبیر قیام سے شروع ہونا چاہیے اور سجدہ میں جا کر ختم ہوا اسی طرح سجدہ سے شروع ہوا اور قیام میں جا کر ختم ہو۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اس قسم کے تمام احکام ان لوگوں کے لیے ہیں جو معتدل القوی اور صحت مند ہوں اور کوئی بیچارہ بیمار یا کمزور ہو وہ تو معذور ہے لیکن یہ شخص بھی شروع تو اپنی جگہ سے کرے درمیان میں آکر سانس ٹوٹ جاتی ہے تو وہیں ختم کر دے، اصل میں مشق کی ضرورت ہوتی ہے، کہو تو میں عملاً دکھلا دوں۔ (چنانچہ حضرت والا

نے سجدہ سے قیام تک اور قیام سے سجدہ تک بغیر لفظ اللہ کو کھینچے بسط تکبیر کر کے دکھلایا) جب تک مشق نہیں کرو گے کیسے سیکھو گے۔

﴿۷۹﴾ دیکھنے اور سیکھنے میں فرق

کسی جگہ اگر لفظ اللہ بہت خوبصورت لکھا ہوا ہو اور آپ اس کو دس برس تک دیکھتے رہیں اس کے بعد بھی اگر لکھنے کو کہا جائے تو آپ ایک حرف نہیں لکھ سکیں گے۔ برخلاف مشق کے کہ اگر کسی سے مشق کرنے لگیں تو چار پانچ دن میں ہی اسی طرح لکھنا آجائے گا۔ میرے عزیزو! اپنے اپنے مدرسوں میں پندرہ منٹ کا وقت مقرر کر لیں یا تو اوقات مدرسہ میں ان کا اضافہ کر لیں، یا پھر ہر گھنٹی میں سے پانچ منٹ کم کر کے نکال لیں، اسی پندرہ منٹ میں عملی مشق ہو جائے گی۔ اسی میں اذان سیکھنا، امامت سیکھنا اور نماز سیکھنا سب ہو جائے گا۔ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کا ہمیں علم تو ہے مگر عملی مشق نہیں ہے۔

﴿۸۰﴾ اغلاط نماز کی اصلاح کیجئے

مثال کے طور پر سلام ہی کو لے لیجئے، اس کو بھی نہیں سیکھتے، سلام سامنے سے نہیں کرتے، حالانکہ سامنے کی طرف سے السلام علیکم کہتے ہوئے منہ پھیرنا چاہیے، پہلے سلام سے دوسرے کی آواز پست ہونا چاہیے کیونکہ دوسرے سلام کی آواز پست کرنے کا حکم ہے۔ دونوں سلام ایک ہی سانس میں کہہ دیں گے تو کیسے صحیح ہو سکے گا؟ داہنے سلام کو ایک سانس میں اور بائیں سلام کو دوسرے سانس میں کہنا چاہیے۔ اور پہلے سلام کے مقابلہ میں دوسرے سلام کی آواز پست ہونی چاہیے۔

اسی طرح ایک اور چیز ہے۔ عام طور سے رکوع کرتے ہیں تو ٹانگیں پیچھے جھکا دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ حضرت مفتی (محمود الحسن) صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ رکوع نصف قیام ہے۔ پنڈلیاں سیدھی رہنی چاہیے، فقہانے صراحت فرمائی ہے۔ واحنا ہما شبہ القوس کما یفعل عامة الناس مکروہ اسلئے صرف کر کو جھائیے۔ جیسے ستون پر چھبّا نکالتے ہیں تو ستون تو تیرٹھا نہیں ہوتا، اسی طرح ٹانگیں اپنی حالت پر رہیں جیسے قیام میں تھیں۔

مگر ہوتا یہ ہے کہ گھٹنوں پر زور ڈال کر پیچھے جھکا دیتے ہیں، عادت پڑی ہوئی ہے تو وہ بلا مشق کئے کیسے ٹھیک ہوگی؟ اس طرح بہت سے لوگ سجدہ میں جاتے ہیں تو سر کو جھکاتے ہوئے جاتے ہیں یہ بالکل غلط ہے، سیدھے اترنا چاہیے، پہلے گھٹنوں کو موڑے اور جب تک گھٹنے زمین پر نہ ٹک جاویں، سینہ سیدھے قبلہ رو رہنا چاہیے، جھکنا نہیں چاہیے، اس کے بعد جھکنا چاہیے، سنت طریقہ کتابوں میں تو یہی لکھا ہے مگر دیکھا دیکھی غلط طریقہ چل پڑا۔

عمل کو کتاب سے ملاؤ

اسی لیے میں کہتا ہوں اپنے عمل کو کتاب سے ملاؤ اور کتاب کو سمجھو علماء کرام سے۔ اس میں کسی کا فعل و عمل حجت نہیں فلاں صاحب ایسا کرتے ہیں اور فلاں ایسا۔ ہمارے یہاں نماز کی مشق کا جو سلسلہ شروع ہوا اس کا سبب کچھ اس طرح ہوا کہ ایک بزرگ کے پاس میرا جانا ہوا، میں ان کا معتقد پہلے بھی تھا اور اب بھی ہوں، ان کے فضل و کمال کے اوصاف بھی میں بیان نہیں کر سکتا مختصر یہ کہ مقرر، مفسر، مصنف اور بہت سے کمالات کے وہ جامع ہیں، چاشت کا وقت ہوا تو وہ بھی مسجد گئے میں بھی گیا، اب جو انہوں نے نیت باندھی تو غیر مسنون طریقہ پر باندھی، بہت حیرت ہوئی۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا سبب بس عدم توجہ ہے، دوسرا بھی کوئی توجہ نہیں دلاتا، آج کل بس اسی چیز کی کمی ہو گئی ہے، پھر میں نے ان کو بھی توجہ دلائی اور اپنے ہاں مدرسہ میں اہتمام سے نماز کی سنتوں کی عملی مشق کا سلسلہ شروع کیا۔



اصلاح نفس و اصلاح معاشرہ

۸۲ مسلمانوں کی دوزمہ داریاں

مسلمانوں کے دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ خود نیک بنے دوسرے یہ کہ اوروں کو نیک بنانے کی کوشش کرے، اور یہ دونوں کام ایسے ہیں کہ فطری طور پر ہر ایک اس کی خواہش کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم اچھے بنیں اور دنیا میں بھی اچھائی پھیلے، برائی ختم ہو جس کے نتیجہ میں دوسرے لوگ بھی اچھے ہوں۔

چنانچہ کسی ایسے انسان سے جو نہ زیادہ پڑھا لکھا ہو اور نہ ہی بالکل ناواقف ہو بلکہ معتدل صلاحیت والا ہو اس سے پوچھا جائے کہ تم اچھا بننا چاہتے ہو یا برا؟ شاید ہی کوئی کہے کہ میں برا بننا چاہتا ہوں، ہر شخص یہی کہے گا کہ میں اچھا بننا چاہتا ہوں، اسی وجہ سے وہ اپنی سمجھ اور معلومات کے لحاظ سے جو چیز اچھی ہوتی ہے اسی کو اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح کسی سے یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں اچھائی کا غلبہ ہونا چاہیے یا برائی کا؟ کوئی یہ نہیں کہے گا کہ برائی کا غلبہ ہو اور اچھائی نہ پھیلے، ہر شخص یہی چاہے گا کہ اچھائی کا غلبہ ہو اچھائی پھیلے اور برائی ختم ہو۔

۸۳ اچھائی اور برائی کا معیار

اب سوال یہ ہے کہ اچھائی، برائی کا معیار کیا ہے؟ کس کام کو اچھا کہا جائے؟..... کس کام کو برا کہا جائے؟ جس کام کو ہم اچھا سمجھتے ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے اچھا ہے بھی یا نہیں؟ جس کام کو ہم برا سمجھتے ہیں وہ واقعتاً برا ہے بھی یا نہیں؟ اس کے معلوم کرنے کا ضابطہ کیا

۱۔ اس عنوان کے تحت حضرتؒ کے یہ ملفوظات جو جامعہ اسلامیہ بھنگل میں حضرت والانے ارشاد فرمائے تھے، راقم نے طبع کروا کے خدمت میں پیش کیا تھا، ملاحظہ کے بعد خوشنودی کا اظہار فرمایا تھا۔

ہے؟ اس سلسلہ میں بنیادی بات یہ ہے کہ دین میں سب سے بڑا مقام سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، ہم سب نے آپ کے نام کا کلمہ پڑھا ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ اس کلمہ کا پڑھنے والا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس پسندیدہ طریقہ کے مطابق گزاروں گا جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور جس کا مثالی نمونہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو اچھا فرمائیں وہ اچھا ہے اور آپ جس کو برا فرمائیں وہ برا ہے۔ یہ ہے اچھائی اور برائی کا معیار، اسی کو قرآن پاک میں فرمایا گیا: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ وَمَا نُهَيْكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (سورۃ الحشر: ۷) جن چیزوں کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کی ہے اس کو اختیار کرو۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے اس سے بچو، یہی دین کی اصل بنیاد ہے۔

﴿۸۴﴾ وہ جس کام کو اچھا کہیں اچھا ہے

کوئی کام فی نفسہ اچھا ہے نہ خراب، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کام ایک وقت میں اچھا ہوتا ہے وہی کام دوسرے وقت میں برا ہو جاتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ نماز پڑھنا، روزے رکھنا اچھا کام ہے، لیکن ہر کسی وقت یہ کام کرنا اچھا نہیں بلکہ اس کے لیے پابندی ہے، اوقات ہیں، ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ ایک وقت ہے کہ اس میں نماز پڑھنے کو اچھا کہا جائے گا، صحیح کہا جائے گا۔ اسی نماز کو دوسرے وقت میں کہا جائے گا کہ اس وقت اس کا پڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔ ایک شخص تیس رمضان کو روزہ رکھتا ہے اس کی اچھائی میں کیا شبہ ہے لیکن وہی شخص اس شہر میں عید کے دن بھی روزہ رکھتا ہے تو اب اس عمل کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ صحیح نہیں ہے بات کیا ہے؟..... بظاہر عمل تو ایک ہی ہے، جواب یہ ہے کہ ہاں! عمل تو ایک ہی ہے لیکن حکم الگ الگ ہے۔ اصل چیز وہی ہے کہ جن کے کہنے کی وجہ سے ہم اس کام کو کر رہے ہیں وہ جب اچھا کہیں تو اچھا ہے اور وہ برا کہیں تو برا ہے۔ اس طرح مثلاً کسی غیر عورت کی طرف دیکھنا ممنوع ہے لیکن جب نکاح ہو جائے تو اب اسی کو دیکھنا نیکی بن جاتا ہے۔ پھر اگر کسی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کا تعلق ختم ہو جائے تو اب پھر اس کو دیکھنا گناہ

ہو جائے گا۔ حاصل یہ ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہی اچھائی اور برائی کا معیار ہے۔

۸۵ بڑوں کی اتباع میں کامیابی ہے

ہم لوگوں کی حیثیت بچوں کی سی ہے کہ جس طرح دس گیارہ سال کا بچہ جو کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہے کچھ شعور و تمیز رکھتا ہے وہ کبھی اپنے شعور و فہم کے مطابق کسی چیز کو اپنے لیے مفید سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے لیکن والدین اس کو بتلاتے ہیں کہ یہ چیزیں تمہارے لیے مناسب نہیں، اب اگر وہ والدین کی ہدایت کے موافق معاملہ کرتا ہے تو سرخرو اور کامیاب ہو جائے گا ورنہ ظاہر ہے کہ نقصان ہوگا اور ناکام ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر چھوٹا اسی وقت کامیاب اور سرخرو ہو سکتا ہے جب کہ وہ اپنے بڑوں کا کہنا مانے۔ یہ چھوٹے بچے ان کو پڑھنے کے لیے مکتب اور مدرسہ میں داخل کیا جاتا ہے ان کو کیا شعور اور سمجھ ہے اور کیا تمیز ہے کہ کس مدرسہ کی تعلیم اچھی ہے کس کی نہیں؟ ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا بس والدین کے کہنے سے پڑھنے کے لیے جاتے رہتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد وہ کامیاب ہو کر بڑوں کی جگہ پہنچ جاتے ہیں اور ماں باپ کی جگہ سنبھالنے کے لائق ہو جاتے ہیں، اور جو اپنے بڑوں کا کہنا نہیں مانتے ان کا حشر یہ ہوتا ہے کہ تعلیم و ترقی سے تو محروم ہو ہی جاتے ہیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کو اپنی بد عملی کی وجہ سے جیل خانے تک جانے کی نوبت آ جاتی ہے۔ پس چھوٹوں کیلئے ضروری ہے کہ ان کا ربط اپنے بڑوں سے ہو، تعلق مضبوط ہو، ٹھیک اسی طرح دین میں سرور عالم ﷺ کی شان ہے کہ ان کی ہدایات و تعلیمات پر جتنا عمل ہوگا اتنا ہی انسان کامیاب ہوگا اور ترقی کرے گا، دنیا میں بھی عزت ملے گی اور آخرت میں بھی مزید از زندگی ملی گی۔

۸۶ سکوت صرف نبی ﷺ کا معتبر ہے

ایک ہیں آپ ﷺ کے ارشادات اور ایک ہیں آپ کے اعمال، اور ایک یہ کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا گیا اسے دیکھ کر آپ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، یعنی منع نہیں کیا، کوئی روک ٹوک نہیں کی تو اس کو کہتے ہیں ”تقریر“ یہ تینوں چیزیں سنت کہلاتی ہیں اور دین میں حجت

ہیں، حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے کہ ان کا اس طرح کے موقع پر سکوت کرنا بھی حجت اور دلیل ہوتا ہے، ان کے علاوہ کسی کا سکوت دلیل نہیں ہے۔ یہاں ایک بات اور ذکر کر دوں کہ اس سلسلہ میں عوام کا ذہن یہ ہے کہ کسی عالم کے سامنے کوئی کام کیا جائے اور وہ عالم صاحب اس پر نکیر نہ کریں تو عوام یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کام صحیح ہے، کیونکہ ان کے ذہن میں ہے کہ اگر کام غلط ہوتا تو مولانا صاحب منع کرتے، تو ان کے منع نہ کرنے اور خاموش رہنے کو اس کام کے صحیح ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں، چنانچہ اس پر اگر کوئی نکیر کرے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے تو فوراً کہتے ہیں کہ واہ صاحب! فلاں اہل علم کی موجودگی میں یہ کام کیا گیا انہوں نے تو کچھ کہا نہیں آپ منع کرتے ہیں، حالانکہ یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے، یہ شان تو صرف انبیاء کرام کی ہے، ان کے علاوہ کسی عالم کا سکوت حجت نہیں ہے۔

❁ کسی جماعت کا سکوت بھی حجت نہیں ہے

اسی طرح کسی مجلس کسی اجتماع، جلسہ یا کسی ادارہ یا مدرسہ میں کوئی نامناسب کام ہو لیکن کوئی اس پر روک ٹوک نہ کرے بلکہ سب لوگ خاموش رہیں تو ان سب کا چپ رہنا بھی اس کام کے جائز ہونے کی دلیل نہیں ہوگا۔ جیسے انفرادی طور پر ایک عالم کا سکوت حجت نہیں اسی طرح اجتماعی طور پر کسی دینی مجمع کا سکوت بھی حجت نہیں ہوگا اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ امام نے چار رکعات والی نماز بھولے سے تین رکعات پڑھادی اور سلام پھیر دیا کسی کو کھٹک بھی نہیں ہوئی اور سب لوگ خاموش رہے تو کیا سارے مصلیوں کا چپ رہنا اور امام صاحب کو نہ ٹوکنا اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ نماز صحیح ہوگئی؟..... ظاہر ہے کہ یہ نماز کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبی کا سکوت تو حجت ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کا سکوت حجت نہیں، نہ ہی کسی فرد واحد کا نہ ہی کسی جماعت کا۔

❁ فعل پیراں حجت نہ باشد

یہ بات جو اس وقت عرض کی گئی ہے وہ بزرگوں سے بھی منقول ہے، ہمارے اکابر کا طرز عمل ہمیشہ یہی رہا ہے اور اسی کو انہوں نے پیش نظر رکھا ہے کہ ہر کام میں سنت و شریعت کو

معیار بناتے تھے۔ اگر کبھی ان کے بڑوں سے کوئی کام خلاف سنت ہو جاتا تو وہ اس کام میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوتے ان کی موافقت نہیں کرتے بلکہ اپنے کو اس سے بچا لیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ ان سے بدگمان بھی نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلطان نظام الدین اولیا— جن کو سلطان الاولیاء بھی کہا جاتا ہے — کے خلفاء میں ایک بڑے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی تھے جو مروجہ سماع کے قائل نہیں تھے، ان کے شیخ حضرت سلطان جی سماع کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بے تکلف احباب اور خلفاء بھی ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، دوست احباب جب جمع ہوتے ہیں تو بے تکلفی کی باتیں اور الفت کا ماحول بن جاتا ہے، چنانچہ ان ہی میں سے بعض دوستوں نے کہا کہ اس وقت سب اپنے ہی احباب موجود ہیں، اچھا ہے کہ کچھ دیر سماع کی محفل ہو جائے۔ اب دیکھئے ادھر یہ بات ہوئی ادھر حضرت چراغ دہلوی مجلس سے اٹھ کر جانے لگے، یہ دیکھ کر احباب میں سے کسی نے ان سے کہا از طریق پیراں انحراف کئی؟ پیروں کے طریقہ سے انحراف کرتے ہو؟ اس کا حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے جو جواب دیا ہے وہ ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ فرمایا: فعل پیراں حجت نہ باشد — پیروں کا فعل حجت نہیں ہوتا، یعنی پیر کا فعل بھی اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں۔ اور سنئے! یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ حضرت سلطان جی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا اور اس پورے واقعہ کا ذکر کیا گیا تو حضرت سلطان نظام الدین اولیاء نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: نصیر الدین راست می گوید — نصیر الدین ٹھیک کہتے ہیں، یہ تھی ہمارے اکابر کی شان کہ ہر معاملہ میں سنت کو معیار بناتے اس کے موافق معاملہ کرتے۔

❧ دل شکنی گوارا کر لی مگر حکم نبی کو نہ توڑا

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ یاد آیا۔ ہم سب کے لیے اس میں عبرت و نصیحت کا سامان ہے، حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلویؒ بہت بڑے محدث تھے، ان کے دو شاگرد تھے، ایک شارح مشکوٰۃ نواب قطب الدین صاحبؒ، دوسرے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ

متقی دونوں تھے لیکن مولانا کا ندھلوی کا تقویٰ زیادہ مشہور تھا۔ ایک مرتبہ نواب صاحب نے اپنے استاذ حضرت شاہ اسحاق صاحب اور دیگر علمائے کرام کی دعوت کی، اس میں اپنے ساتھی مولانا مظفر حسین صاحب کو بھی مدعو کیا، انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں تمہاری دعوت قبول نہیں کرتا۔ چونکہ مولانا نواب صاحب کے ساتھی تھے اس لیے انہوں نے اس کی شکایت شاہ اسحاق صاحب سے کر دی کہ حضرت! سب ساتھیوں نے دعوت قبول کر لی مگر بھائی مظفر حسین نے میری دعوت قبول نہیں کی۔ جب حضرت کے علم میں یہ بات آئی تو حضرت نے فرمایا: کہ مولانا کو بلاؤ تا کہ معلوم کیا جائے کہ کیا بات ہے، چنانچہ مولانا استاذ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا میاں مظفر حسین! کیا نواب صاحب کی آمدنی میں کچھ شبہ ہے کہ تم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی؟ مولانا نے کہا حاشا وکلاً! ایسا ہرگز نہیں۔ پھر شاہ صاحب نے پوچھا: پھر ان کی دعوت کیوں نہیں قبول کرتے؟ کہا: حضرت میرا جی نہیں چاہتا۔ پھر حضرت شاہ صاحب نے پوچھا: جی کیوں نہیں چاہتا اس کو تو ظاہر کرو؟ اس پر مولانا نے کہا، حضرت! میرے علم میں ہے کہ نواب صاحب مقروض ہیں، نواب تو پھر بھی نواب ہے اس کی حالت چاہے گر ہی جائے اس کے ہاں دعوت تو پُر تکلف ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ جو رقم دعوت میں خرچ ہوگی وہ ضرورت سے زائد ہے، جب ضرورت سے زائد ہے تو اس کو قرض کی ادائے گی میں دینا چاہیے، مگر وہ دعوت میں لگائی جا رہی ہے جس کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں تاخیر ہوگی جو مناسب نہیں ہے۔ حدیث پاک میں ہے مطل الغنی ظلم کہ جس کو قرض کے ادا کرنے پر قدرت ہو پھر بھی وہ تاخیر کرے تو یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہے۔ اسی لیے مجھے اس دعوت کے قبول کرنے میں کراہت معلوم ہوتی ہے۔ جب شاہ صاحب نے اس بات کو سنا تو نواب صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ واقعی مقروض ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں! اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں مظفر حسین سلمہ جو کہتے ہیں بالکل ٹھیک ہے، آپ یہ رقم قرض میں دیدیتے دعوت نہ کیجئے۔ یہ تھے ہمارے اکابر، یہ تھی ان کی شان۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم اذا جمعنا یا جریر المجامع

۹۰) صالح بننے کا طریقہ اتباع سنت ہے

جو کوئی شخص صالح اور نیک بننا چاہتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو اپنایا جائے، اس کو اختیار کیا جائے۔ اس کو سیکھنے کی سہل صورت یہ ہے کہ اپنی اپنی مسجدوں میں کسی ایک نماز کے بعد ایک ایک سنت سنائی جائے، اسی طرح مدرسوں میں بچوں کو ایک ایک سنت بتلا دی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اپنے گھروں میں جا کر اپنے گھر والوں کو بھی بتلا دیں، اس طرح دھیرے دھیرے سنتوں کا علم عام ہوگا، سنتیں زندہ ہوں گی، اس پر عمل ہونا شروع ہو جائے گا۔ قطرہ قطرہ دریا ہو جاتا ہے، اسی لیے میں کہتا ہوں پہلے اپنی مسجدوں کو سنی بناؤ، مدرسہ میں سنتوں کا مذاکرہ اور بچوں کو یاد کرانے کا سلسلہ شروع کرو۔

۹۱) ہماری اذان و نماز بھی سنت کے مطابق نہیں

آج ہماری اذانیں اور نمازیں سنت کے موافق نہیں، ساٹھ برس سے مختلف جگہوں پر جا رہا ہوں، جہاں کہیں جاتا ہوں اذان غور سے سنتا ہوں، ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اور ہندوستان کے باہر مختلف ملکوں میں گیا مگر ایک جگہ لکھنؤ میں اذان صحیح ملی اور دوسرے جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں سنت کے موافق اذان ملی، یہی حال نماز کا ہے کہ نماز سنت کے مطابق نہیں، جو جس فقہ پر عمل کرتا ہو اس فقہ میں نماز کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے موافق نماز یاد رہے۔ اہل علم تو خیر پڑھتے پڑھاتے ہیں سیکھتے سکھاتے ہیں، ان کے علاوہ جو اور حضرات ہیں ان سے پوچھتا ہوں کہ کسی نے کسی عالم سے نماز سیکھی ہے؟ میں نے اس سے بڑے بڑے مجموعوں میں جہاں اہل صلاح تھے سوال کیا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھنا کسی سے سیکھا ہے کہ قیام کیسے کریں، ہاتھ کیسے باندھیں، رکوع کیسے کریں، سجدہ کیسے کریں؟ جواب نفی میں ملتا ہے۔ جب نماز کا یہ معاملہ ہے تو پھر ختنہ، عقیقہ شادی غمی وغیرہ میں کس طرح عمل ہوتا ہوگا؟ پھر نکاح و طلاق، تجارت خرید و فروخت، معاملات یہ سب چیزیں سنت کے مطابق کیسے ہوتی ہوں گی؟

۹۲) عبادت کی طرح تجارت بھی سنت کے مطابق کیجئے

اسی طرح تاجر کیلئے حدیث میں فرمایا گیا: التاجر الصدوق الامین مع النبیین

والصديقين والشهداء علیہم السلام یعنی دیانت دار اور راست گو تاجر قیامت میں انبیاء اور صدیقین و شہداء کے ساتھ ہوگا۔

یہ فضیلت اس تاجر کے لیے ہے جو سچا اور امانت دار ہو کہ اس کا حشر انبیاء و صدیقین کے ساتھ ہوگا، جس طرح ہماری نماز اگر سنت کے موافق ہوگی تو مقبول ہوگی، اسی طرح اگر ہماری تجارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ہوگی آپ کی سنت کے مطابق ہوگی تو وہ بھی عند اللہ مقبول اور باعث اجر ہوگی، ایسا تاجر صادق اور امین کہلاتا ہے اور اس کا حشر عمدہ ہوگا، یعنی انبیاء و شہداء کے ساتھ ہوگا اور اگر اس کے خلاف ہو تو پھر معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا، اس کا حشر فاجر کے ساتھ ہوگا اس لیے ہر معاملہ میں سنت کا اہتمام اور اس پر عمل کیا جائے۔

۹۳) تین سہل اور اہم سنتیں

اس سلسلہ میں ایک بات اور عرض کئے دیتا ہوں کہ تین سنتیں ایسی ہیں جو عمل کرنے کے لحاظ سے تو سہل اور آسان ہیں لیکن ہیں وہ بڑی اہم کہ ان پر عمل کرنے سے خود ان کی برکات کا مشاہدہ ہوگا کہ مزید سنتوں کا ذوق و شوق پیدا ہوگا، دیگر سنتوں پر عمل کرنا آسان ہوگا انشاء اللہ، یہ تجربہ کی بات ہے۔ ان تین سہل سنتوں میں پہلی یہ ہے کہ سلام کی کثرت اور اس میں سبقت۔ کثرت کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو سلام کرے، خواہ اس کو وہ پہچانتا ہو یا نہ پہچانتا ہو، سبقت کا مطلب یہ ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرے۔ سلام کرنے میں عموماً لوگ غلطی کرتے ہیں کہ سلام کا ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر نہیں کرتے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ السلام علیکم کے بجائے سلام علیکم کہہ رہے ہیں اس لیے جب سلام کرے تو اس کے ہمزہ اور میم کی حرکت کو صاف ظاہر کر کے ادا کرے۔

دوسری سہل سنت یہ ہے کہ ہر بڑھیا کام اور جگہ میں داہنی جانب کو مقدم کرے اور ہر گھٹیا کام اور جگہ میں بائیں جانب کو مقدم کرے۔ مثلاً مسجد میں جانا ہے تو چوں کہ وہ بڑھیا جگہ ہے، اس لیے پہلے داہنا پیر داخل کرے اور اگر مسجد سے نکلنا ہے تو وہ اندر کے لحاظ سے

گھٹیا جگہ ہے اس لیے بایاں پیر پہلے نکالے، اسی طرح کپڑا پہنیں گے تو داہنی طرف سے اور اتاریں گے تو بائیں طرف سے، بیت الخلاء جائیں گے تو پہلے بایاں پیر رکھیں گے وہاں سے نکلیں گے تو پہلے داہنا پیر نکالیں گے۔

تیسری سہل سنت یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرے۔ جن نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان میں نماز کے فوراً بعد اور جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان میں سنتوں کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس مرتبہ الحمد للہ، چونتیس مرتبہ اللہ اکبر پڑھے، دن بھر میں ایک تسبیح کلمہ طیبہ، ایک تسبیح درود شریف، ایک تسبیح استغفار کی کم از کم ضرور پڑھے اس نیت کے ساتھ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھے، اور غیر اللہ کی محبت گھٹے اور متفرق اوقات میں بغیر کسی تعداد کے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر پڑھتا رہے، چاہے ملا کر پڑھے، چاہے الگ الگ پڑھے۔ بہتر یہ ہے کہ اوپر چڑھے تو اللہ اکبر کہے، نیچے اترے تو سبحان اللہ کہے۔ اور برابر زمین پر چلے تو لا الہ الا اللہ کہے۔

۹۴) بیمار امت کے لیے نسخہ شفا

جس طرح ٹی بی کا مریض روزانہ ایک دوا کی گولی یا ٹیکہ استعمال کرے یا روز ایک انجکشن لگواتا رہے تو چند دن میں وہ طاقتور ہو جاتا ہے، اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اسی طرح یہ امت بھی جو آج گمراہی میں مبتلا ہے اگر وہ سنت کی گولی استعمال کرے تو وہ بھی بہت جلد صحت مند ہو جائے گی اور ترقی کرنا شروع کر دے گی۔ یہ بھی فائدہ ہو گا کہ جب ہم سنت پر عمل کریں گے تو جو اس سے زیادہ ضروری چیزیں ہیں، ان کو بدرجہ اولیٰ کریں گے، اور جو چیزیں چھوڑنے کی ہیں ان سے بچیں گے۔ جیسے گاڑی چلانے والا لال بتی کو دیکھ کر گاڑی روک لیتا ہے اور ہری بتی کو دیکھ کر آگے بڑھتا ہے وہی لال بتی اور ہری بتی والا قانون یہاں بھی ہے، لال بتی کیا ہے؟ حرام، ناجائز، مکروہ، ان سے بچنا اور یہاں رکنا ضروری ہے۔ ہری بتی فرض، واجب، سنت اور مستحب ان پر عمل کرنا اور ان کا اہتمام کرنا ضروری ہے، اسی سے انسان نیک اور صالح بنتا ہے۔

۹۵ اصلاح منکرات کا فریضہ پورا کیجئے

خود صالح بننے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی صالح بنانا بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، کچھ لوگ ایسے ہیں جو ناواقفیت کی وجہ سے برا کام کرنے لگ گئے ہیں، ان کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنا یہ بھی تو مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ مان لیجئے مسجد کے قریب کسی کامکان ہے، ہم نماز پڑھ کر آئے تو دیکھا کہ اس مکان سے دھواں نکل رہا ہے، آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں تو ایسے موقع پر کیا کریں گے؟ اگر دروازہ بند ہو کھٹکھٹائیں گے، اگر گھر والے سو رہے ہوں اور گھنٹی بجانے سے بھی کوئی اٹھتا نہیں، تو پڑوس کے مکان میں سے جا کر آگ بجھانا شروع کر دیں گے اور جس طرح ممکن ہو گھر والوں کو باہر نکالنے کی کوشش کریں گے۔ پس جس طرح اس آگ کو بجھانے کی فکر اور کوشش کرتے ہیں، اسی طرح جن کے یہاں دین کے اعتبار سے آگ لگ رہی ہو اس کو بجھانے کی بھی فکر اور کوشش ہم کو کرنا چاہیے۔ قرآن کریم کی آیت ہے: وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸۴﴾ (آل عمران) تم میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔ آج دین کے اور کام تو ماشاء اللہ ہو رہے ہیں لیکن کیا برائیوں کے مٹانے کی بھی جماعتی طور پر محنت ہو رہی ہے؟ جس طرح مساجد و مدارس اور دیگر کاموں کیلئے کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں اور جماعتیں قائم ہیں اسی طرح برائیوں کے مٹانے کیلئے بھی کوئی جماعت ہے؟ کیوں بھئی! جس طرح اچھائیوں کا پھیلانا فرض کفایہ ہے اسی طرح برائیوں کے مٹانے کیلئے جماعتی اعتبار سے محنت کرنا بھی تو فرض کفایہ ہے، لیکن آج اس سلسلہ میں غفلت ہو رہی ہے۔

۹۶ بے اصولی سے احتیاط کرنا چاہیے

اس سلسلہ میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ منکرات کی اصلاح کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ تو بھائی! بات یہ ہے کہ نہی عن المنکر سے فتنہ نہیں ہوتا بے اصولی کرنے سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ امر بالمعروف کا کام بھی بے اصولی سے کیا جائے تو اس میں بھی انتشار ہوگا، اگر یہ کام

فتنے کا ذریعہ ہوتا تو غور کیجئے شریعت میں اس کے کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا، حالانکہ فتنہ و فساد شریعت میں سخت ناپسندیدہ ہے۔ تو اصل چیز جو فتنہ کا باعث بنتی ہے وہ بے اصولی اور حدود کی رعایت نہ کرنا ہے، میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ کسی بزرگ کی مجلس میں بیٹھے ہوں مثلاً حضرت مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم تشریف لائے، فجر کے بعد ان کے پاس دس بارہ آدمی بیٹھ گئے، دین کی باتیں ہو رہی ہوں، اتنے میں ناشتہ کا انتظام ہو گیا تو اب منتظمین ان لوگوں سے کہنے لگیں کہ اچھا صاحب صبح سے آپ لوگ بیٹھے ہیں جانے کا نام نہیں لیتے تو آپ لوگ بھی ناشتہ میں شریک ہو جائیں، آپ ہی بتائیے اس عنوان سے کتنے لوگ ناشتہ میں شریک ہوں گے؟ اگر بھوک لگ رہی ہوگی تب بھی کوئی بیٹھنا گوارہ نہیں کریگا۔ لیکن اگر اسی بات کو اس طرح کہیں کہ آپ حضرات کو ناشتہ کرانے کا جی چاہتا تھا، لیکن موقع نہیں مل رہا تھا، خوش قسمتی سے آج موقع ہو گیا، حضرت مولانا کے ساتھ آپ حضرات بھی شرکت فرمائیں، دیکھئے یہ عنوان اتنا مؤثر ہوگا کہ اگر کسی کو اشتہا نہیں ہوگی تب بھی شریک ہو جائیگا۔

﴿۹۷﴾ برسوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا

مطلب یہ ہے کہ عنوان کا بڑا اثر پڑتا ہے آدمی حق بات کہے مگر اچھے عنوان سے کہے، یاد رکھئے! دین میں جب بھی فتنہ ہوگا تو بے اصولی سے ہوگا، اگر آداب کی رعایت رکھی جائے تو پھر فتنہ نہیں ہوگا۔ الحمد للہ دعوت کا کام کرتے ہوئے برسوں ہو گئے مسگر ٹکراؤ اور نزاع کی نوبت کبھی نہیں آئی جبکہ بہت سے منکرات کی اصلاح ہوئی۔ ہلکے ہلکے کوشش کی جائے پھر اس کے مفید نتائج مرتب ہوتے ہیں، ہماری عید گاہ میں دس ہزار کا مجمع ہوتا ہے۔ پہلے عید کی نماز کے بعد لوگ صد فی صد مصافحہ کیا کرتے تھے، لیکن نرم عنوان سے سمجھایا گیا بار بار بتلایا گیا کہ مصافحہ کرنا ملاقات کی سنت ہے عید کی سنت نہیں۔ اب الحمد للہ جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ نہیں کرتے اسی طرح عید کی نماز کے بعد بھی لوگ مصافحہ نہیں کرتے۔ اسی طرح خطبہ میں پہلے دس فیصد لوگ بیٹھتے تھے محنت کی گئی، کوشش کی گئی تو اب صد فیصد بیٹھنے لگے۔ حالانکہ پندرہ پندرہ صغیں عید گاہ کے باہر ہو جاتی ہیں لیکن سارا مجمع سکون کے ساتھ بیٹھا رہتا ہے، اور جب تک خطبہ ختم نہیں ہوتا کوئی نہیں اٹھتا۔